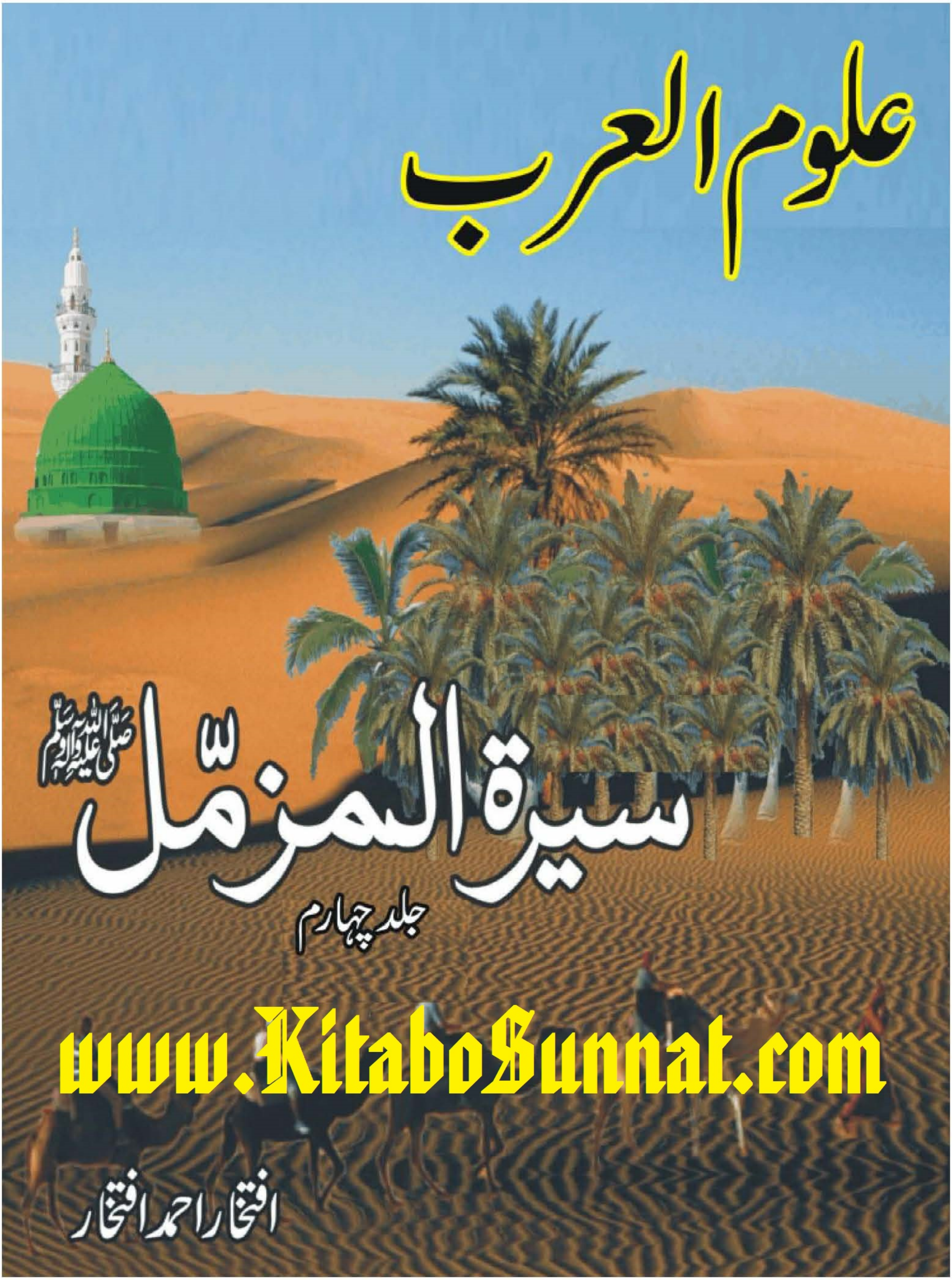
علوم العرب
سیرۃ المزمل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
جلد چہارم
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد چہارم (علوم العرب)

سنہ تحریر؛ جنوری 2009ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛ (محدث لائبریری)https://kitabosunnat.com

ابتدائے کلام

مذہب اِس اخلاقی احساس کا نام ہے جو انسان کی سیرت تعمیر کرتا ہے اور فرد کے اخلاقی رویے پہ ہی انسانی سماج کی بنیاد رکھی ہے۔اس لیے آج اکیسویں صدی میں بھی مذہب سے پیوستہ اور مذہب سے عاری سماجوں کے مابین اس مہیب فرق کو جانا جاسکتا ہے جس کی بنا نظریات پہ رکھی ہے۔چنانچہ اس قدیم تفریق نے انسانی معاشروں میں اس خلفشار کو جنم دیا جس کو مختلف ادوار میں لوگ مختلف نام دیتے آئے ہیں۔آج جب اہل مغرب کو معاشی اور عسکری محاذوں پر برتری حاصل ہے اور وہ خود مذہب سے بیزاری کی راہ پہ چل پڑا ہے تو اس نے مذہبی نظریات پہ استوار معاشروں کو دنیا کے لیے خطرہ قرار دے دیا ہے اوران کے خلاف طاقت کے استعمال کو جواز فراہم کرنے کے لیے ان کو دہشت گرد کا خطاب دیا ہے۔اگرچہ آج بھی دنیا کے اس ہنگامہ پرور شور میں دنیا کے اکثر لوگ اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ کسی نہ کسی مذہب کے پیرو ہیں۔اگرچہ ان کی زندگیوں میں اس کا ہلکا سا عکس بھی دکھائی نہیں دیتا تاہم پھر بھی وہ اس موہوم سی نظریاتی وابستگی کو مذہب کا نام دیتے ہیں جس سے وہ وابستہ ہیں۔دوسری طرف ان لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو اپنی زندگی میں مذہب کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں اور ان کا تخلیل کسی خالق کے وجود سے عاری ہے۔ان کے شب و روز ہر اُس احساس سے خالی نظر آتے ہیں جس کی بنیاد معروف اخلاق

اصول وضع کرتی ہے۔یاد رہے کہ اہل مغرب نے مادیت کی انتہاوں پہ جاکے دیکھ لیا ہے کہ خوشی اور اطمینان اس وادی میں نہیں پایا جاتا۔وہ اپنی روحانی تشنگی کو محسوس کرتے ہیں مگر کلیسا کی پیچیدہ تعلیمات میں اس کا حل نہیں پاتے۔اُن کی پیاس کے جواب میں انسانی تخیل کے ہاتھوں گھڑے ہوئے ادیان ہی بس نظر آتے ہیں۔چنانچہ وہ دنیا میں موجود واحد آفاقی دین اسلام کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں مگر اہل مغرب کا مقتدر طبقہ اپنی عوام کو حقیقت سے ناآشنا رکھنے کے لیے سازشوں کے جال بنتا رہتا ہے۔چنانچہ ہر دور میں ان کی طرف سے اسلام کے خلاف ایسی سازشوں کا ظہور ہوتا رہا ہے جن کی بنا پر وہ اپنے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام امن وسلامتی کا دین نہیں بلکہ اس کے پیرو تو وحشت اور جنون میں مبتلا ہیں اور اسی غرض سے مغرب گاہے بگاہے مختلف منصوبوں پہ کام کرتا رہتا ہے۔آج کل انہوں نے انتہا پسند مسلمان اور اعتدال پسند مسلمانوں کی اصطلاع وضع کر کے امت کو تقسیم کرنے کی سازش تیار کی ہے مگر حقیقت یہ ہے ان کے یہ سارے اقدامات اسلام کے وجود پہ ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں ڈال سکتے۔اس لیے کہ اسلام اور مسلمانوں کی دوسرے ادیان پر برتری یہ ہے اللہ کے حکم سے اُن کی کتاب محفوظ ہے جس کی وجہ سے اگر ان کے مابین کوئی انتشار جنم لیتا بھی ہے تو وہ پانی کے بلبلے کی طرح لمحاتی زندگی کا حامل ہوتا ہے۔جہاں تک اہل مغرب کے عام شہری کا تعلق ہے تو اُن میں سے جو بھی غور وفکر کی طرف مائل ہوا تو منزل کو اس نے اپنے سامنے پایا اس لیے کہ اسلام تو چمکتا ہوا سورج ہے جس کی روشنی کسی دلیل کی محتاج نہیں۔نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنی رفعت عطا فرمائی ہے کہ جس کو بیان کے لیے قلم عاجز ہیں عقلیں معاوف ہیں۔آخر میں ایک ہی دُعا ہے کہ اللہ ہر انسان کو ہدایت ابدی سے نوازے اور اس روشنی کی طرف اس کا رخ پھیر دے جو اس کے اندھیروں میں اجالا کر دے اور اللہ سے یہ بھی دُعا ہے کہ اس حقیر کی اس کوشش یعنی سیرۃ المزمل کو بھی مدح نبوی کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس امتی کو بھی منزل مل جائے گی حقیقت یہ ہے کہ میرے دامن میں تو ان الفاظ کے علاوہ جو میں سیرت المزمل کے سلسلے میں لکھے ہیں اور کچھ ہے بھی نہیں۔

حقیر ‏ افتخار احمد افتخار

بسم الله الرحمن الرحيم

حسن ترتیب

ابتدائے کلام	3
حسن ترتیب	8
علوم العرب	13
عربوں کا علم شعر	20
امراؤالقیس بن حجر الکندی	37
زہیر بن ابی اسلمی	44
النابغہ الذبیانی	51
الاعشیٰ	55
حضرت لبید بن ربیعہ العامریؓ	59
حضرت حسان بن ثابتؓ	64
امیہ بن ابی صلت	69
علم عرافت وکہانت	73

عرافت کا بیان	81
سواد بن قارب الدوسی	84
طریفتہ الکاہنہ	98
شق بن انمار بن نزار	102
سطیح بن مازن بن غسان	110
فاطمہ بنت مراخثمیہ	116
علم طب	122
الحرث بن کلدہ ثقفی	125
النضر بن الحرث بن کلدہ ثقفی	132
علم فراست	137
علم رجز وعیافہ	152
جندب بن العنبر بن عمرو	174
مرۃ الاسدی	178
ابوذویب ہذلی شاعر	180
علوم الخیل	184

گھوڑوں کے عیب ومحاسن	203
مدحتِ بے مثال	215
گھوڑوں کے رنگ	221
سبقت لے جانے والے گھوڑے	226
عربوں کے نامور گھوڑے	234
اعوج	235
اشقر	237
البریت	241
برخا	244
الحرون	246
حزمہ	248
الحفار	251
ھرواۃ	253
عرب کے مشہور شہ سواروں کے حالات	256
حضرت زید الخیرؓ	260

عامر بن طفیل	246
عمرو بن معدیکرب	268
ربیعہ بن مقدم	272
عنترہ بن شداد عبسی	274
معاذ بن صرم خزاعی	277
الحرث بن عباد	238
امیہ بن الحرث الکنانی	287
بشامہ بن حزن النہشلی	296
عربوں کا علم تاریخ	301
عربوں کا فن کتابت	316
عربوں کی جہاز رانی	338
ابر کا علم	344
صحرائی رستوں کا علم	359
علم العیافہ و علم الکیافہ	363
علم الریافہ	368

علم الانساب	370
طبقات الانساب	381
صعصہ بن صوحان	384
لنخار بن اوس بن الحرث	389
ذغفل بن حنظلہ السدوسی	395
رسول اللہ ﷺ کا نسبی شرف	404
نسب پاک	423
اشارات	429
ماخذ ومصادر ومراجع	447
اختتام	489

علوم العرب

اس بات میں اب کوئی شک نہیں کہ عرب دنیا کی قدیم ترین قوم ہے انھوں نے خطہ زمین پر انسانی تاریخ کا طویل ترین دور گزارا ہے۔ انھوں نے کتنے زمانے دیکھے ہیں، انھیں اس دنیا میں رہتے ہوئے کتنے یگ بیت چکے ہیں اور ان کی ابتداء کب ہوئی کوئی نہیں جانتا۔ مورخین نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ناکافی ہے اور عرب بائدہ کی اقوام کے تو تقریباً تمام حالات وقت کی راکھ میں کھو چکے ہیں ماسوا ان حالات کے جو آسمانی صحیفوں میں مذکور ہیں۔ تاریخ کے دھارے پہ محو سفر قوم عرب نے اس تمام عرصہ میں یقیناً زندگی کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ اس تمام عرصے میں کبھی یہ بلند ہوئے تو کبھی پستی میں گرتے چلے گئے۔ کبھی ان میں باہمی اتفاق ہوا تو کبھی اختلاف، کبھی ان پہ خوش بختی آئی تو کبھی بدبختی، کبھی وہ قوی ہوئے تو کبھی کمزور، کبھی ان پہ تنگی آئی تو کبھی فراغی۔ تاہم انھوں نے اپنے وجود کو حالات کے خلاف لڑنے

اور جدو جہد پہ مائل رکھا۔جس کی وجہ سے انھوں نے تاریخ عالم میں اپنے وجود کو بچائے رکھا۔تو جوشخص ان کے حالات کی جستجو کرے گا اس پہ یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ان کی سر بلندی اور ترقی جواُن کو حاصل ہوئی وہ اقبال اور رفعت اور برتری جو اِن کو ہم عصر اقوام پہ حاصل تھی ،وہ جن امور کی مرہون منت تھی ان میں ایک علم بھی تھا۔کیونکہ علم باوجود اِس کے کہ اس کی مختلف شاخیں اور بکھری ہوئی ٹہنیاں ہیں انسان کی سعادت کا سب سے بڑا سبب ہے۔علم ہی وہ خالص نور ہے جس سے صاحبِ بصیرت اور صاحب عرفان لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ہماری مراد یہاں صرف اِن امورِ علم سے ہے جو انسان اکتسابی طور پہ حاصل کرتا ہے۔جو نوع انسانی کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

لہٰذا اس میں وہ تمام عقلی اور نقلی علوم شامل تصور ہوں گے جو خواہ فرع ہوں یا اصل۔مگر یاد رہے کہ یہ تمام علوم علم وحی کے مقابل ہیچ ہیں۔انسان کو علم وحی کی ضرورت اسی قدر ہے جس قدر اس کا سانس لینا ضروری ہے۔تاریخ عالم کے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی ترقی ہوئی جتنے بھی انقلابات آئے ان کی بنیاد علمی استدلال پہ ہی رکھی تھی اور عرب اس بات سے واقف تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم کی دولت سے مالامال کر رکھا تھا۔وہ جانتے تھے کہ علم ہی کی بدولت انسان ذی عزت مقام حاصل کرتا ہے،علم ہی سے اخلاق مہذب بنتے ہیں،علم ہی سے اندھیرے رستوں میں روشنی ہوتی ہے،علم ہی سے اخلاق مہذب بنتے ہیں،علم کی بدولت ہی سرداری اور حکمرانی ہے،علم ہی کی وجہ سے دشمن کو مغلوب کیا جاسکتا ہے، علم ہی کی بنیاد پہ مدمقابل کو ذلیل کیا جاسکتا ہے،علم ہی کے ذریعے گردنوں کو طوقوں سے آزاد کرایا جاسکتا ہے،علم ہی کے ذریعے مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں اور غایت بعید کو پالیا جاتا ہے۔

رہا جہل تو یہ ہر مصیبت کی بنیاد ہے،ہر دکھ اور تکلیف کی اصل ہے۔لہٰذا جو قومیں عقل اور علم سے روشنی حاصل کرتی ہیں اور فضیلت کے زیور سے آراستہ رہتی ہیں وہ ہمیشہ ترقی کے بلند زینوں کی طرف اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔سیدھے رستے پہ چلنے کے لیے ان کا نور ہدایت چمکتا رہتا ہے۔اور جو قومیں جہالت کی تاریک ردا اوڑھے اپنا سفر شروع کرتی ہیں منزل ہمیشہ ان سے دور ہی رہتی ہے۔ایسے لوگ کم فہمی اور عدم استحکام کا شکار رہتے ہیں۔ایسی قومیں اپنی بقاء کی جنگ جلد ہی ہار جاتی ہیں۔جہل میں ملوث لوگوں کی بصیرت مٹ جاتی ہے اور ان کے افکار کے نتائج فاسد ہوجاتے ہیں چنانچہ وہ شاہراہ حیات پہ چلنا بھول جاتے ہیں اور سعادت مندی کا پھل چننے سے محروم کردیئے جاتے ہیں۔ان میں مذموم صفات جنم لیتی

ہیں اور وہ کج اخلاقی رویوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور محرومیت کے بیابان میں پریشانی کے عالم میں پھرتے ہیں اور مصیبت ہر طرف سے انھیں گھیرے رہتی ہے۔ دولت تو صرف علم ہے اور عرب اس راز سے واقف تھے اس لیے یہاں ہم ان امور کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی بنا پر عرب معاشرہ عصری اقوام کے مقابل مضبوط اخلاقی ڈھانچے پر استوار تھا۔ اہل عرب کے بارے میں یہ فکری مغالطہ عام طور پہ معروف ہے کہ عہدِ جاہلیت میں عرب علوم و معارف سے عاری قوم تھی۔

اگرچہ حقیقت اس سے قدرے دور ہے اور عربوں کے علوم معروف ہیں۔ ان کے ہاں طرز بادیہ نشینی اور زندگی کی سادگی نے ان کو جفاکشی اور شجاعت تو بخشی تھی مگر یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ علوم و معارف سے دور تھے۔ عربوں کی مختلف قسمیں تھیں اور ان کے ہاں مختلف قسم کی صنعتیں تھیں۔ عرب بائدہ یعنی عاد و ثمود، طسم و جدلیس وغیرہ قومیں تو ختم ہو چکیں اور اُن کے واقعات اور تفصیلی حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ جس حد تک الہامی کتابوں میں ان کا تذکرہ موجود ہے اس کا بیان گذر چکا ہے۔ عرب جو قحطان اور عدنان کی اولاد ہیں جن کے علوم و معارف سے واقفیت حاصل کرنا یہاں مقصود ہے۔ قحطان جو ملک یمن کے باسی تھے۔ ان کا تمدن اور علوم و معارف اتنے ہی عمدہ تھے جتنا کہ کسی مہذب قوم کے ہو سکتے ہیں۔ ان کی اکثریت شہروں میں رہتی تھی اور انھوں نے اپنے پیچھے بہت کچھ یادگار چھوڑا ہے۔ انھوں نے بلند و بالا محلات تعمیر کیے، عظیم الشان بند بنائے اور بڑے بڑے شہر بسائے۔ جن کی تشریح مورخین نے بڑی شرح و بسط سے کی ہے۔ اہل سبا ہی کو لے لیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب معزز میں یوں کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ سبا ۳۴ / آیات ۱۵،۱۶)

ترجمہ:

"سبا کے لیے ان کے اپنے ہی مسکن میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں کہ کھاؤ

اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ اور پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا، مگر وہ منہ موڑ گئے، آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ کر سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انھیں دیئے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسانوں کے سوا ہم ایسا بدلہ کسی کو نہیں دیتے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور قوم ثمود کو بھی تمام عصری علوم سے مزین کیا گیا تھا۔مگر انھوں نے جب انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بھولی بسری داستان بنا دیا چنانچہ ارشاد ہوا کہ!

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاء تْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَـذِهِ نَاقَةُ اللّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللّهِ وَلاَ تَمَسُّوهَا بِسُوَءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ O وَاذْكُرُواْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاء مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُوراً وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتاً فَاذْكُرُواْ آلاء اللّهِ وَلاَ تَعْثَوْا فِي الأَرْضِ مُفْسِدِينَ O قَالَ الْمَلأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُواْ مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُواْ لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحاً مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ قَالُواْ إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷/آیات ۷۳،۷۴)

ترجمہ:

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آ گئی ہے یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک کھلی نشانی کے طور پہ ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین

میں چرتی پھرتی رہے، اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آلے گا یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو، اس قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا! کیا تم واقعی صالح علیہ السلام کو اپنے رب کا پیغمبر سمجھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہیں'' ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا پھر جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ یہ طے شدہ امر ہے کہ اہل عرب کے ہاں ان تمام امور سے کامل واقفیت کا پتہ چلتا ہے جو نظم و نسق، معیشت، نشو و نما، ملک کے استحکام اور تدبیر منزل سے متعلق ہوتے ہیں اور جن کا دار و مدار فوجوں کے انتظام، شہروں کی تعمیر اور نہروں کے نکالنے وغیرہ سے ہوتا ہے اور یہ ایسے امور ہیں جنکی عدم موجودگی میں ترقی اور بقاء ممکن نہیں۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن کا جہالت اور عدم معرفت میں پایا جانا ممکن ہی نہیں ان میں موجود تھے۔ ان کے دین مختلف تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے جنھوں نے ان کی طرف احکام اوامر و نہی پہنچائے اور دوسری امتوں کی طرح ان میں سے بھی کچھ لوگ تو ایمان لائے اور بہت سوں نے تکذیب کی۔ انھیں بہت سی صنعتوں میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اور ان میں تبابعہ اور جبارہ کو علم نجوم وغیرہ سے نتائج نکالنے کے بہت سے طریقے معلوم تھے اور یہ ایسی مسلّمہ باتیں ہیں جن کے قبول کرنے میں کسی کے لیے توقف کرنا یا متردد ہونا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ صحیح اور متواتر روایات ان امور کی ناطق گواہ ہیں۔ رہے بنو عدنان اور یمن کے وہ عرب جو سیل ارم کے حادثے کی وجہ سے منتشر ہو کر ان کے پڑوس میں آباد ہو گئے تھے تو وہ بھی ایک شریعت پہ کاربند تھے جو انھیں وراثت میں ملی تھی اور ان کے پاس آسمان سے اترا ہوا علم تھا۔ یہ وہ علم تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جسے حضرت

اسماعیل علیہ السلام نے عربوں تک پہنچایا تھا۔ پھر مرورِایام اور مدت مدید کے بعد ان کی حالت میں خلل پیدا ہوا اور ان کے احوال تغیر پذیر ہوگئے۔ انھوں نے اپنے اس دین کو جس پہ وہ کاربند تھے مہمل کردیا اور ان قوانین کو چھوڑ دیا جن پہ وہ صدیوں سے کاربند تھے اور اُن امور کو اپنا لیا جو عمرو بن خزاعی نے ان کے لیے اپنے جی سے گھڑے تھے۔

اس دن سے ان میں جہالت پھیلنا شروع ہوگئی۔ علم کم ہوتا گیا اور ان کی صنعتیں ضائع ہوگئیں۔ وہ ان علوم میں مشغول ہوگئے جنھوں نے اس قبائلی نظام کو جنم دیا جو خون میں نہلایا ہوا اور زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کی صداؤں سے آراستہ تھا۔ تاہم صدیوں کی ریاضت اور جفاکشی نے ان کے اندر موجود صالح عناصر کو زندہ رکھا جس کی بدولت وہ اس قابل ہوئے کہ اسلام کی دولت کو سمیٹ سکیں اور اسے دنیا میں تقسیم کرسکیں۔ عام طور پہ اسلام سے تین صدیاں قبل کے عرصے کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے جس میں عربوں کا تمدن اور علوم و معارف ہماری اس بحث کا ہدف ہیں۔ عربوں کے علوم کی فہرست طویل ہے جن کے بہت سے پہلو اور شاخیں ہیں۔ جن کا جاننا عربوں کی فضیلت پہ دلیل ہے۔ عربوں کے علوم خاص تھے اس لیے کہ ان کی بودوباش خاص تھی۔ چونکہ دورِ جاہلیت میں ان علوم کی ضرورت ان کو دن رات رہتی تھی اس لیے وہ ان تمام امور کے ماہر تھے اور اپنے علوم میں وہ کسی کو اپنا ثانی نہ جانتے تھے۔ ان کے علوم میں علم الانساب، علم عرافت، علم کہانت علم نجوم، علم قیافہ، علم طب، علم تاریخ، علم فراست، علم ریافہ، علم تیغ زنی، علم تیراندازی، علوم حرب ہواؤں کا علم، سمندری رستوں کا علم، صحرائی رستوں کا علم، ابر کا علم، لکھنے اور پڑھنے کا علم وغیرہ شامل ہیں۔

شعر کا علم تو غالبًا ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ عربوں کو اپنی زبان دانی پہ فخر تھا اور وہ اتنے فصیح و بلیغ تھے کہ اس میدان میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ خالص النسل تھے اس لیے کہ وہ مخلوط آبادیوں سے الگ تھلگ اپنے تشخص کو برقرار رکھتے تھے۔ ان کو اپنی خودی سے محبت تھی اور وہ آزادی کے دلدادہ تھے۔ ان کے خطباء اور شعرا اتنے پراثر تھے کہ جب چاہیں لوگوں کو قتل و غارت گری پہ آمادہ کرسکتے تھے۔ ان کے علوم کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا اور ان کی غارت صحرائے عرب میں معروف تھی۔ ان کے قبائلی نظم میں دور دور تک بزدلی اور کاہلی کا گذر نہ تھا۔ وہ اپنے علوم میں پختہ اور شعر و ادب میں یکتا تھے۔ اہل قریش عربوں میں سربلند تھے کہ یہ خاص حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور ان کو علم سے وافر حصہ عطا کیا گیا تھا۔ یہ لوگ عزت

کے باوقار مقام پر فائز تھے اور سرداری کے مضبوط قلعے میں محفوظ تھے۔ سرزمین عرب کی عقیدتوں کا مرکز بھی تھے اس لیے کہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے۔ وہ طاقت اور ثروت میں بھی یکتا تھے اور علوم و معارف میں بھی سب عربوں پہ بھاری تھے اسی لیے نبوت بھی انھیں کے حصے میں آئی۔ عربوں کے علوم و معارف کے اس سلسلے کا آغاز ہم ان طبیعی علوم سے کریں گے جو ان کو وراثت میں ملے تھے۔ یعنی علم شعر زبان وادب کی برتری اور علم انساب جو صرف عربوں کا خاصہ تھا اور باقی اقوام اِن علوم سے نابلد تھیں۔

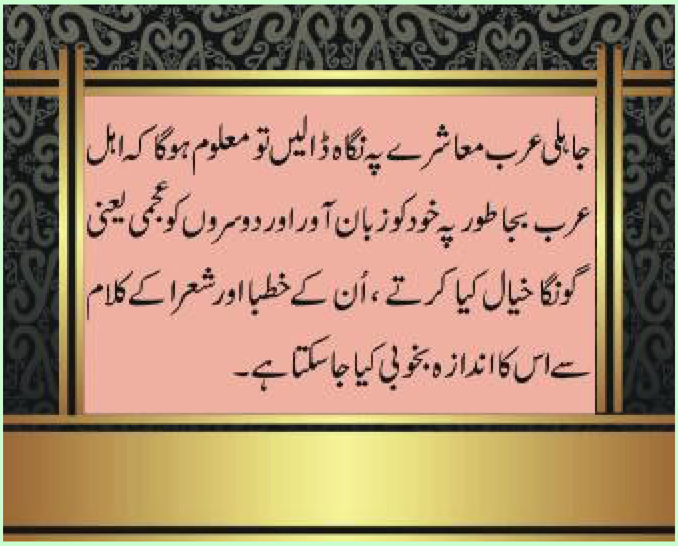

عربوں کا علم شعر

زبان وادب میں اہل عرب کی معاصر اقوام پہ برتری کسی سے پوشیدہ نہیں۔اور شعر تو جیسے ان کے خون میں شامل ہو۔چنانچہ ان کا سب سے بڑا علم شعر کا علم ہے جسے وہ بہت گہرائی تک جانتے تھے۔ان کے علوم کی یہی وہ شاخ تھی جس کی شہادت کو قبول کرنا احسن تھا کہ اگر عرب شعرا اپنے شعروں میں تاریخ کے واقعات کو محفوظ نہ رکھتے تو دنیا کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ اندھیرے میں رہ جاتا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **"بعض اشعار تو ہمہ تن حکمت ہوتے ہیں"** اور عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ شعروں کے چند بیت جنھیں عرب سیکھ لیتے کیا ہی اچھے ہوتے ہیں کہ وہ انھیں اپنی ضرورت بیان کرتے وقت پیش کرتے ہیں جس کے باعث وہ کسی شریف اور سخی آدمی کو اپنی اعانت پہ رضامند کرلیتے ہیں، کمینے اور کنجوس آدمی کو خود سے دور کردیتے ہیں۔چنانچہ شعروں کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ انسانی فطرت بری باتوں سے دور رہنا سیکھ لیتی ہے۔یہ وہ جوہر ہے جس سے انسان برائی سے نفرت کی قوت وقدرت حاصل کرتا ہے اور اپنے خیال عقائد اور اخلاق کو عام کرنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔شعر کے ذریعے وہ ان باطنی

امور کو بیان کرتا ہے جن کے لیے طویل نثر درکار ہوتی ہے مگر شعر چند حکمت بھرے لفظوں سے جہان دِگر کو اجاگر کرتا ہے۔ابن رشیق نے اپنی کتاب " **کتاب العمدۃ** " میں لکھا ہے کہ عرب سب قوموں سے افضل ہیں اوران کی حکمت سب پہ حاوی ہے۔چونکہ زبان جسم کی ذلت برداشت کرنے سے دور رہتی ہے اس لیے کہ کسی ذات سے حکمت کا خروج آلات کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔اس لیے جب کوئی اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اس کا علم اوراس کی زبان اس کو محفوظ رکھ سکتی ہیں اوراس شرف کا اظہار کرسکتی ہیں جو عام طور پہ مقابل سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

بتایا گیا کہ عربوں کا کلام دو قسم کا تھا۔یعنی نثر اور نظم۔اور ہر ایک کے تین درجے ہیں جس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی کلام تو عمدہ ہوتا ہے اور کوئی متوسط اور کوئی ردی۔چنانچہ کسی کلام کے دو درجے جب اپنی قدر میں متفق اور قیمت میں برابر ہوں اور کوئی ایک دوسرے سے افضل نہ ہو تو محض نام ہی کی وجہ سے ظاہری فیصلہ شعروں کے حق میں ہوگا۔کیونکہ عام دستور کے مطابق جب نظم اور نثر ایک ہی قسم کے ہوں گے تو نظم کو ترجیح دی جائے گی۔اس لیے زبان وادب کے علماء نے بیان کیا ہے کہ موتی ہی کو لے لیں جب وہ اکیلا یونہی کہیں پڑا ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی چاہے اپنی ذات میں وہ کتنا ہی عمدہ اور گراں قیمت کیوں نہ ہو اور ہر دم اس کے ضائع ہوجانے اور بکھر جانے کا خدشہ بھی موجود رہتا ہے اور جس مقصد کے لیے اسے حاصل کیا گیا ہوتا ہے وہ بھی ادھورا رہتا ہے پھر جب اس موتی کو کسی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے تو وہ ذلیل ہونے سے بچ جاتا ہے اور باوجود اس کے کثرت استعمال کے اس کی قدر و قیمت اور خوبی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ یہی حال لفظ کا ہے جب وہ نثر میں ہوتا ہے تو اسموں میں بکھر جاتا ہے اور طبیعت کو راس نہیں آتا خواہ یہ لفظ کتنا ہی قیمتی اور ہزاروں میں ایک ہو مگر اس کی قدر و قیمت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب اس کی ہمسائیگی میں وہ لفظ اتریں گے جو جہانِ معنی کو وضع کریں اور وہ قافیہ ردیف کی قید میں مقید ہوں تو خود سے ایک آسمانی ترتیب معلوم ہونے لگے گی اور یہی شعر ہے۔چنانچہ لفظوں کے منتشر اجزا سے عربوں نے بے انت جہتوں کے اتنے ہار بنے کہ ان کا تذکرہ رہتی دنیا تک محفوظ ہوگیا۔عرب اسے ذخیرہ کرنے والا مال جاننے لگے اور انھوں نے اسے اپنے سینوں کے اندر دور تک محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا۔جس سے نہ صرف ان کی تاریخ روشن ہوئی بلکہ ہمیں یہ جاننے میں بھی آسانی حاصل ہوئی کہ اہل عرب کس نوع کی قوم تھے اور

ان کے اخلاق کے درجے کیا تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسے ایک یکتا فن کے طور پہ اپنایا اور اس کے اندر زبان و بیان کے اِن پہلوؤں کو اجاگر کیا جن سے انسان ابھی تک نا آشنا تھا۔ انھوں نے اسے اپنے سر کا تاج جانا اور اسے اپنے دفاع اور مفاخرت میں استعمال کیا۔ انھوں نے اسے اپنے دلوں میں چھپایا عقلوں کے ذریعے اس کی حفاظت کی اور اسے چوری اور غصب سے بچایا۔

اس امر پہ مورخین کا اتفاق ہے کہ عربوں کے کلام میں نثر زیادہ اور شعر کم ہیں۔ مگر جہاں تک عمدہ نثر کا تعلق ہے تو یہ شعر کے مقابلے میں کم ہے اور محفوظ ہونے اعتبار سے بھی کم ہے اور شعر بہ نسبت نثر تعداد کے کم ہے مگر جیّد اور محفوظ ہونے کے اعتبار سے زیادہ ہے کیونکہ ادنیٰ درجے کے شعر میں بھی قافیہ اور ردیف کی قید جس خوبصورتی کو جنم دیتی ہے وہ اعلیٰ ترین نثر کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ رہا عمدہ شعر کا تعاقب تو وہ نثر کے بس سے باہر ہے۔ اہل عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر معاشرے کی طرح اول اول ان کے ہاں بھی سارا کام نثر یہ ہی ہوتا تھا مگر جب ان کو اپنے مکارم اخلاق خاندان کی پاکیزگی، اچھے دنوں کا ذکر، بہادر سواروں اور مقبول سخیوں کے کارنامے بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنے بیان کو موثر پیرائے میں بیان کرنے کے لیے شعر کہنا شروع کیا تاکہ اوروں کے نفس بھی سخاوت کے لیے حرکت میں آجائیں اور وہ اپنی اگلی نسل یعنی اپنے بیٹوں کو بھی اعلیٰ مکارم اخلاق کی طرف متوجہ کرسکیں۔

لہٰذا ابتدا میں انھوں نے صرف چند عروض ذہن میں رکھے اور انھیں اپنے کلام میں وزن پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا اور جب ان کے مصروں کا وزن مکمل ہوگیا تو انھوں نے اس کو شعر کہا۔ یوں ان کے ہاں زبان و بیان کی اس صنعت نے جنم لیا جس نے آگے جا کر ان کی پہچان بننا تھا اور جب اِن معاملات میں اُن کا شعور پختہ ہوگیا تو انھوں نے اپنے ہر واقعہ کا ذکر اشعار میں کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ راہ جاتے دو اجنبی موسم کے احوال پہ تبادلہ خیال کرتے تب بھی ان کے فقرے قافیہ ردیف میں مقید ہوتے پھر تو جیسے نثر یہ کلام ان سے روٹھ ہی گیا ہر چند کہ اِن کے خطباء کی شان بھی ہم عصر معاشروں میں الگ ہی تھی۔ چنانچہ اب ان کا طریق یہ تھا کہ باہم مفاخرت کا مقام ہو یا جنگ و انتقام کی بات، خوشی کی روانی ہو یا غم کی فراوانی ، کسی دوست کی تعریف کرنی ہو یا کسی دشمن کو ذلیل کرنا ہو کسی عورت کے حسن و جمال کا تزکرہ ہو یا چاند کی بکھرتی چاندنی کو زیر بحث لانا ہو، صحرا کی درشت مزاجی کا ذکر ہو یا راستہ بھولے قافلوں کا تذکرہ، اپنے آباء کی عظمت بیان کرنی ہو یا اپنے قبیلے کی شجاعت، قحط کے زمانے کی تنگی کا ذکر ہو یا جوئے کے تیروں کے

ذریعے جیتے گئے اونٹوں کا بیان وسعت صحرا میں جلتے الاؤ کے گرد ماضی کے قصے ہوں یا حال کے تذکرے ،کسی سے خون بہا لینے کا معاملہ ہو یا کسی کا خون بہانا مقصود ہو،اپنے اونٹوں کی اعلیٰ نسل کا بیان ہو یا بکریوں اور بھیڑوں کی کثرت کا تذکرہ،غارت گری میں اپنی سرعت کا بیان ہو یا مخالف کی کمزوریوں پہ نظر،وطن سے دوری کے گیت ہوں یا محبوبہ کی زلف کا تذکرہ،سخاوت وفیاضی کا بیان ہو یا شجاعت اور بے باکی کا تذکرہ،کسی جواں مرگ کا نوحہ ہو یا اپنے بیٹوں کا تفاخر،جنگوں میں گذرے احوال کا بیان ہو یا ماضی میں گم کسی سہانی رات کا ذکر،خلوت کا بیان ہو یا جلوت کا ذکر،کسی کی وفا کا تذکرہ ہو یا کسی کی جفا کا بیان وہ بہ زبان شعر ہی کہا جائے گا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے تو انکے ہاں جادو کا بہت تذکرہ تھا۔ چنانچہ اللہ پاک نے اپنی خاص مدد سے وقت کے سب جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں میں جھکا دیا۔اسی طرح جب آنحضرت محمد ﷺ کو عربوں میں نبوت کے مقام پہ سرفراز کیا گیا تو اہل عرب اپنی فصیح وبلیغ زبان کے نشے میں تھے۔چنانچہ ان پہ قرآن اتارا گیا جس کی زبان کے آگے ان کو جھکنا پڑا۔انھوں نے اعتراف کیا کہ قرآن کی زبان ان کے اسلوبِ زبان سے برتر ہے۔چنانچہ عرب کے اس شاعر سے جس کو عرب سجدہ کیا کرتے تھے اور جس کے قصائد کعبہ میں آویزاں رہتے اور جن کا نام حضرت ابولبیدؓ تھا کسی نے پوچھا کہ انھوں نے شاعری کیوں چھوڑ دی تو انھوں نے جواب دیا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ قرآن اترنے کے بعد اس کی گنجائش ہی نہیں رہی۔زبان وادب کے جاننے والوں نے بیان کیا ہے کہ ابتداء میں عرب کے تمام اشعار رجز تھے یا مقطعات کی صورت تھے،قصیدہ گوئی ان کے ہاں بہت بعد میں مروّج ہوئی۔

چنانچہ سب سے پہلے مہلہل نے قصیدہ کہا اور پھر امراؤالقیس نے اسے دوآم بخشا اور یہ اسلام کے آنے سے ایک سو پچاس سال قدیم ہے۔اس امر کا ذکر جمحی نے کیا ہے اور دیگر بہت سے لوگ اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ بیان کیا گیا کہ پہلا شخص جس نے رجز کو لمبا کیا اور اسے کسی حد تک قصیدے کی طرح بنایا اس کا نام اغلبؔ عجلی تھا۔ پھر عجاج آیا اور اس نے اس کی کئی شاخیں وضع کیں۔لہٰذا رجز میں اغلب اعجلی اور عجاج کو وہی مقام حاصل ہے جو مہلہل اور امراؤالقیس کو قصیدے میں حاصل ہوا۔چنانچہ ابوعمرو بن العلاء سے کسی نے پوچھا کہ کیا عرب لمبے قصیدے کہا کرتے تھے۔انھوں نے جواب دیا کہ ہاں تاکہ لوگ سنیں

اورغور کریں، پوچھنے والے نے پھر پوچھا کیا عرب زجز یعنی چھوٹے شعر کہا کرتے تھا۔تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں تا کہ لوگ انھیں یادرکھ سکیں۔عربوں کے ہاں عذر پیش کرنے ڈرانے،ترغیب دلانے ،خوف دلانے اورمختلف قبائل میں صلح کرانے کے لیے بھی اشعار کولمبا کرنا پسند کیا جاتا تھا۔جیسا کہ زہیر اسلمی اورالحرث بن حلزہ کیا کرتے تھے۔ورنہ بعض مقامات پہ تو قطعات سے بھی کام چل جاتا کہ عربوں کے اشعارسریع الاثر ہوتے تھے۔لوگوں کومختلف معاملات کی طرف مائل کرنے میں ممد ثابت ہوتے تھے ۔چنانچہ کسی شاعر کے دومصرے پورے قبیلے کوآگ لگانے کے لیے کافی ہوتے تھےاوروہ سب اٹھ کراس مقصود کی طرف لپکتے جس کی طرف شاعرنے ان کودعوت دی ہوتی۔شاید یہی وجہ تھی کہ کسی قبیلے میں جب شاعر کاظہور ہوتا تو دیگر قبائل اسے مبارک دینے کے لیے آتے اوران کے ہاں مبارک دینے کے موقعے تین ہی تھے۔یعنی لڑکا پیدا ہونے پرگھوڑی کا بچہ جننے پراور قبیلے میں شاعر کے ظہور پر۔

اس لیے کہ ان کے خیال میں ان کا شاعران کی عزتوں کا بچانے والاان کے حسب کی طرف سے مداخلت کرنے والااوران کے کارناموں کوہمیشگی بخشنے والا ہوتا تھا۔چنانچہ عرب کے جن شاعروں نے اپنے قبیلوں کی مدافعت کی ان میں ایک زیادالاعجم تھا جس نے جب یہ سنا کہ فرزدق اس کے قبیلے کی ہجوکرنا چاہتا ہے تو زیاد نے فرزدق کو پیغام بھیجا کہ تم جلدی نہ کرومیں تمہاری طرف ایک تحفہ بھیجنے والا ہوں اس کے بعد ہی ہماری ہجوکے متعلق سوچنا۔چنانچہ فرزدق نے زیادکاانتظار کیا جس کی طرف سے اسے ان اشعار کاتحفہ ملا جس میں فرزدق کوتنبیہ کی گئی کہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔

وَمَا تَرَكَ الهَاجُوْنَ لِیْ اِنْ هَجَوْتُهٗ

مَصَحًّا اَرَاهُ فِی اَدِیْمِ الفَرَزْدَقِ

اگر میں فرزدق کی ہجو کہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ ہجو کہنے والوں نے فرزدق کی کھال میں کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا جوتندرست ہو۔

وَلَا تَرَكُوْا عَظْمًا يُرٰى تَحْتَ لَحْمِهٖ

لِكَا سِرِهٖ اَبْقَوْهُ لِلْمُتَعَسِّرِقِ

اورانھوں نے اس کے گوشت کے نیچے دکھائی دینے والی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی بھی نہیں چھوڑی جس پہ ذراسا گوشت بھی کسی کھانے والے کے لیے بچارہ گیا ہو۔

سَاَكْسِرُ مَا اَبْقَوْا لَهُ مِّنْ عَظَامِهٖ

وَاَنْكُتُ مُسْخَّ السَّاقِ مِنْهُ وَاَنْتَقِیْ

اورانھوں نے اس کی جو ہڈی باقی چھوڑی ہے اسے میں توڑوں گا اوراس کی پنڈلی کا مغز نکال کراسے صاف کرڈالوں گا۔

فَاِنَّا وَمَا تَهْدِيْ لَنَا اِنْ هَجَوْتَنَا

لَكَا الْبَحْرِ مَهْمَا يُلْقَ فِی الْبَحْرِ يَغْرُقِ

اور ہماری اس ہجو کی مثال جو وہ ہماری طرف بھیجے گا ایسے سمندر کی سی ہے کہ جو کچھ بھی اس میں ڈالا جاتا ہے ڈوب جاتا ہے[1*]''۔

چناچہ جب فرزدق کوایاد کے یہ شعر پہنچے تو اس نے کہا کہ جب تک بنو عبدالقیس میں یہ سیاہ غلام زندہ ہے اس وقت تک ان کی ہجو ممکن نہیں اور وہ اپنے اس ارادے سے باز آ گیا۔ جب عبداللہ بن الزبعریٰ سہمی نے بنی قصی کی ہجو کہی تو انھوں نے ساری کی ساری ہجو کو عتبہ بن ربعیہ کی طرف پھیر دیا۔ کیونکہ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ کہیں زبیر بن عبدالمطلب ان کی ہجو نہ کہہ ڈالے اور زبیر فصیح وبلیغ شاعر تھے۔ جب عبداللہ سہمی ان کے پاس پہنچا تو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے اسے آزاد کرنے کی سفارش کی اور اس کی

آزادی پر اسے کپڑوں کا ایک جوڑا بھی دیا۔ چنانچہ عبداللہ سہمی نے اس موقع پہ ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔

لَعَمْرُكَ مَا جَاءَتْ بِنُكْرٍ عَشِيْرَتِىْ
وَاِنْ صَالَحَتْ اِخْوَانَهَا لَا اَلُوْمُهَا

تمہاری قسم میرے قبیلے نے کوئی عجیب بات نہیں کی اور اگر انھوں نے اپنے بھائیوں سے صلح کر لی ہے تو میں اس امر کی ملامت نہیں کرسکتا۔

فَوَدَّ جُنَاةُ الشَّرِّ اَنَّ سُيُوْفَنَا
بِاَيْمَانِنَا مَسْلُوْلَةٌ لَا نَشِيْمُهَا

اور جنگ کے موجب ہونے والے لوگوں نے تو یہ چاہا تھا کہ ہماری تلواریں ہمارے ہاتھوں میں ہی رہیں اور ہمیشہ میانوں سے باہر ہی رہیں مگر ہم نے انھیں میان میں کرلیا۔

فَاِنَّ قُصَيًّا اَهْلُ عِزٍّ وَنَجْدَةٍ
وَاَهْلُ فَعَالٍ لَا يُرَامُ قَدِيْمُهَا

کیونکہ قبیلہ قصیٰ طاقتور اور بہادر ہے اور اس کے لوگ نیک کام کرنے والے ہیں اور ان کی قدیم بزرگی کا کوئی قصد بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کی توہین کی جاسکتی ہے۔

هُمُ منعُوا یُومیٰ عُکَاظَ نَسِیَاءَ نَا

کَمَا مَنَعَ الشُوْالَ الھِجَانَ قُرُومُھَا

اور انھیں لوگوں نے تو عکاظ کی دونوں جنگوں میں ہماری عورتوں کی حفاظت کی تھی کہ جس طرح نر اور اصیل اونٹ مصیبت کے وقت حاملہ اونٹنیوں پہ نظر رکھتا ہے[2*]"۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

جس وقت عبداللہ نے یہ شعر کہے تھے اس وقت زبیر مکہ سے باہر تھا اور کسی کام کے سلسلے میں طائف میں رکا ہوا تھا واپسی پہ جب اسے عبداللہ کے یہ شعر سنائے گئے تب جواباً اس نے یہ شعر کہے۔

فَلُوْلَا نَحْنُ لَمْ یَلْبَسُ رِجَالٌ

ثِیَابَ اَعِزَّۃٍ حَتّٰی یَمُوْتُوْا

اور اگر ہم نہ ہوتے تو جانے کتنے ہی لوگوں کو مرتے دم تک بھی عزت کا لباس دستیاب نہ ہوتا۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

ثِیَا بُھُمُ سَمَالٌ اَوْ طِمَا رٌ

بِھَا دَسَمٌ کَمَا دَسَمَ الْحَمِیْتُ

کہ ان کے کپڑے چیتھڑے اور پھٹے پرانے ہیں جو اس طرح چکنے ہو رہے ہیں جیسے گھی کا کپا چکنا ہوتا ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وَ لٰکِنَّا خُلِقْنَا اِذْ خُلِقْنَا

لَنَا الحِبرَاتُ والمِسْکُ الفَتِیْتُ

لیکن ہمیں پیدا کرنے والے نے ایسے پیدا کیا ہے کہ ہمارے لیے دھاری دار یمنی چادریں

اور ریزہ ریزہ کی ہوئی کستوری ہے[3*]''۔

چنانچہ عربوں کے جاہلی معاشرے میں ایک دوسرے کی ہجو اور تفاخر کے واقعات اتنے بسیط ہیں کہ ان کا استقصاء اور حساب انسانی احاطہ سے باہر ہے اور ان کا بیان ممکن ہی نہیں۔ایک دوسرے کے خلاف ان کا یہ عمل صدیوں پہ محیط ہے اور ابتدائے اسلام تک وہ اسی طریق پہ قائم رہے۔اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں ان کی کچھ اور باتیں بیان کرتے۔مگر اب ہم عرب کے جاہلی معاشرے کے شاعروں اور ان کے قبیلوں کا کچھ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ کس شاعر نے کون سے قبیلے کی حمایت اور موافقت کی اور کس شاعر نے مخالف قبیلے کی طرف سے اسے جواب دیا۔شاعری عرب قبائل میں منقسم ہو چکی تھی اور شاعر اپنے اپنے قبیلوں کی حمایت و موافقت میں سرگرم عمل تھے۔

چنانچہ عبداللہ بن محمد سلام الاجمی نے ''**کتاب الطبقات**'' میں اس امر پہ سیر حاصل بحث کی ہے۔اُن کے مطابق عہدِ جاہلیت میں شعر سب سے پہلے بنو ربیعہ میں مروّج ہوا جن میں عرب کے نامور شاعر مہلہل بن ربیعہ نے جنم لیا۔مہلہل کا نام تو عدی تھا مگر اس کے شعروں کی نزاکت اور نفاست کی بنا پر لوگوں نے اسے مہلہل کا لقب عطا کیا اور وہ اپنے نام کی بجائے لقب سے ہی پہچانا جاتا ہے۔فرزدق نے بیان کیا ہے کہ قصیدے کی ابتداء مہلہل نے ہی کی اور وہ شعر و ادب کی دنیا کا بادشاہ اور بہت باعزت شخص تھا۔وہ نہایت عمدہ شاعر مگر شاندار جنگجو بھی تھا۔اس کا وار کم ہی ضائع جاتا تھا اور کلاب کی جنگ میں مہلہل بھی شامل تھا جس نے ابن حمام کا تعاقب کیا مگر وہ زخمی ہونے کے باوجود ان کے ہاتھ سے نکل بھاگا۔اور اس سے قبل مہلہل زھیر بن جناب کی معیت میں بنی تغلب کی خیمہ گاہ پر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے ان کے سرداروں جابر اور صنبل کو قتل کر دیا تھا۔مہلہل سے بنو ربیعہ میں جو شعر کا سلسلہ شروع ہوا وہ بہت دیر تک جاری رہا کیونکہ عرب کے شاعروں کی عظمت امراؤالقیس بن حجر بھی تو اس کا بھانجا تھا اور عمرو بن کلثوم اس کا نواسہ تھا اور ربیعہ بن سفیان اور سعید بن مالک بھی انھیں میں سے تھے۔طرفہ اور جریج کا تعلق بھی ربیعہ ہی سے تھا اور عرب میں شعر کے حوالے سے شہرت کی بلند منزلوں کو طے کرنے والا شاعر اعشیٰ بھی بنو ربیعہ

ہی سے تھا۔ پھر شاعری بنو ربیعہ سے رخصت ہوئی اور بنو قیس کی طرف منتقل ہوگئی جنھوں نے نابغہ روزگار شاعروں کو جنم دیا اور اس میدان میں تب ان کا کوئی ثانی نہ تھا کہ ان کے ہاں نابغہ ذبیانی اور زہیر بن اسلمیٰ جیسے شعرا پیدا ہوئے جن کا عربوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اسی طرح لبید، حطیہ اور شماخ جیسے قد آور لوگ بھی انھیں میں شامل تھے۔ پھر مزرد، شماخ اور جزرأ بھی انھیں میں سے تھے یہ تینوں سگے بھائی تھے اور ہجو کہا کرتے۔ تینوں صحابی رسول ﷺ ہیں وہ اکٹھے ہی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

پھر شعرانے بنی تمیم کا رخ کیا اور ان کا شاعر خداش بن زہیر شہرت کی بلندیاں طے کرتا رہا۔ اگر چہ اول اول بنو تمیم کے ہاں خداش کے علاوہ کوئی شاعر نہ تھا۔ پھر اوس بن حجران کے ساتھ آملا جو کبھی قبیلہ مضر کا شاعر ہوا کرتا تھا مگر اسے وہاں عزت و شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ بنو تمیم کی طرف منتقل ہو گیا اور عربوں کا معروف مورخ اصمعی کہتا ہے کہ اوس خداش سے اچھا شاعر تھا مگر قبل اس کے کہ اس کی صلاحیتوں کو مکمل طور پہ جانا جاتا نابغہ ذبیانی کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے حسان بن ثابتؓ سے پوچھا کہ عربوں کا بہترین شاعر کون سا ہے۔ تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے دریافت کیا کہ شخصی حیثیت سے پوچھ رہے ہو یا قبیلے کی رو سے۔ تو پوچھنے والے نے کہا کہ قبیلے کی رو سے۔ تب انھوں نے جواب دیا کہ شاعری کے اعتبار سے عربوں میں افضل ترین قبیلہ بنو ہذیل کا ہے۔ ابن سلام جمحی کہتا ہے کہ ذوہیب عربوں کا بہترین شاعر تھا جس کا تعلق بنو ہذیل سے تھا اور ابو عمرو بن العلاء کہتا ہے کہ سب سے زیادہ فصیح السان اور عربیت سے مخمور وہ لوگ ہیں جو بلند مقامات کے رہنے والے ہیں اور یہ تین ہیں۔

یہ وہ پہاڑ ہیں جو تہامہ کے اوپر اس علاقے میں ہیں جو یمن سے متصل ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنو ہذیل آتے ہیں جو تہامہ کے میدانی علاقوں کے آس پاس رہنے والے ہیں۔ پھر بجیلہ ہیں جو درمیانی بلندی پہ رہنے والے ہیں اور اس علاقے کی دوسری جہت سے بنو ثقیف ان کے شریک ہیں۔ پھر قبیلہ ازد کے لوگ ہیں۔ چنانچہ ابو عمرو کہتا ہے کہ فصیح ترین لوگ یا تو بنو تمیم کے وہ لوگ ہیں جو بلند حصوں کے رہنے والے ہیں یا پھر وہ لوگ ہیں جو بنو قیس کے نچلے حصے میں رہتے ہیں۔ تاہم بعض دیگر آئمہ ادب کا خیال ہے کہ جاہلیت میں یمنی قبائل کو شعر و ادب میں امراؤالقیس کی وجہ سے برتری حاصل تھی اور اسلام میں حسان بن ثابتؓ کی

وجہ سے مسلمانوں کو برتری حاصل ہوئی اور مولدین میں ابونواس اور اس کے ساتھیوں مسلم بن ولید، ابوالشیص اور دعبل کی وجہ سے اہل یمن کو فصاحت اور لسان وادب میں برتری حاصل تھی۔ کیونکہ اس سے اگلے دور میں بھی ان کے ہاں دو طائی شعرانے بہت شہرت حاصل کی اور ان کی برتری کو قائم رکھا۔ جن کے نام ابوتمام اور بحتری تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابوالطیب پہ عربوں کے ہاں سے شعر رخصت ہو گیا اور جاہلی ادب کا وہ باب بند ہو گیا جس کو بلاشبہ زبان وبیان کے حوالے سے انسانیت کے لیے سرمایہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابوالطیب کا سلسلہ نسب بنو کندہ سے جا ملتا ہے اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ وہ کوفہ میں پیدا ہوا تھا جو بنو کندہ کا مسکن تھا۔ تاہم دیگر لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور یہی بتایا ہے کہ ابوالطیب کا اصل نسب معلوم نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے کہا کہ عربوں میں شاعری بنو کندہ سے شروع ہوئی اور بنو کندہ ہی میں ختم ہو گئی۔ ان کا مراد یہ تھا کہ اس کا آغاز امراؤالقیس نے کیا تھا اور اختتام ابوالطیب پہ ہوا۔ اور دونوں کا تعلق بنو کندہ ہی سے تھا۔

بعض نے کہا کہ شاعری ایک شہزادے سے شروع ہوئی اور ایک شہزادے ہی پہ ختم ہوئی اور ان کی مراد امراؤالقیس اور ابوالفراس الحرث سے تھی۔ تاہم بعض دیگر مورخین نے اس بات کا انکار کیا ہے اور کہا کہ شعر بنو ربیعہ طرف لوٹ گیا تھا جس طرح کہ اس کا آغاز بھی انھیں سے ہوا تھا اور ان کی مراد مہلہل اور ابو فراس سے ہے۔ اور جس بات پہ سب کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ شہری علاقوں میں سب سے عمدہ شاعر حسان بن ثابتؓ تھے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ جب کوئی شاعر جنگ کرتا ہے یا کسی سے مفاخرت کرتا تو وہ دو یا تین شعر کہتا یا اسی قدر اشعار کہتا اور رک جاتا۔ یہاں تک عجاج کا دور آیا اور اس نے اشعار کو لمبا کیا اور اسے قصیدہ بنا دیا۔ اس نے عشقیہ اشعار کہے اور کھنڈرات کا ذکر کیا، اپنی سواریوں کی صفت بیان کی، اپنے قبیلے کا تفاخر بیان کیا، اپنی جنگوں کے بیان کو بڑھایا اور اپنے آباء کی عظمت اور شجاعت اور سخاوت کو کھل کے بیان کیا۔ اس طرح عربوں کی شاعری کو رجز سے قصیدے میں بدل دیا۔ ابوعبیدہ نے مزید کہا کہ بہترین شاعر تو وہ ہے جس میں تو اپنی ہستی کو بھول جائے اور اس کے مطابق جس نے پہلے پہل رجز کو لمبا کیا اس کا نام اغلب عجلی تھا۔ تاہم دیگر بہت سے لوگوں نے دلائل سے اس بات کو رد کیا ہے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ اغلب عجلی تو نبی اکرم ﷺ کے دور میں گذرا ہے۔ اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا جب کہ رجز تو اس سے بہت قدیم ہے۔ عربوں کی شاعری کے موضوعات میں بہت تنوع تھا کہ جس طرح اردو

فارسی اور دیگر زبانوں کے شعرا عورت کی زلف کے ہی اسیر رہے۔ عربوں میں اس طرح نہ تھا بلکہ ان کی شاعری میں عورت کو بہت بعد میں داخل کیا گیا اول اول تو ان کی شاعری میں صرف تفاخر تھا۔ عرب شاعری کو کمائی کا ذریعہ نہ بناتے تھے اگر کوئی شعر کہتا تو محض تفریح طبع کے لیے یا کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے اور وہ بھی اس وقت جب وہ مفلس ہو اور مال سے احسان کا بدلہ چکانے کے قابل نہ ہو۔ تو وہ یہ سمجھتا کہ چونکہ عربوں میں اس کے لفظوں کی وقعت ہے اس لیے وہ اپنے لفظ کسی کی مدح میں استعمال کرتا اور عرب مال کے بدلے شعروں میں کی گئی مدح کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ یہی صورت تھی جب عربوں کے بڑے شعرا کسی کی مدح کرتے۔ ورنہ عام طور پہ وہ لوگوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور وہ اسی وقت اپنے اشعار کو کسی کی مدح میں استعمال کرتے جب ان پہ کسی کا احسان موجود اور وہ اس کا بدلہ چکانے میں بے تاب ہوں۔

چنانچہ امراؤالقیس بن حجر نے قوم تیم کی مدح میں یہ شعر کہے۔

اَقَرَّ حَشَی امْرِیٔ القَیْسِ بنِ حُجْرٍ
بَنُوْ تَمْمٍ مَصَا بِیْحُ ا لظَّلَام

اور بنو تیم نے جو تاریکی میں چراغوں کا کام دیتے ہیں امراؤالقیس کا اندرون جسم ٹھنڈا کر دیا ہے۔

سَاَجْزِیْکَ الَّذِیْ دَافَعْتَ عَنِّیْ
وَمَا یُجْزِیْکَ عَنِّیْ غَیْرُ شُکْرِیْ

اور مدافعت تو نے میری طرف سے کی ہے میں تجھے اس کی جزا دوں گا اور میرے شکریے کے سوا کوئی چیز تجھے اس کی جزا نہیں دے سکتی۔

امراؤالقیس کے عہد تک شعرا کا یہی طریق تھا کہ وہ احسان کا بدلہ اسی طرح چکایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان اشعار میں بھی امراؤالقیس نے یہی بتایا ہے کہ اس کا شکریہ ہر چیز سے بڑھ کے ہے۔ اس کے لفظوں کی عربوں میں بہت وقعت تھی۔ پھر نابغہ ذبیانی کا دور آیا تو اس نے اس طریق کو بدل دیا اور بادشاہوں کی مدح کی اور اپنی شاعری کو رزق اور انعام حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ وہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن المنذر کے آگے جھکا۔ حالانکہ نابغہ نعمان سے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کے ذریعے جو اس کے ارد گرد تھے اور غسان کے ان بادشاہوں کی وجہ سے جن کے پاس وہ چل کر گیا تھا نعمان سے بچ سکتا تھا۔ لہٰذا اس کی قدر و منزلت گر گئی مگر اس نے بہت مال کمایا۔ بتایا گیا کہ نعمان نے اسے اتنے عطیے عطا کئے تھے کہ اس کا کھانا اور پینا سونے اور چاندی کے پیالوں اور برتنوں میں ہو گیا تھا۔

زہیر ابن اسلمی نے ھرم بن سنان سے تھوڑا سا مال کمایا پھر اعشیٰ نے شاعری کو دولت کمانے کا ذریعہ بنانے میں کمال حاصل کیا اور شاعری کو مال تجارت بنا کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ اس غرض سے ملک ملک پھرا وراس نے کسریٰ ایران کا قصد بھی کیا جس نے اسے بڑے صلے سے نوازا اور بہت زیادہ عطیے عطا کیے۔ کیونکہ شاہ ایران کو علم تھا کہ اعشیٰ جو کچھ کہتا ہے عربوں کے ہاں اس کی بہت قدر و منزلت ہے اور اسی بنا پر اس نے اعشیٰ کو عطیات سے نوازا۔ حالانکہ جب اس کے سامنے اعشیٰ کے اشعار کی تشریح کی گئی تو اس نے اسے برا جانا اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ مگر عرب بادشاہوں کے طریقے پر چلتے ہوئے اس نے اپنے مہمان کو مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے انعامات سے نوازا۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ اعشیٰ عربوں کا پہلا شاعر تھا جس نے شاعری کو ذریعہ سوال بنایا۔ حالانکہ لوگ جانتے ہیں کہ نابغہ اس سے بڑا ہے اور اس سے زیادہ قدیم شاعر ہے۔ اس کے بارے میں بیان گذر چکا ہے کہ اس نے نعمان بن منذر کی مدح کی۔ تاہم اس کے بارے میں یہ قبیح بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ وہ منذر کے دربانوں کو رشوت دیا کرتا اور نعمان کے ندیموں کو بھی نوازا کرتا کہ وہ بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر کرتے رہیں۔ مزید بیان کیا گیا کہ کسی نے عمرو بن العلاء سے پوچھا کہ نابغہ نے نعمان کے سامنے اس درجہ عجز کا اظہار کیوں کیا تھا تو اس نے فوراً جواب دیا کہ محض مال اور فربہ اونٹوں کے لالچ میں۔ رہا زہیر بن اسلمیٰ تو اس کے بارے میں بیان کیا گیا کہ وہ اس مقام تک کبھی نہ گیا کہ بادشاہ کے عطیے کے لیے خود کو ذلیل کرے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے

اس کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے جیسا کہ:

''ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس زہیر بن اسلمیٰ کی بیٹی کسی کام سے آئی تو حضرت عمر نے پوچھا وہ دوشالے کیا ہوئے جو تمہارے باپ کو ھرم بن سنان نے عطا کیے تھے تو اس نے فرمایا کہ زمانے نے ان کو بوسیدہ کر دیا تب حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن جو لباس تمہارے باپ نے ھرم بن سنان کو پہنایا تھا زمانہ اسے بوسیدہ کرنے سے قاصر رہا۔ اور ایک بار حضرت عمرؓ نے ھرم بن سنان کے بیٹے کو کہا مجھے وہ اشعار سناؤ جو تمہارے بارے میں زہیر بن اسلمیٰ نے کہے تھے اس نے وہ شعر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیے تو حضرت عمرؓ نے کہا زہیر تمہارے بارے میں کیا عمدہ بات کہتا ہے اس پر سنان کے بیٹے نے جواب دیا کہ ہم نے بھی اسے کیا کیا خوب انعامات عطا کیے تھے تب حضرت عمرؓ نے فرمایا جو کچھ تم نے اسے دیا تھا وہ تو جاتا رہا مگر جو کچھ اس نے تمہیں دیا تھا وہ اب تک باقی ہے اور اس بات کا سنان کے بیٹے کے پاس کو جواب نہ تھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گیا''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اعشیٰ کے بعد حطیہ نے شاعری کے ذریعے خوب بھیک مانگی اور وہ اس ضمن میں دون ہمت ہو گیا یہاں تک کہ لوگ اس سے بغض رکھنے لگے اور اس کا گھرانہ ذلیل ہو گیا تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ عربوں میں صرف چند شعرا کا طرزِ عمل ایسا تھا ورنہ متقدمین میں اکثر شعرا کی طبیعت پر اس بات کا غلبہ تھا کہ وہ شاعری کو ذریعہ سوال بنانے سے نفرت کریں اور کسی کے مال و دولت پہ بہت ہی کم نگاہ رکھیں۔ البتہ ایسا سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں جس میں انسان کی عزت و مروت پہ کوئی حرف نہ آتا ہو۔ مثلاً یہ کہ اچانک ہی کوئی نادر واقعہ پیش آجائے یا قحط کا سماں ہو یا اچانک کوئی بڑی مہم آپڑے۔ اسی لیے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شعروں کے چند بیت جنھیں کسی عرب نے بنانا سیکھ لیا ہو کیا خوب ہیں کہ انسان اپنی ضرورت سے پہلے انھیں پیش کر سکے اور ہم دیکھتے ہیں کہ لبید بن ربیعہؓ کے پاس ولید بن عقبہ نے ایک سو اونٹ ذبح کرنے

لیے بھیج دیئے اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ لبیدؓ بادِ صبا کے چلنے پہ سو اونٹ ذبح کیا کرتے ہیں اور ان دِنوں ان کے پاس سو اونٹ نہیں ہیں۔ اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب لبیدؓ بوڑھے اور مفلس ہو چکے تھے اور وہ بادِ صبا کے چلنے پر عربوں کی دعوت کیا کرتے تھے جس کے لیے وہ سو اونٹ ذبح کرتے تھے تو جب ولید نے حضرت لبیدؓ کے ہاں سو اونٹ بھیجے کہ وہ انھیں ذبح کر کے اپنی روایت پوری کریں۔ حضرت لبیدؓ نے اپنی بڑی بیٹی کو حکم دیا کہ اس آدمی کا شکریہ ادا کرو کیونکہ میری قوت تو جواب دے چکی ہے یہ الگ بات ہے کہ میں شاعروں کا سا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوں۔ اس پہ حضرت ابن لبیدؓ کی بیٹی نے ولید بن عقبہ اور اس کے قبیلے کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

اِذَا هَبَّتْ رِيَاحُ اَبِیْ عَقِيْلٍ
دَعَوْنَا عِنْدَ هَبَّتِهَا الْوَلِيْدَا

جب ابو عقیل ابن لبید کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو اس وقت ہم ولید کو بلاتے ہیں۔

اَغَرُّ الْوَجْهِ اَبْيَضَ عَبْشَمِّيًا
اَعَانَ عَلٰى مُرُوْءَتِهٖ لَبِيْدَا

اور یہ بنی عبد شمس میں سے ہے اور اس کا چہرہ روشن اور چمکدار ہے اور اس نے لبید کی مروت کے معاملے میں مدد کی۔

بِاَمْثَالِ الْهِضَابِ كَاَنَّ رَكْبًا
عَلَيْهَا مِنْ بَنِیْ حَامٍ قُعُوْدَا

اور انھوں نے ہماری مدد ٹیلوں جیسے اونچے اونٹوں سے کی اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ان اونٹوں

پہ نوح علیہ السلام کے بیٹے حام کی اولاد کا قافلہ سوار ہو۔

اَبَا وَهْبٍ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْراً
نَحَرْنَا هَا وَاَطْعَمْنَا الثَّرِيْدَا

اے ابووہب خدا تمہیں جزائے خیر دے! کہ ہم نے تمہارے بھیجے اونٹوں کو ذبح کر کے لوگوں کو ثرید کھلایا ہے۔

فَعُدْ اِنَّ الكَرِيْمَ لَهُ مَعَادٌ
وَظَنِّىْ بِابْنِ اَرْوٰى اِنْ يَعُوْدَا

آپ ایک بار پھر ہماری مدد کریں کیونکہ سخی بار بار ایسا کیا کرتے ہیں اور ابن اروی کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ پھر ایسا کرے گا[4*]''۔

چنانچہ حضرت لبیدؓ کی بیٹی نے یہ اشعار لکھ کر اپنے باپ کو دکھائے تو باپ نے کہا کہ شعر عمدہ ہیں بس آخری شعر مٹا دو کہ مجھے مانگنا کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔ چنانچہ اہل عرب بیان کرتے ہیں کہ شروع شروع میں ان کے ہاں خطیب کے مقابل شاعر کی زیادہ قدر و منزلت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مخالفین کو جواب دیتے، اور اپنے قبیلے کی حمایت کرتے اور جب دوسرا قبیلہ جان جاتا کہ ان کا شاعر پختہ ہے تو وہ ان کی ہجو سے باز رہتا اور ان کا یہ خوف جاتا رہتا اور یہ سب اس شاعر کی وجہ سے ہوتا جو ان کی حمایت کیا کرتا، اور دوسرے قبیلے کا شاعر دبکا رہتا اور ان پر حملہ نہ کرتا کیونکہ وہ جانتا کہ ادھر سے بھی برابر کا جواب آئے گا۔ تو ان کے ہاں شاعر کی ذات کے حوالے سے تکریم کے کئی مناصب تھے مگر جب ان شعرا نے اپنی شاعری کو کمائی کا ذریعہ بنالیا

اور اپنے لفظوں کو وجہ معاش قرار دیا اور شاعری کی وجہ سے لوگوں کی عزتوں کے والی بن گئے اور ان کی توہین کرنے لگے تو خطابت شاعری سے درجہ بہ درجہ بلند ہونے لگی اور لوگ شاعروں سے بےزار ہو گئے مگر بہت سے شعرا اپنے اسی طرز عمل پہ قائم رہے یہاں تک کہ رذالت ان میں عام ہو گئی اور ان کو لوگوں کے مال کا چسکہ پڑ گیا حرص و عاز بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگوں کے آگے جھکے اور ذلت کے اس مقام پہ آن ٹھہرے جہاں لوگ ان سے بےزار ہو گئے۔ تاہم اکثریت شعرا کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ذاتی وقار کو قائم رکھا اور اپنی قدر و قیمت کو پہچانا اور اپنے دامن کو مرتے دم تک ان علائق سے آلودہ نہ ہونے دیا جو شان مردانگی کے خلاف ہوں۔ انھوں نے اپنی آبرو کی حفاظت کی اِلا یہ کہ وہ عاجز آ جائیں اور اس مقام تک پہنچیں جہاں مردار بھی حلال ہو جائے۔ رہے وہ لوگ جنھیں قوت لایموت حاصل تھی تو ان کے لیے شاعری کو ذریعہ گداگری بنانے کی کوئی وجہ اور جواز موجود نہ تھا اور عربوں کے شعرا کے بیان میں یہ ہے کہ ان کا تذکرہ اتنا بسیط ہے کہ ہم اس تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے ہم یہاں عرب کے صرف چند مشہور شعرا کا تذکرہ کرنے پہ ہی اکتفاء کریں گے۔

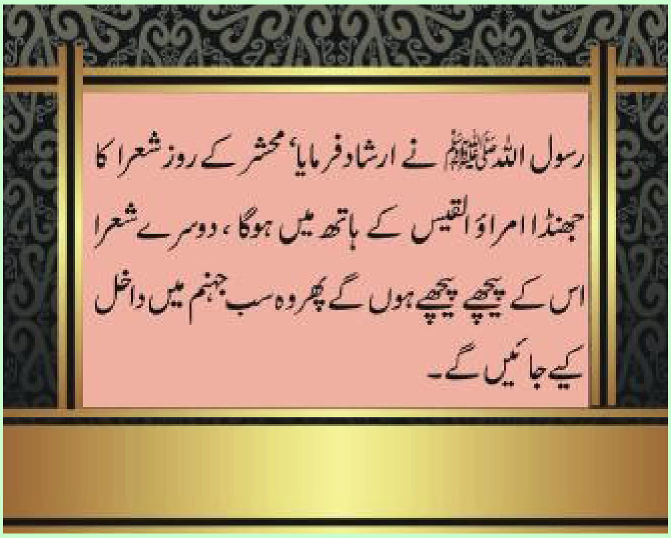

امراؤالقیس بلاشبہ عہدِ جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ جس پہ عربوں کو بجا طور پہ ناز تھا۔ اس نے اپنا بچپن اور جوانی عیش وعشرت میں گزارے۔ وہ ایک شہزادہ تھا اور اس کی زندگی گزارنے کا طریق بھی شہزادوں جیسا ہی تھا۔ امراؤالقیس نے عرب شاعری کو نئی جہتیں عطا کیں اور اہل عرب کو قصیدہ سے روشناس کرایا۔ وہ بہادر اور شہ سوار بھی تھا مگر اس کی زندگی عام طور پہ جنگ وجدل سے عاری اور شعروسخن سے مزین نظر آتی ہے۔ شعرا کے بیان میں اس کا تذکرہ سب سے پہلے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ واقعتاً دنیا کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اور مجھے اس بات پہ اتنا ہی یقین ہے جتنا کی سورج کے نکلنے اور ڈوبنے پہ یقین ہے اور اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ عرب تو اسے اپنا سب سے بڑا شاعر مانتے ہی تھے مگر نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے امیر الشعراء قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ ایک دفعہ جب خیر الانبیاء سیّدا لصفٰی حضرت محمد ﷺ کی مجلس میں اس کا ذکر چلا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا دنیا میں تو بہت نام تھا مگر آخرت میں اس کو بالکل فراموش

کر دیا جائے گا۔ جب یہ قیامت کے دن حاضر ہوگا تو اس کے ہاتھ میں شعرا کا علم ہوگا اور یہ شعرا کی قیادت کرتے ہوئے انھیں لے کر جہنم میں اتر جائے گا۔ روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے ان الفاظ کے ادا ہونے کے بعد عرب کے دوسرے شاعر امراؤالقیس سے حسد کیا کرتے کہ کاش روزِ محشر شعرا کے سردار وہ ہوتے چاہے اس کے بدلے انھیں جہنم میں ہی جانا پڑتا۔ راوی نے اس سلسلے میں حضرت لبیدؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کا نام بھی لیا ہے کہ انھوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا تھا چنانچہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں میں شعرا کی قدر و منزلت کس قدر زیادہ تھی اور وہ لوگوں میں کس قدر قابل عزت تھے۔ جاہلیت کے شعرا کے برعکس امراؤالقیس نے لمبی بحر کی نظمیں کہیں اور لوگوں کے قصائد لکھے۔ یادر ہے کہ امراؤالقیس ہو یا کوئی اور عرب شاعر ان کا کلام طویل اور بے پناہ ہوتا جس کو بیان کرنا استطاعت سے باہر ہے اس لیے ہم مختصر انتخاب پہ ہی اکتفاء کریں گے تاکہ عرب شعرا کے رجحانات ان کے مضامین اور ان کی ذہنی پختگی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ امراؤالقیس کی شاعری سے کچھ انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

امیر الشعرا امراؤالقیس کا سب سے اعلیٰ شعر اسی قصیدے کا یہ شعر ہے۔

اَلْبِرُّ اَنجَحُ مَا طَلبَسْتَ بِہٖ
وَا لْبِرُّ خَیرُ حَقِیْبَۃِ الرَّحْلِ

سب سے زیادہ کارگر چیز جس کی مدد سے تو کسی چیز کا خواہاں ہو وہ نیکی ہے اور نیکی ہی انسان کا بہترین ذخیرہ ہے۔

اس کی مشہور ضرب المثال میں سے ایک اس کا وہ شعر ہے جس میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ جب مال کثیر کا ملنا دشوار ہو جائے تو انسان کو چاہیے کہ وہ تھوڑے مال پہ ہی راضی ہو جائے۔

اِذَا مَا لَمْ تَکُنْ اِبِلٌ فَمِعْزًی
کَاَنَّ قُرُوْنَ جِلَّتِهَا الْعِصِیُّ

اور جب اونٹ نہ ہوں تو بھیڑ بکریاں ہی سہی جن میں سب سے بڑی بکریوں کے سینگ لاٹھیوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

فَتَمْلَأ بَیْتَنَا اَقِطاً وَ سَمْناً
وَحَسْبُکَ مِنْ غِنیً شِبْعٌ وَرِیٌّ

تاکہ یہ ہمارے گھر کو پنیر اور گھی سے بھر دیں تمہارے لیے سیر ہو کر کھانا کھا لینا اور سیر ہو کر پینا کافی مالداری ہے۔

تاہم امراؤالقیس کے مندرجہ ذیل اشعار ایک شاعر کا ذہنی تضاد بیان کرتے ہیں کہ ان میں اس کی خواہش بالکل بدل کے رہ گئی ہے اور اس میں وہ بلند ہمتی اور بڑے اہداف کی طرف بڑھنے کی دعوت وترغیب دیتا نظر آتا ہے۔

فَلَوْ اَنَّ مَا اَسْعٰی لِاَ دْنٰی مَعِیْشَۃٍ
کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ

اگر میں معمولی زندگی کے لیے کوشاں ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال کافی تھا اور پھر میں ملک حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا۔

وَ لٰكِنَّمَا اَسْعٰى لِمَجْدٍ مُوَثَّلٍ
وَقَدْ يُدْرِكُ المَجْدَ المُوَثَّلَ اَمْثَالِىْ

لیکن میں تو مضبوط جڑوں والی بزرگی حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوں اور میرے جیسے لوگ کبھی ایسی بزرگی پا بھی لیتے ہیں۔

وَقَاهُمْ جَدُّهُمْ بِبَنِىْ اَبِيْهِمْ
وَبِالْاَشْقَيْنَ مَا حَلَّ الْعِقَابُ

اور بنو اسد کو ان کی خوش بختی نے بنو کنانہ کے ذریعے جو انھیں کے باپ کی اولاد تھے بچا دیا اور عذاب بدبخت بنو کنانہ پہ نازل ہو گیا۔

اَرَاهُنَّ لَا يُحْبِبْنَ مَنْ قَلَّ مَالُهٗ
وَلَا مَنْ رَاَيْنَ الشَّيْبَ فِيْهِ وَقَوَّسَا

اور میں دیکھتا ہوں کہ عورتیں کم مال والے شخص کو پسند نہیں کرتیں اور نہ ہی اس شخص کو پسند کرتی ہیں جو بوڑھا ہو اور کمان کی طرح کبڑا ہو چکا ہو۔

اَلَا اِنَّ بَعْدَ الْعُدْمِ لِلْمَرْءِ قَنْوَةً
وَبَعْدَ الْمَشِيْبِ طُوْلَ عُمْرٍ وَمَلْبَسَا

یاد رکھو کہ محتاجی کے بعد انسان مالدار بھی ہو جاتا ہے اور انسان بوڑھا ہو جانے کے بعد بھی دیر تک زندہ رہتا ہے اور لباس پہنتا ہے۔

وَقَدْ طَوَّفْتُ فِی الآفَاقِ حَتّٰی
رَضِیْتُ مِنَ الْغَنِیْمَۃِ بِالاِءِ یَابِ

میں نے دنیا میں خوب چکر کاٹے ہیں اور بالآخر گھر واپس آنے ہی کو غنیمت جانا اور اسی پہ راضی ہو گیا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذَا المَرْءُ لَمْ یَخْزَنْ عَلَیہِ لِسَانَہُ
فَلَیْسَ عَلَی شَیْئٍ سِواہُ بِخَزَّانِ

اور جب انسان اپنی زبان یعنی اپنے رازوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تو پھر وہ کسی چیز کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَاَنَّکَ لَمْ یَفْخَرْ عَلَیْکَ کَفَاخِرِ
ضَعِیْفٍ وَلَمْ یَغْلِبْکَ مِثْلُ مُغَلَّبِ

تمہارے خلاف کمزور انسان کی شیخی کسی نے نہ بگھاری ہو گی اور تم پہ مغلوب سے بڑھ کر کسی نے غلبہ نہ پایا ہو گا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَیْلٍ کَمَوْجِ البَحْرِ اَرخَیٰ سُدُوْلَہُ
عَلَیَّ بانواعِ الھُمُوْمِ لِیَبْتَلِیْ

اور کتنی ہی راتیں سمندر کی موجوں کی طرح ہولناک تھیں جنھوں نے مجھے آزمانے کے لیے قسم قسم کے غم ساتھ لے کر مجھ پر اپنے تاریک پردے ڈال رکھے تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَقُلْتُ لَہٗ لَمَّا تَمَطّٰی بِصُلْبِہٖ
وَارْدَفَ اعجَازاً وَنَاءَ بِکَلْکَلِ

جب یہ رات اپنے سینے یعنی ابتدائی حصے کو لے کر اٹھی پھر پیٹھ یعنی درمیانی حصے کو لمبا کیا اور پچھلے حصے کو پیچھے کی طرف نکالا تو میں نے اس سے کہا کہ،

اَلَا اَیُّھَا اللَّیْلُ الطّوِیْلُ اَلَا انْجِلِیْ
بِصُبْحٍ وَمَا اِلَا صُبَاحَ مِنْکَ بِاَمْثَلِ

اے لمبی کالی رات کیا تو صبح میں تبدیل نہ ہوگی؟ مگر صبح بھی کیا ہے کہ وہ بھی تیری ہی طرح ہے کہ عاشق کی صبح فرقت بھی شب فرقت سے کم سیاہ نہیں ہوا کرتی۔

اَفَا طِمَ مَھْلًا بَعْضَ ھٰذّا التَدَلُّلِ
وَاِنْ کُنْتِ قَدْاَزْمَعْتِ صَرْمِیْ فَاَجْمِلِیْ

اے فاطمہ (شاعر کی محبوبہ) یہ ناز و انداز ذرا ٹھہر ٹھہر کے دکھا اور اگر تو نے سمجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے تو ذرا اچھے طریقے سے کر۔

وَاِنْ کُنْتِ سَاءَ تْکِ مِنّی خَلِیْقَۃٌ
فَسُلّی ثِیَابِیْ مِنْ ثِیَابِکِ تَنْسُلِ

اگر تجھے میری کوئی خصلت بری معلوم ہوئی ہے تو میرے دل کی محبت اپنے دل سے نکال دے تب تو مجھ سے جدا ہو سکے گی۔

وَمَا ذَرَفَتْ عَیْنَاكِ اِلاّ لِتَضْرِیْ
بِسَهمَیْكِ فِیْ اَعْشَارِ قَلْبٍ مُقَتَّلِ

تیری دونوں آنکھوں سے صرف اس لیے آنسو بہے تھے کہ تو ان دونوں تیروں کو میرے خستہ و خراب دل کے دسوں ٹکڑوں کو حاصل کرنے کے لیے دے مارے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ہزار سال سے زیادہ وقت گذرا کہ یہ تخیل سفر کرتا ہوا ہمارے ہاں پہنچا اور غالب نے اسی خیال کو اس طرح بیان کیا۔

(تیری طرح کوئی تیغ نگاہ کو آب تو دے)

❖❖❖❖❖❖❖❖

کَانَّ قُلُوْبَ الطَّیْرِ رَطْبًا وَ یَابِسًا
لَدَیْ وَکْرِهَا الْعُنَّابُ والحَشَفُ البَالِیْ

اس عقاب کے گھونسلے میں پرندوں کے سوکھے ہوئے دل پرانی اور بوسیدہ کھجوریں اور تازہ دل عناب معلوم ہورہے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کَانَّ عُیُوْنَ الوَحْشِ حَوْلَ خِبَائِنَا
وَاَرْحُلِنَا الجَزْعُ الَّذِیْ لَمْ یُثَقَّبِ

کثرت شکار کی وجہ سے ہمارے خیموں اور پالانوں کے گرد جنگلی جانوروں کی آنکھیں ایسی معلوم ہورہی تھیں جیسے وہ بید سلیمانی کے مہرے ہوں[*5]

❖❖❖❖❖❖❖❖

زہیر بن ابی سلمیٰ

زہیر کا شمار عرب کے نامور شعراء میں کیا جاتا ہے۔مورخین نے اس کو شعرا کی صف اول میں جگہ دی ہے۔ اس بات میں سب مورخ متفق نظر آتے ہیں کہ زہیر کا کلام اس پائے کا ہے کہ اسے لوگ رہتی دنیا تک یاد رکھیں۔عربوں میں عام طور پہ اس بات پہ اتفاق کبھی نہ ہوا کہ وہ کس شاعر کو پہلے اور کس کو دوسرے یا تیسرے نمبر پہ رکھیں اس لیے کہ صف اول کے شعرا کا تعلق جن قبائل سے تھا انھوں نے لامحالہ اپنے ہی شاعر کو اہل عرب کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا۔تاہم وہ سب اس بات پہ متفق تھے کہ عرب بھر میں بہترین شاعر چار ہیں۔یعنی امراؤالقیس جس کا ذکر ابھی گذرا ہے، پھر زہیر بن ابی اسلمٰی ، پھر نابغہ اور پھر اعشیٰ ہیں۔تقریباً سبھی عرب ان ناموں سے واقف تھے اوران کی شاعری کو عرب بھر میں پذیرائی بھی حاصل تھی چنانچہ وہ کہا کرتے کہ امراؤالقیس بہترین شاعر ہیں،سواری کے عالم میں اور زہیر بہترین شاعر ہیں تمنا براری کے عالم میں اور نابغہ جب اس پہ خوف طاری ہو اور اعشیٰ جب وہ سرشاری کے عالم میں ہو۔عرب قبائل کا یہ خیال کہ ان کے شاعر کا عرب میں کوئی ثانی نہیں اپنی جگہ مگر غیر جانبدار یا عجمی محققین نے بہر حال

اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور ان کے مطابق امراؤالقیس عربوں کے شعرا میں پہلے نمبر پہ ہے۔ پھر زہیر پھر نابغہ اور پھر اعشیٰ کا نام آتا ہے۔ تاہم مورخین نے اس بارے میں زیادہ اصرار سے کام نہیں لیا اور یہی درست طرز عمل ہے۔ اس لیے کہ کسی کلام کو کسی دوسرے کلام پہ سبقت دینا کوئی اتنا آسان کام نہیں۔ پھر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ یہ شعرا ہم عصر شعرا نہ تھے اس لیے ان کو مختلف حالات اور مختلف زمانے ملے جو یقیناً ان کی سوچ اور فکر پر بھی اثر انداز ہوئے ہوں گے اس لیے ان کے کلام میں طبیعی طور پہ فرق آنا لازم تھا۔

چنانچہ ہم نہیں جانتے کہ عربوں کا کونسا شاعر پہلے یا دوسرے نمبر پہ ہے بلکہ ہم ان کے حالات اسی طرح بیان کریں گے جس طرح کہ سابقین کا طریق رہا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ یہ دورِ جاہلیت کے شاعر تھے جبکہ اسلام میں حضرت ابولبیدؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کا ڈنکا بجتا تھا اور کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ مسلمانوں نے انھی شعرا کو عرب کا بہترین شاعر قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ دورِ جاہلیت کے شعرا کے مقابل ہم ان کو طبعی طور پہ زیادہ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ دورِ جاہلیت کے بھی مختلف ادوار میں مختلف شعرا لوگوں کی آنکھ کا تارا بنے رہے۔ جیسا کہ زہیر ابن سلمٰی کے زمانے میں نہ صرف یہ کہ زہیر کا عرب بھر میں کوئی ثانی نہ تھا بلکہ زہیر کا پورا خاندان شاعروں کا خاندان تھا۔

چنانچہ ابن الاعرابی لکھتا ہے کہ زہیر کو شاعری میں وہ مقام حاصل ہے جو عرب میں اور کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس لیے کہ اس کا باپ شاعر تھا، اس کی ہمشیرہ سلمٰی عربوں کی شاعرہ تھی، اس کی دوسری بہن خنساء کے کلام کو بھی عرب میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی، اس کے بیٹے شاعر تھے۔ کعب اور بجیر جن کا نام عرب شعرا میں لیا جاتا ہے۔ اور اس کا پوتا الضرب بن کعب بھی نہ صرف پائے کا شاعر تھا بلکہ ادیان عالم پہ بھی اس کی گہری نظر تھی۔ چنانچہ عربوں میں غالباً وہ پہلا شخص تھا جس نے دنیا بھر کے علوم حاصل کئے اور مذاہب عالم کو تقابلی نظر سے دیکھا۔ اس نے الہامی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ عرب میں دنیا کا نجات دہندہ ﷺ نمودار ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے کعب نے وجہ کائنات سرور عالم سیّد دوجہاں محمد عربی ﷺ کی مدح میں اشعار لکھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا وہ قصیدہ بھی پیش کیا جسے اس نے آپ کی بعثت سے پہلے لکھا تھا اور آپ ﷺ پہ ایمان بھی لایا۔ مگر زہیر ایمان سے محروم رہا کہ جس سال نبی اکرم ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اس سے

چند ماہ قبل اسی سال زہیر کا انتقال ہوا۔

زہیر بن سلمیٰ کے کلام سے کچھ انتخاب پیش خدمت ہے۔

وَمَنْ لَمْ يُصَانِعْ فِيْ اُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ
يُضَرَّسْ بِاَنْيَابٍ وَيُوْطَاْ بِمَنْسِمِ

جو شخص بہت سے معاملات میں مدارات سے کام نہیں لے گا اسے لوگ دانتوں سے خوب کاٹیں گے اور پاؤں تلے روندیں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَمَنْ يَجْعَلِ الْمَعْرُوْفَ مَنْ دُوْنِ عِرْضِهٖ
يَفِرْهُ وَمَنْ لَا يَتَّقِ الشَّتْمَ يُشْتَمِ

اور جو شخص اپنی عزت کو بچانے کے لیے لوگوں پہ احسانات کرے گا وہ اپنی عزت کو محفوظ رکھے گا اور جو گالیوں سے نہیں بچے گا اسے گالی ضرور دی جائے گی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَمَنْ لَمْ يَذُدْ عَنْ حَوْضِهٖ بِسِلَاحِهٖ
يُهَدَّمْ وَمَنْ لَا يَظْلِمِ النَّاسَ يُظْلَمِ

اور جو شخص ہتھیاروں کی مدد سے اپنے حوض کو مضبوط نہیں رکھے گا اس کا حوض گرا دیا جائے گا اور جو لوگوں پر زیادتی نہیں کرے گا اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وِمَنْ يَغْتَرِبْ يَحْسِبْ عَدُوّاً صَدِيقَهُ
وَمَنْ لَا يُكَرِّمْ نَفْسَهُ لَا يُكَرَّمِ

اور جو مسافرت میں ہوگا وہ دشمن کو بھی دوست سمجھے گا اور جو خود اپنی عزت نہیں کرے گا اس کی عزت نہیں کی جائے گی۔

وَمَنْ يَكُ ذَا فَضْلٍ فَيَبْخَلْ بِفَضْلِهِ
عَلَى قَوْمِهِ يُسْتَغْنَ عَنْهُ وَيُذْمَمِ

اور جو شخص مالدار ہوگا اور اس مال کو اپنی قوم پہ خرچ کرنے سے بخل کرے گا تو لوگ اس سے مستغنی ہو جائیں گے اور اس کی مذمت کی جائے گی۔

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ
وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

انسان کے جیسے بھی اخلاق ہوں ان کا لوگوں کو ضرور پتا چل جاتا ہے خواہ وہ یہ خیال کرے کہ اس کا احوال لوگوں سے مخفی ہے۔

وَهَلْ يُنْبِتُ الخَطِّيَّ إِلَّا وَشِيجُهُ
وَتُغْرَسُ إِلَّا فِي مَنَابِتِهَا النَّخْلُ

اور وشیج کے درخت سے ہی خطی نیزے پیدا ہوتے ہیں اور کھجور کا درخت وہیں لگایا جاتا ہے جہاں وہ اُگ سکے۔

وَالسِّتْرُ دُوْنَ الْفَاحِشَاتِ وَلَا
يَلْقَاكَ دُوْنَ الْخَيْرِ مِنْ سِتْرِ

پردہ بداعمالیوں پہ ڈالا جاتا ہے اور تو کبھی نہیں دیکھے گا کہ کوئی نیک کام کو چھپا رہا ہو۔

تَرَاهُ إِذَا مَا جِئْتَهُ مُتَهَلِّلا
كَأَنَّكَ تُعْطِيهِ الَّذِي أَنْتَ سَائِلُهُ

اور جب تو سوالی بن کے اس کے پاس آئے گا تو اسے خندہ جبیں پائے گا اور تجھے یوں معلوم ہو گا گویا تو اس سے کچھ مانگنے نہیں بلکہ اسے کچھ دینے آیا ہے۔

يُؤَخَّرْ فَيُوْدَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ
لِيَوْمِ الْحِسَابِ أَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْقَمِ

اعمال کی جزا کو موخر کر کے نامہ اعمال میں رکھ دیا جائے گا اور یوم حساب تک جمع رکھا جائے گا یا یہ کہ اللہ جلدی کرے اور اس دنیا میں ہی گناہوں کی سزا دے دے۔

تَنَازَعَهَا الْمَهَا شَبَهًا وَدُرُّ
النُّحُوْرِ وَشَاكَهَتْ فِيْهَا الظِّبَاءُ

میری محبوبہ کی جنگلی گائے سے مشابہت ہے اس کے سینے کے موتیوں کی سی صفائی اور خوبصورتی اور ہرنیوں کی سی لمبی گردن پائی جاتی ہے۔

فَا مَّا مَا فُوَيْقَ الْعِقْدِ مِنْهَا
فَمِنْ اَدْمَاءَ مَرْتَعُهَا الْخَلَاءُ

چنانچہ اس کے جسم کا وہ حصہ جو ہار سے ذرا اوپر ہے وہ تو سفید رنگ کی ہرنی کا سا ہے جو کھلی جگہ میں چرتی رہتی ہو۔

قَدْ جَعَلَ الْمُبْتَغُوْنَ الْخَيْرَ فِیْ هَرَمٍ
وَ السَّائِلُوْنَ اِلَى اَبْوَابِهٖ طُرُقَا

ہرم کے ہاں مال طلب کرنے والوں اور سائلوں نے اس کے دروازے تک آنے کے لیے کئی راستے بنا لیے تھے۔

مَنْ يَلْقَ يَوْمًا عَلَى عِلَّاتِهٖ هَرِمًا
يَلْقَ السَّمَاحَةَ مِنْهُ وَ النَّدَى خُلُقَا

جو شخص کسی دن بھی ہرم کو ملے گا وہ باوجود اس کی مجبوریوں کے اس کی عادت سخاوت سے ضرور ثمر پائے گا۔

هٰذَا زهيرُكَ لَا زُهَيْرُ مُزَيْنَةٍ
وَ اَفَاكَ لَا هَرِمًا عَلَى عِلَّاتِهٖ

یہ قبیلہ مزنیہ کا زہیر نہیں بلکہ تمہارا زہیر ہے وہ تمہارے پاس آیا ہے ہرم کی مجبوریوں کے باوجود ہرم کے پاس نہیں آیا۔

دَعْهُ وَحُوْلِيَّاتِهِ ثُمَّ اسْتَمِعْ
لِزُهَيْرِ عَصْرِكَ حُسْنَ لَيْلِيَّاتِهِ

اسے اور اس کی حولیات قصائد کو رہنے دو پھر اپنے زمانے کے زہیر سے اس کے للیات کی خوبصورتی سنو[6*]"۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

النابغہ الذبیانی

نابغہ ذبیانی بھی عرب شعرا میں صف اول کا شاعر تھا۔جاہلی عرب معاشرے میں اس کا بہت مقام تھا۔اس کا نام زیاد بن معاویہ تھا اور اس کی کنیت ابو مامہ اور ابو عقرب تھی۔عقرب اس کی بیٹی تھی اور اس کو نابغہ اس لیے کہا گیا کہ اس نے کہن سالی میں اس سفرِ شعر کا آغاز کیا۔عرب مورخین نے نابغہ کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ نابغہ ہی سے عربوں نے معیاری شعر کہنے سیکھے اور نابغہ ہی سے اہل عرب نے وہ نثری اسلوب سیکھا جو شعر کی ایک نئی جہت تھی۔نابغہ کا کلام دیگر شعرا کے مقابلے میں زیادہ بارونق ہے اور اس کا اسلوب نثریہ ہے۔اس کے اشعار میں تکلف نہیں پایا جاتا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کے بہترین اشعار وہ ہیں جو اس نے نعمان بن منذر سے معذرت کے وقت کہے تھے۔عربوں میں نابغہ نام کے بہت سے شعرا گذرے ہیں۔جیسے کہ نابغہ بن ذبیان، نابغہ جدی نابغہ شیبانی، نابغہ الدیان، نابغہ غنوی، نابغہ عدوانی، نابغہ تغلبی اور نابغہ بنی جدیلہ اور بعض نے نابغہ جدیلہ کے بجائے ایک اور نابغہ ذبیانی کا نام بھی لیا ہے جس کا نام ابن قتال بن یربوع تھا۔مگر اس کے کلام کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔تاہم ان میں خاص طور پہ صرف نابغہ

ذبیانی ہی جاہلی معاشرے میں مقبول تھا۔نابغہ ذبیانی بھی امراؤالقیس کی طرح قصیدہ گوشاعر تھااور عرب بادشاہوں کے ہاں اس کی بہت پذیرائی کی جاتی تھی خاص طور پہ حیرہ کے بادشاہ نعمان اور غسانہ کی مملکت میں نابغہ کے اشعار بہت پسند کئے جاتے تھے۔شروع میں نابغہ نعمان بن منذر کے پاس رہا مگر اس کے حاسدوں نے بادشاہ کے کان بھرے اور اس سے پہلے کہ بادشاہ اس کے خلاف کوئی کاروائی کرتا نابغہ وہاں سے نکل گیا اور شاہ غسان کے پاس پناہ لی۔حضرت عمرؓ کو نابغہ کے اشعار بہت پسند تھے اور وہ انھیں اکثر گنگنایا کرتے۔

نابغہ الذبیانی کے اشعار سے کچھ انتخاب پیش ہے۔

فَاِنَّکَ کَا للَّیۡلِ الَّذِیۡ ھُوَ مُدۡرِکِی

وَاِنۡ خِلۡتُ اَنَّ الۡمُنۡتَاٰیٰ عَنۡکَ وَاسِعُ

وہ تو اس رات کی طرح ہے جو ہر صورت میں مجھے آن لے گی خواہ میں یہ کیوں نہ سمجھتا رہوں کہ تجھ سے دور بھاگ جانے کے لیے وسیع سرزمین موجود ہے۔

نُبِئتُ اَنَّ اَبَا قَابُوۡسَ اَوۡعَدَنِیۡ

وَلَا مَقَامَ عَلَی زَارٍ مِنَ الاَسَدِ

اور مجھے خبر دی گئی کہ ابوقابوس نعمان نے میرے بارے میں دھمکی دی ہے اب ظاہر ہے کہ شیر کی چنگھاڑ کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔

حَلَفْتُ وَلَمْ اَتْرُكَ لِنَفْسِكَ رِيْبَةً
وَلَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبُ

جو کچھ کہا اللہ کی قسم کھا کے کہا ہے اور تمہارے لیے شک کی گنجائش نہیں رکھی ظاہر ہے کہ انسان اللہ سے آگے جا بھی کہاں سکتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

لَئِنْ كُنْتَ قَدْ بُلِغْتَ عَنِّىْ جِنَايَةً
لَمُبْلِغُكَ الْوَاشِىْ اَغَشُّ وَاَكْذَبُ

اور اگر آپ کو میری نسبت کسی جرم کی اطلاع ملی ہے تو اس کا پہنچانے والا چغل خور خائن اور دروغ گو ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَلَسْتَ بِمُسْتَبْقٍ اِخًا لَا تَلُمُّهٗ
عَلٰى شَعَثٍ اَىُّ الرِّجَالِ الْمُهَذَّبُ

اگر تو اپنے کسی بھائی کو کسی خرابی کی بنا پر معاف کر کے اس کی دوستی کو برقرار رکھنے والا نہیں تو مجھے بتا کہ دنیا میں ایسا کون شخص ہے جو ہمہ تن مہذب ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَاِنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوْكُ كَوَاكِبُ
اِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبُ

تو سورج ہے اور دیگر بادشاہ ستارے ہیں تو جانتا ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَاِنْ یَّکُ عَامِرٌ قَدْقَالَ جَھْلاً

فَاِنّ مَظِنَّۃَ الجَھْلِ الشَّبَابُ

اور اگر عامر نے کوئی جہالت کی بات کہہ دی تو کوئی عجیب بات نہیں کہ جوانی مقام بدگمانی ہے۔

وَکُنْتَ اَمِیْنَہٗ لَوْلَمْ تَخُنْہُ

وَلٰکِنْ لَا اَمَانَۃَ لِلیْمَانِی

اور تو اس کا امین تھا اور اب بھی ہوتا اگر تو نے خیانت نہ کی ہوتی لیکن یمانی کبھی امین نہیں ہو سکتا۔

اِلرِّفْقُ یُمْنٌ وَالاِ ءِ نَاۃُ سَعَا دَۃٌ

فَا سْتَا نِ فِی اَمْرٍ تُلَا قِ نَجَا حَا

نرم خوئی میں برکت ہے اور بردباری میں سعادت ہے لہذا تو بردبار بن جا کامیابی تیرے قدموں تک چل کے آئے گی[7*]"۔

الاعشیٰ

اعشیٰ کا اصل نام میمون بن قیس تھا۔اعشیٰ کو اس کے اشعار کی فنی کثرت کی بناپر اہل عرب نے " **صنتاجة العرب** " کے لقب سے نوازا۔جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے کہ اعشیٰ کا شمار عرب کے ان چار شعرا میں ہوتا ہے جن کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ یہ عربوں کے بہترین شعرا تھے۔اعشیٰ جاہلی شعرا کے آخر میں اور محضرین شعرا کا پیش رو ہوا ہے۔اس نے بعثت نبوی ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔اس نے نبی اکرم ﷺ کی مدح میں اشعار بھی کہے مگر اسلام کی دولت سے محروم رہا۔جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اپنے وطن سے اسلام قبول کرنے کی نیت سے مکہ پہنچا۔تب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے بعد واپس مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔اعشیٰ مکہ میں اپنے ایک قریبی دوست کے ہاں سکونت پذیر ہوا جس پہ اعشیٰ نے اپنا ارداہ ظاہر کیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے مکہ پہنچا ہے۔اس کے دوست نے اعشیٰ کو بتایا کہ تم تو شراب کے بغیر ایک لمحہ نہیں گزارتے اور اسلام میں شراب حرام ہے۔تب اعشیٰ نے اس سے کہا کہ اب وہ ایک سال تک جی بھر کے شراب پیئے گا اس کے بعد اسلام قبول کرے گا۔مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور اعشیٰ وہ سال پورا ہونے

سے پہلے ہی یمامہ کی ایک بستی میں گمنامی کی موت مرگیا۔

اعشیٰ کے کچھ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

وَکاسٍ شَرِبْتُ عَلَی لَذَّۃٍ
وَاُخریٰ تَدَاوَیْتُ مِنھَا بِھَا

میں نے کئی پیالے لذت کے لیے پیے، پھر کئی اور پیالے پیے جن سے ان کے خمار کی تکلیف کا علاج کیا۔

لِکَیْ یَعْلَمَ النَّاسُ اَنِّیْ امرُوٌ
اَتَیْتُ المُرُوْءَۃَ مِنْ بَا بِھَا

تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں وہ انسان ہوں جو مردانگی تک صحیح طریق سے پہنچا ہے۔

تَبِیْتُوْنَ فِی المَشْتیٰ مِلَاءً بُطُوْنَکُمْ
وَجَا رَاتکُمْ غَرْثیٰ یَبِتْنَ خَمَا ئِصاَ

تم قحط سالی میں پیٹ بھر کے رات بھر پڑے رہو جب کہ تمہاری پڑوسنیں بھوکی اور خالی پیٹ رات گزارتی ہے۔

وَاِنَّ الْقَرِیْبَ مَن یُقَرِّبُ نَفْسَہٗ
لَعَمْرُ اَبِیْکَ الخَیْرِ لَا مَن تَنَسَّبَا

قریبی وہی ہے جو اپنے آپ کو قریب رکھے تمہارے اچھے باپ کی قسم وہ قریبی نہیں ہے جو تمہارا ہم نسب ہونے کا دعویٰ کرے۔

وَمَنْ یَغْتَرِبْ عن قَوْمِہٖ لَا یَزَلْ یَرٰی
مَصَارِعَ مَظْلُوْمٍ مَجَرًّا مَسْحَبًا

جو شخص اپنی قوم سے دور چلا جائے گا اسے ہمیشہ ایسے مقامات دیکھنے پڑیں گے جہاں مظلوموں کو گھسیٹ کر لایا جائے گا۔

وَتُدْفَنُ مِنْہُ الصَّالِحَاتُ وَاِنْ یُسِیٔ
یَکُنْ مَا اَسَاءَ النَّارَفِی رَاسِ کَبْکَبَا

اس شخص کے نیک اعمال کو دفن کر دیا جاتا ہے اور اگر اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کی اس طرح شہرت ہو جاتی ہے جیسے کبکب پہاڑ پہ دور سے جلتی ہوئی آگ دکھائی دیتی ہے۔

اَلَسْتَ مُنْتَھِیًا عَنْ نَحْتِ اَثْلَتِنَا
وَلَسْتَ ضَائِرَھَا مَا اَطَّتِ الاِبِلُ

کیا تو ہمارے حسب میں طعن کرنے سے باز نہیں آئے گا یہ جان لے کہ تو ہمارے حسب کو کبھی نقصان نہیں پہچان سکتا۔

عَوَّدتَّ كِندَةَ عَادَةً فَاصْبِرْ لَهَا
اِغْفِرْ لِجَاهِلِهَا وَرَوِّ سِجَالَهَا

تمہاری اور ہماری مثال تو اس پہاڑی بکرے کی سی ہے جو دن بھر چٹان کو اکھیڑنے کی نیت سے ٹکر مارتا رہا ہو مگر وہ چٹان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا ہو اور اس نے اپنے ہی سینگ کو نقصان پہنچایا ہو۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

اَوْكُنْ لَهَا جَمَلًا ذَلُولًا ظَهْرُهُ
وَاحْمِلْ فَاَنْتَ مُعَوَّدٌ تِحْمَالَهَا

یا ان کے لیے ایسا اونٹ بن جا جو اپنی پیٹھ پر آسانی سے سوار ہونے دیتا ہے اور لوگوں کو اٹھا کر کیونکہ تو ان کو اٹھانے کا عادی بن چکا ہے[8*]''۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

لبید بن ربیعہ عامری رض

سب جانتے ہیں کہ حضرت لبیدؓ کا شمار عرب کے بزرگ شعرا میں ہوتا ہے۔ان کا اصل نام لبیدؓ بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب تھا۔آپ صحابی رسول ﷺ ہیں اور آپ نے طویل عمر پائی ۔حضرت لبیدؓ شیریں گفتار اور نازک کلام تھے۔حضرت لبیدؓ نے زمانہ جاہلیت میں ایسے اشعار کہے جن میں توحید کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔عرب کہتے ہیں کہ صحیح ترین بات جو کسی شاعر نے کہی وہ لبیدؓ کے اشعار میں تلاش کرنی چاہیے۔اگرچہ حضرت لبیدؓ نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا مگر اللہ نے انھیں ایمان کی دولت اور بزرگی سے خوب نوازا۔حضرت لبیدؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری دانش کی وجہ سے توقع کر رہا تھا کہ تم بہت جلد اسلام قبول کر لو گے مگر تم اتنی دیر سے آئے۔تو اس پہ حضرت لبیدؓ مسکرائے اور کہا کہ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے تو وہ میں بہت پہلے ہی کر چکا ہوں مگر میں اہل قریش اور آپ ﷺ کی جنگ کے فیصلے کا منتظر رہا، آج تو محض میں رسم پوری کرنے اور آپ ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں ورنہ میرے دل نے تو آپ ﷺ کی

صداقت کی گواہی اسی وقت دے دی تھی جب میں نے اللہ کا کلام سنا تھا۔حضرت لبیدؓ سے کسی نے پوچھا کہ عربوں کا سب سے اعلیٰ شاعر کون ہے تو آپ نے فرمایا گمراہ بادشاہ، ان کی مراد امراؤالقیس سے تھی۔سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کس کا رتبہ بڑا ہے تو کہا کہ مقتول نوجوان کا اور ان کی مراد طرفہ سے تھی جو عربوں کا بہت بڑا شاعر تھا۔سوال کرنے والے نے پوچھا اس کے بعد کس کا رتبہ ہے جواب دیا کہ کھونٹے والے کا مراد بوڑھے ابوعقیل سے تھی اور ابوعقیل خود انھی کی کنیت تھی۔

اہل عرب نے سوائے حضرت لبیدؓ کے کسی اور شاعر کو اس کے کلام کی بنا پہ سجدہ نہیں کیا اور حضرت ابولبیدؓ کے قصیدے در کعبہ آویزاں رہتے جو ایک ایسا اعزاز تھا جو عرب کے بہت ہی کم شعرا کو حاصل ہوا۔کسی نے بشار بن برد سے پوچھا کہ کیا وہ عربوں کے بہترین کلام کو جانتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ عربوں کا بہترین کلام تو لبید ہی کا ہے جس میں دانش اور صراحت پائی جاتی ہے۔ابن درید نے بیان کیا ہے کہ حضرت لبیدؓ نے طویل عمر پائی تھی۔انھوں نے نوے سال تو جاہلیت میں گزارے پھر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ پچپن سال تک زندہ رہے اس طرح ان کی عمر ایک سو پینتالیس سال بنتی ہے۔وہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد تک زندہ تھے جس کا ثبوت موجود ہے۔بیان کیا گیا کہ ایک دفعہ جب حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت لبیدؓ کا وظیفہ کم کرنا چاہا تو حضرت لبیدؓ نے ان سے کہا کہ دراصل تو وہ ان کی عزت کم کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ اس پہ قادر نہیں اور میری آنکھیں اس سے قبل ہی بند ہو جائیں گی جس کا فیصلہ حضرت امیر معاویہؓ نے کیا ہے۔چنانچہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کا وظیفہ آدھا کر دیا مگر وہ اس کو وصول کرنے سے بیشتر ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حسب روایت حضرت ابن لبیدؓ کے کلام سے کچھ انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

اَلَا کُلُّ شَیئٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

وَاکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔

سِوَى جَنَّةِ الفِرْدَوْسِ اِنَّ نَعِيْمَهَا
يَدُوْمُ وَاِنَّ المَوْتَ لَا بُدَّ نَازِلٌ

سوائے جنت الفردوس کے کہ اس کی نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور موت بالضرور نازل ہو کے رہے گی۔

وَجَلَا السُّيُوْلُ عَنِ الطُّلُوْلِ كَاَنَّهَا
زُبُرٌ تُجِدُّ مُتُوْنَهَا اَقْلَامُهَا

اور سیلابوں نے محبوبہ کے کھنڈرات کو یوں واضح کر دیا جیسے یہ کھنڈرات کتابیں ہوں جن کے متون کو قلموں نے پھر سے تازہ کر دیا ہو۔

يَعْلُمُو طَرِيقَةَ مَتْنِهَا مُتَوَاتِر
فِىْ لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُوْمَ غَمَامُهَا

ایسی رات میں جب کہ بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ رکھا تھا مسلسل بارش اس کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔

اَکْذِبِ النَّفْسَ اِذَا حَدَّثْتَهَا
اِنَّ صِدْقَ النَّفْسِ یُزْرِیْ بِالْاَمَلْ

جب تو اپنے نفس سے گفتگو کرے تو اس کی باتوں کو جھوٹی قرار دے کیونکہ نفس کو سچا کہنا امیدوں کو عیب دار کر دیتا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَ اِذَا رُمْتَ رَحِیْلاً فَارْتَحِلْ
وَاعْصِ مَا یَاْمُرُ تَوْصِیْمُ الْکَسَلْ

جب تو کوچ کا ارادہ کرے تو کوچ کر جا اور سستی کی وجہ سے جو اعضاء شکنی ہوتی ہے اس کی نافرمانی کرو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَمَا الْمَالُ وَالْاَھْلُوْنَ اِلَّا وَدَائِعٌ
وَلَابُدَّ یَوْمًا اَنْ تُرَدَّ الْوَدَائِعُ

مال اور بیوی بچے امانتیں ہیں ایک نہ ایک دن یہ امانتیں ضرور واپس کرنی پڑیں گی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَمَا الْمَرْءُ اِلَّا کَالشِّھَابِ وَضَوْئِہٖ
یَحُوْرُ رَمَادًا بَعْدَ اِذْ ھُوَ سَاطِعٌ

انسان تو شعلے اور اس کی روشنی کی طرح ہے جو بلند ہونے کے بعد راکھ ہو جاتا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَلَیْسَ وَرَائِی اِن تَرَاخَتْ مَنِیَّتِیْ
لَزُوْمُ الْعَصَا تُحْنٰی عَلَیْہِ الْاَصَابِعُ

اور اگر میری موت ملتوی ہو جائے تو کیا میرے سامنے لاٹھی سے چمٹا رہنا نہیں ہے جسے انگلیوں کو ٹیڑھا کر کے پکڑا جاتا ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

اُخَبِّرُ اَخبار القُرُون الّتِی مَضَتْ
اَدِبُّ کَاَنِّیْ کُلَّمَا قُمْتُ رَاکِعٌ

میں گذشتہ صدیوں کی خبریں بتاتا ہوں اور اس طرح رینگ کر چلتا ہوں کہ جب اٹھوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں رکوع میں ہوں۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

لَعَمْرُكَ مَا یَدْرِی الْمُسَافِرُ هَل لَہٗ
نَجَاحٌ وَلَا یَدْرِیْ مَتٰی ھُوَرَاجِعٌ

تمہاری جان کی قسم مسافر کو یہ معلوم نہیں کہ آیا وہ کامیاب ہوگا یا نہیں اور نہ ہی ایسے معلوم ہے کہ وہ کب لوٹے گا۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

اَتَجْزَعُ مِمَّا اَحْدَثَ الدَّھْرُ بِالْفَتٰی
وَاَیُّ کَرِیْمٍ لَمْ تُصِبْہُ قَوَارِعُ

کیا تو ان نئی باتوں سے گھبراتا ہے جو زمانہ انسان کے لیے پیدا کرتا ہے اور کونسا شریف انسان ہے جس پر مصیبتیں نہیں آتیں [9*]"۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

حضرت حسان بن ثابتؓ

حضرت حسان بن ثابتؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعر کی دولت سے نوازا تھا اور اہل عرب خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ان کا بہت رتبہ تھا۔ حضرت حسانؓ دربار نبوی سے منسلک تھے اور نبی اکرم ﷺ کی مدافعت کیا کرتے۔ آپ ﷺ نے بارہا اللہ سے حضرت حسانؓ کے لیے کامیابی فلاح اور جنت کی دعا مانگی۔ آپ ﷺ حضرت حسانؓ سے کہا کرتے کہ مشرکین قریش کی ہجو کیے جاؤ جبرائیل تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم تمہارے شعر اُن کو اِن تیروں سے بھی زیادہ دکھ دیتے ہیں جو تاریکی میں ان پہ آن پڑتے ہیں۔ حضرت حسانؓ نبی اکرم ﷺ کی مدح کے لیے قصائد لکھا کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے انھیں اس قابل بنایا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی کفار سے مدافعت کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں حسانؓ بنو جفنہ یعنی غسان کے بادشاہوں کی مدح کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی روشنی اور نبی اکرم ﷺ کی محبت ڈال دی۔ جسے حضرت حسانؓ اپنا سب سے بڑا سرمایہ بیان کیا کرتے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

اِذَا مَا الْاَشْرِبَاتُ ذُکِرْنَ یَوْمًا

فَھُنَّ لِطَیِّبِ الرَّاحِ الْفِدَاءُ

جب کسی روز مشروبات کا ذکر کیا جائے تو یہ سب کی سب اس عمدہ شراب پہ فدا کر دی جائیں گی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَنَشْرَبُھَا وَتَتْرُکُنَا مُلُوکًا

وَاُسْدًا مَا یُنَھْنِھُنَا اللِّقَاءُ

ہم اسے پیتے ہیں اور یہ ہمیں بادشاہ بنا دیتی ہے اور شیر بنا دیتی ہے کہ جنگ بھی ہمیں پیچھے نہیں دھکیل دیتی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

ھَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْہُ

وَعِنْدَ اللّٰہِ فِی ذَاکَ الْجَزَاءُ

اور تو نے محمد ﷺ کی ہجو کہی اور میں نے اس کا جواب دیا ہے اور مجھے اس کی جزا اللہ کے ہاں سے ہی ملے گی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَہٗ وَعِرْضِیْ

لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءُ

میرا باپ اور میرے باپ کا باپ اور میرا نفس محمد صل اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کریں گے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَتَھجُوہُ وَلَستَ لَہُ بِنِدٍّ
فَشَرُّ کُمَا لِخَیرِ کُمَا الفِدَاءُ

کیا تو ان کی ھجو کہتا ہے حالانکہ تو ان کا ہم پلہ نہیں ہے لہٰذا خدا کرے کہ بدترین شخص بہترین شخص پر قربان ہو جائے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَوَلَادُ جفنَۃَ حَولَ قَبرِ اَبِیھِمُ
قَبرِابنِ مَارِیَۃَ الکَرِیمُ المُفضَلِ

جفنہ کی اولاد اپنے باپ کی قبر کے گرد بیٹھی ہے یعنی کریم اور صاحب فضیلت ابن ماریہ کی قبر کے گرد۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِیضُ الوُجُوہِ نَقِیَّۃٌ اَحسَابُھُمُ
شُمُّ الاُنُوفِ مِن الطِرَازِ الاَوَّلِ

یہ لوگ روشن چہروں والے اور پاک حسب والے ہیں اونچی ناک والے ہیں اور ان کے افعال اس طرح کے ہیں جس طرح کہ ان کے آباؤاجداد تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یُغشَونَ حَتّٰی مَا تَھِرُّ کِلَابُھُمُ
لَا یَسأَلُونَ عَنِ السَّوَادِ المُقبِلِ

لوگ کثرت سے ان کے پاس آتے ہیں کہ اب ان کے کتے لوگوں پر بھونکتے ہی نہیں نہ یہ پوچھتے ہیں کہ کتنی جمعیت اتری ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

رَبَّ عِلْمٍ اَضَاعَهُ عَدَمُ الْمَا
لِ وَجَهَلٍ غَطٰى عَلَيْهِ النَّعِيْمُ

اور محتاجی نے کئی عالم ضائع کر دیئے ہیں اور مال و دولت نے کئی جہالتوں پہ پردہ ڈال رکھا ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

مَا اَبَا لِیْ اَنَبَّ بَالحَزْنِ تَيْسٌ
اَمْ لَحَانِیْ بِظَهْرِ غَيْبٍ لَئِيْمٌ

مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ پتھریلی زمین میں بکرا جوش میں آ کر بولا ہے کسی کمینے نے میری عدم موجودگی میں مجھے برا بھلا کہا ہے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وَاِنَّ امْرًا يُمْسِیْ وَيُصْبِحُ سَالِمًا
مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَا جَنٰى لَسَعِيْدٌ

اور جو شخص لوگوں سے بچ کر صبح و شام کرتا ہے سعادتمند شخص ہے سوا اس کے کہ جو کچھ اس نے جرم کیا ہو۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وَاِنَّ امْرًا نَالَ الغِنٰى ثُمَّ لَمْ يَنَلْ
صَدِيْقًا وَلَا ذَا حَاجَةٍ لَزَهِيْدٌ

جس شخص نے مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود کوئی دوست حاصل نہیں کیا اور نہ ہی کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی تو لوگ اس کی پرواہ نہیں کریں گے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وَإِنَّ امْرَا قَدْ عَا شَ سبَعِيْنَ حِجَّةً
وَلَمْ يُرْضِ فِيْهَا رَبَّهٗ لَطَرِيْدٗ

اور جس شخص نے ستر سال زندہ رہنے کے باوجود بھی اپنے رب کو راضی نہیں کیا تو وہ راندہ ہوا انسان ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَإِنَّ امْرَا عَادَىْ أُنَاساً عَلَى الغِنٰى
وَلَمْ يَسْالِ اللّٰهَ الغِنٰى لَحَسُوْدٗ

جو شخص مالداری کی وجہ سے ان سے عداوت رکھتا رہا ہو حالانکہ اس نے کبھی اپنے رب سے مالداری کی درخواست نہ کی وہ حاسد ہے[10*]''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

امیہ بن ابی صلت

امیہ بن ابی صلت عرب کے اہل دانش میں سے ایک تھا۔اس کے اشعار میں حکمت اور توحید کے بہت سے اشعار شامل ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی کے اشعار کے متعلق فرمایا تھا اس کے اشعار تو ایک مومن کے سے ہیں مگر اس کے دل میں کفر ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ اونٹنی پر اپنے ایک صحابی کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابی سے کہا کیا تمہیں امیہ بن ابی صلت کا کوئی شعر یاد ہے۔انھوں نے کہا بہت۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا سناؤ۔تو انھوں نے امیہ کے کچھ شعر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور سناؤ۔میں نے پھر امیہ کے کچھ شعر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔آپ ﷺ نے فرمایا اور سناؤ۔حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کو امیہ کے سو سے زیادہ شعر سنائے مگر اس پہ بھی آپ ﷺ نہ اکتائے۔اگرچہ آپ کو شعر سننے کا کوئی خاص شوق نہ تھا۔جب میں نے امیہ کے بہت سے شعر آپ کو سنائے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ شخص ایمان لاتے لاتے رہ گیا۔

امیہ کے کچھ شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

اَ اُذْکُرُ حَا جَتِیْ اَمْ قَدْ کَفَانِیْ
حَیَاؤُکَ اِنَّ شِیْمَتَکَ الْحَیَاءُ

کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا تمہاری حیا ہی کافی ہے کیونکہ حیا تمہاری سرشت میں ہے۔

وَعِلْمُکَ بِالْحُقُوْقِ وَاَنْتَ قَرْمٌ
لَکَ الْحَسَبُ الْمُھَذَّبُ وَالسَّنَاءُ

تم لوگوں کے حقوق سے بخوبی واقف ہو تم عظیم المرتبہ سردار ہو تمہارے کارنامے شائستہ ہیں اور تمہیں رفعت حاصل ہے۔

کَرِیْمٌ لَا یُغَیِّرُہٗ صَبَاحٌ
عَنِ الْخُلُقِ الْجَمِیْلِ وَلَا مَسَاءُ

یہ ایسا شریف انسان ہے جسے صبح وشام کی گردش اس کے اچھے اخلاق سے نہیں پھیر سکتی۔

اِذَا اَثْنٰی عَلَیْکَ الْمَرْءُ یَوْمًا
کَفَاہُ مِنْ تَعَرُّضِہِ الثَّنَاءُ

جب کوئی انسان کسی دن تمہاری تعریف کردے تو یہ تعریف ہی اپنی ضرورت وحاجت کے ذکر کرنے کی کفایت کرتی ہے۔

عَطَاؤكَ زَيْنٌ لِامرِيٍ اِنْ حَبَوْتَهٗ
بِخَيْرٍوَ مَا كُلٌّ العَطَاءِ يَزِيْنُ

اگر تم کسی انسان کو مال عطا کر دو تو تمہارا عطا کرنا اس کے لیے زینت کا سبب ہوتا ہے مگر ہر عطیہ زینت کا سبب نہیں ہوتا۔

✲✲✲✲✲✲✲✲

وَلَيْسَ بِشَيْنٍ لِامرِيٍ بِذْلُ وَجْهِهٖ
اِلَيْكَ كَمَا بَعْضُ السُّوَالِ يَشِيْنُ

کسی انسان کے لیے تمہارے پاس آ کر اپنی عزت وآبرو کا دے دینا عیب نہیں مگر بعض سوال ضرور عیب ہوتے ہیں [11*]''۔

✲✲✲✲✲✲✲✲

عرب شعرا کا بیان کسی حد تک مکمل ہوا اس لیے کہ پورے طور پہ اس کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ اہل عرب فصاحت وبلاغت کے اس مقام پہ تھے کہ ان کی باتوں سے دانش ٹپکتی تھی ان کے اعمال سے سخاوت اور ان کی آنکھوں سے ان کی دلیری جھانکتی تھی۔ بادیہ نشینی نے عربوں کے ہاں اس اسلوب کو جنم دیا جسے لوگ سادگی کہتے ہیں۔ مگر دراصل وہ ان کی بے نیازی تھی جو انھوں نے دنیا سے روا رکھی۔ زبان وادب میں اپنی ماعصر اقوام پہ ان کی برتری سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے کسی بھی پہلو سے نا آشنا نہ تھے بلکہ انھوں نے ارادی طور پہ ایسا سماج وضع کر رکھا تھا جس میں دنیا سے رغبت اور بے نیازی دونوں پائی جاتی تھیں۔ عرب کے شدید موسموں نے ان کے مزاج کو بے ساختہ ڈھال دیا تھا جس میں ایک مخصوص اخلاقی رفعت پائی جاتی تھی۔ اسی کی ایک جھلک ہم نے عرب شعرا کے کلام میں بھی پائی۔ عرب شعرا بے پناہ ہیں اور ان کی شاعری بے انت اس لیے ہم نے نہایت اختصار سے عرب شعرا کا تعارف پیش کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے

اپنی کتاب ''الشعر للشعرا'' میں لکھا ہے کہ عرب شعروادب کا ایک ایسا سمندر ہے جس میں ڈوب کر پھر سے ابھرنا ایک ناممکن کام ہے۔عرب کے شاعروں کا کلی علم تو ممکن نہیں تاہم جن کو ہم جانتے ان کے نام درج کئے دیتے ہیں تا کہ اس خلا کو کسی حد تک پورا کیا جاسکے جو طوالت کے خوف سے اس مضمون میں رہ گیا ہے۔چنانچہ جن عرب شعرا کا کلام ہم یہاں پیش نہیں کرسکے ان کے نام یوں ہیں اوس بن حجر الاسدی، طرفہ بن العبد، بشر بن ابی حازم، الاخواہ الودی، عبید بن الابرص، المرقش، مہلہل الاسود بن یفعر، ابوداواہ الایادی، لقیط بن معبد الایادی، حاتم الطائی، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد، شداد العسی، جریر بن عبد المسیح، طفیل الغنویٰ، الاضبط بن قریع السعدی، عدی بن زید العبادی، الحارث بن حلزۃ یشکری قیس بن ساعدہ الایادی، عائذ بن محصن، المغرق العبدی، عبد قیس بن خفاف، الشفری، عروۃ بن الورود، افنون التغلبی، قیس بن الحطیم، جمیمہ بن الجلاح، عامر بن طفیل، ابوطمحان القینی، کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی، العلاء بن الحضری، النمر بن تولب العقلی، نابغہ جدی، الحطئیہ، ابوذوئیب الہذلی، المتنخل الہذلی، ابوصخر الہذلی، تمیم بن مقبل، عبدۃ بن الحبیب، حمید بن ثور، مہتم بن نویرہ، درید بن العصمہ سوید بن ابی کامل، النجاش الحرثی، الشماخ بن ضرار، عمرو بن معدیکریب، عمرو بن الاہتم، سحیم بن عبد الحساس، ابو معجن الثقفی، کعب بن سعد، معن بن اوس، کعب بن جعیل، زیاد بن زید العذری ابوالاسود الدئلی، زفر بن الحارث، عبداللہ قیس الرقیات، المتوکل الیثئی کا شمار بھی عرب کے مقبول شعرا میں ہوتا تھا اوران لوگوں کے کلام نے اہل عرب کی زبان وادب میں برتری کو ثابت کیا۔

علم عرافت و کہانت

دورِ جاہلیت میں علم کہانت عربوں میں عام تھا۔ چنانچہ بہت سے اہل علم نے علم کہانت سے بحث کی ہے۔ کسی نے شرح وبسط کے ساتھ تو کسی نے اختصار کے ساتھ۔ ہم یہاں ان تمام مباحث کو تو نہیں سمیٹ سکتے مگر ان کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش ضرور کریں گے تا کہ بات کسی حد تک کھل جائے۔ بعض نے کہا کہ علم کہانت غیب کا دعویٰ کرنے کو کہتے ہیں یعنی ان امور کی خبر دینا جو عنقریب دنیا میں واقع ہونے والے ہیں۔ تاہم اس امر میں وہ کسی نہ کسی سبب کا سہارا لیتے ہیں جس کی اصل یہ ہے کہ وہ جنوں اور فرشتوں کے کلام کو چوری سے سن لیتے اور اس میں بہت کچھ بڑھا چڑھا کر لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے۔ لفظ کاہن کا استعمال عراف کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اس شخص کے لیے بھی جو کنکریاں مار کر باتیں بناتا ہو اور منجم کے لیے بھی اور اس شخص کے لیے بھی جو کسی شخص کے کام کا ذمہ لے اور اس کی حاجت روائی میں لگا رہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ کاہن وہ شخص ہے جو امورِ غیب کا فیصلہ کرے۔ "**جامع**" میں لکھا ہے کہ کاہن ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اسے معلوم کر لے۔ امام خطابیؒ نے لکھا ہے کہ کاہن

وہ لوگ ہیں جن کے ذہن تیز، نفس شریر اور طبیعت ناری ہوتی ہے۔ لہٰذا اِن امور میں مناسبت کی وجہ سے شیاطین ان سے مالوف ہو جاتے ہیں اور ہر اس امر میں جس پر انھیں قدرت حاصل ہو کاہن کی مدد کرتے ہیں۔ ایک اور فاضل کہتا ہے کہ جاہلیت میں کہانت عام تھی بالخصوص عرب میں جس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت ان میں منقطع ہو چکی تھی۔

جاحظ نے بیان کیا کہ کہانت کی ایک قسم تو وہ ہے جسے کاہن جنوں سے حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ جن آسمان کی طرف چڑھ کر چلے جاتے تھے یوں کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ جاتے تا آنکہ سب سے اوپر والا جن اس مقام کے قریب ہو جاتا جہاں سے وہ فرشتوں کا کچھ کلام سن سکے۔ چنانچہ جب وہ کوئی بات سن لیتا تو فوراً ہی اپنے ساتھ والے جن کو بتا دیتا وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا اور اس طرح سب سے آخری جن اس بات کو اچکتا اور کاہن کے کان میں ڈال دیتا۔ کاہن اس میں کچھ باتیں اپنے پاس سے ڈال کر اسے لوگوں میں بیان کر دیتا اور یوں کہانت کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر جب نبی اکرم ﷺ عرب میں معبوث ہوئے اور اُن پہ قرآن اترنا شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو شیاطین سے محفوظ فرما دیا اور ان پہ آگ کے شعلے چھوڑے جانے لگے۔

چنانچہ عرب مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے دن قریب آئے تو سوائے کاہنوں کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ عرب میں کوئی بہت ہی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے۔ اس لیے کہ کاہن پریشان تھے ان کے جنوں کی حالت بری تھی۔ وہ جب بھی آسمان کی بلندیوں کی طرف رخ کرتے تو آگ کے شعلے ان کے پیچھے لپکتے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے کاہنوں کو بتایا کہ کوئی بڑا واقعہ پیش آنے کو ہے اس لیے کہ ہم پر آسمان کی وسعتوں کو تنگ کر دیا گیا ہے تاکہ ہم وہ بات نہ جان سکیں جو ہونے جا رہی ہے۔ چنانچہ اب کہانت صرف اسی قدر رہ گئی تھی کہ جن جو چوری سے فرشتوں کی باتیں سن لیا کرتے تھے وہ شعلہ لگنے سے پہلے اپنے ساتھی جن کو جس قدر بتا سکیں اور وہ جن ان ادھوری باتوں کو اپنے کاہن کے کان میں ڈال سکیں۔ قرآن حکیم میں بھی اس بات کی طرف اشارات موجود ہیں جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

''ہاں تو جو کوئی فرشتوں کی کسی بات کو چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو جلتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگے گا''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

بیان کیا گیا ہے کہ اسلام سے قبل کثرت سے ایسے واقعات پیش آئے تھے جن میں کاہن نے صحیح بات کو معلوم کر لیا تھا۔تاہم اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد کہانت عربوں سے رخصت ہوگئی۔کہانت کی ایک قسم یہ ہے کہ جس میں جن اپنے مولیٰ کو ایسی باتیں بتاتا ہے جو اور لوگوں سے مخفی ہوتی ہیں وہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کی بالعموم انسان کو خبر نہیں ہوتی یا اِن امور کی صرف اُن لوگوں کو خبر ہوتی ہے جو کاہن سے قریب ہوں۔کہانت کی تیسری قسم وہ ہے جس کی بنیاد ظن وتخمین اور اندازے پہ رکھی جاتی ہے کہ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قوت کسی انسان میں ودیعت کر دیتے ہیں۔جس میں لوگ بہت سا جھوٹ ملاتے ہیں اور اسے لوگوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہانت کی چوتھی قسم یہ ہے جس میں کاہن کی معلومات کی بنیاد تجربے مشاہدے اور عادت پہ رکھی ہوتی ہے اور وہ گذشتہ واقعات کو سامنے رکھ کر ہونے والے واقعے کا اندازہ لگا لیتا ہے۔اس قسم کی بعض باتیں جادو سے مشابہ ہوتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے علم کا جاننے والا فال لے کر اور کنکر مار کر بات کو معلوم کرتا ہے اور بعض اوقات وہ علم نجوم سے بھی مدد لیتا ہے۔امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ عربوں میں کہانت تین قسم کی تھی یعنی ایک یہ کہ انسان کا تابع جن اس کو کسی امر کی اطلاع دے۔مگر جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو کہانت کی یہ قسم ختم ہوگئی کیونکہ آسمانوں کو جنوں اور شیاطین سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔کہانت کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کا تابع جن اس کو پیش آنے والے ان واقعات اور حادثات کی خبر دے جو اطرافِ زمین وقوع پذیر ہونے والے ہوں اور ان چیزوں کی خبر دے جو دوسرے لوگوں

سے مخفی ہوں خواہ یہ چیزیں قریب ہوں خواہ بعید اور اس قسم کا وجود بعید از قیاس نہیں۔ تاہم معتزلہ اور بعض دیگر متکلمین نے ان دونوں اقسام کی نفی کی ہے اور انھیں محال قرار دیا ہے حالانکہ یہ امور ناممکن نہیں ہیں اور نہ ہی بعید از قیاس ہیں۔ البتہ یہ لوگ سچ بھی کہتے ہیں اور جھوٹ بھی اور ان کی تصدیق کرنے اور ان کی باتیں سننے کی نفی کی گئی ہے۔ تیسری قسم منجموں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں بعض لوگوں کو ایک قوت عطا کر دیتا ہے مگر اس میں عام طور پہ جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔ تاہم اسلام نے ان سب باتوں کی نفی کی اور انسان کو ان امور سے دور رہنے کی تلقین کی۔ چنانچہ امام نووی حدیث پاک لائے ہیں کہ۔

"جو شخص کاہن یا عراف کے پاس جائے گا اور اس کی باتوں کو سچا جانے گا اس نے ان تمام احکام سے انکار کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ پہ نازل ہوئے"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ ان امور سے منع کرنے کی حکمت غالباً یہ ہے کہ ان کے کلام میں بالعموم جھوٹی باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لیے ان کی تصدیق کرنے سے انسان پہ وہ دروازہ کھل جاتا ہے جو اسے دوزخ میں لے جائے گا کیونکہ کاہن کی باتوں کی تصدیق کرنے سے بعض اوقات شریعت کی نفی ہو جاتی ہے اور انسان اس میں مشغول ہو جاتا ہے وہ نیکی اور بدی کے فرق کو نظر انداز کرنے لگتا ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مشہور مقدمے میں ان غیبی مدرکات پہ لمبی بحث کی جس سے ایک اکتباس یہاں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ بات ہم پہ کھل جائے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"کہانت بھی نفس انسانی کے خواص میں سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی نفس میں یہ استعداد پائی جاتی ہے کہ وہ بشری لبادے کو اتار کر اس روحانیت کی طرف منتقل ہو جائے جو اس سے بالا ہے نیز اس سے انسان کو اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک لمحے کے لیے صف انبیاء میں

شامل ہونے کا موقع مل جاتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ان امور پہ ان کی بالا دستی انھیں بغیر اکتساب کے مدرقات تصورات یا افعال بدنیہ خواہ وہ کلام کی صورت میں ہوں یا حرکات کی صورت میں ہوں کی مدد کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہیں انھیں کسی اور بات کی مدد حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو فطرۃً ایک لحظے میں جو آنکھ جھپکنے کے بہت قریب ہوتا ہے لبادہ بشریت اتار کر ملکیت کی طرف منتقل ہونا ہوتا ہے جب یہ بات اس طرح ٹھہری اور یہ استعداد طبیعت بشریہ میں موجود پائی گئی تو تقسیم عقلی سے یہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہاں انسان کی ایک اور قسم بھی ہے جو صنف اول سے رتبے میں کم ہے۔ بعینہٖ ہی اسی طرح جس طرح ایک ضد اپنی کامل ضد کے مقابلے میں ناقص ہوتی ہے کیونکہ اس ادراک میں کسی سے مدد نہ لینا ادراک میں مدد لینے کی ضد ہے اور ان دونوں میں بہت فرق ہے لہٰذا وجود کی تقسیم سے ہمیں یہ حاصل ہوا کہ یہاں انسانوں کی ایک قسم اور بھی ہے جن میں فطری طور پہ یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب حرکت فکریہ کی خواہش انھیں اکساتی ہے تو ان کی قوت عقلیہ قصد و ارادہ سے حرکت فکری کرنے لگ جاتی ہے اور یہ جبلی طور پر اس فعل سے ناقص ہے۔ لہٰذا جب اس کی بے بسی اسے اس سے مانع آتی ہے تو یہ فطری طور پر جزئیہ محسوسہ امورِ یا مخیلہ امور کا مثلاً پرندوں یا حیوانات کا سہارا لیتی ہے جو اس کے سامنے آ جاتے ہیں اس کے بعد انسان چاہتا ہے کہ یہ احساس اور تخیل دائم رہے اور وہ اس سے انسانی لبادے کو اتارنے کے معاملے میں مدد چاہتا ہے جس کا یہ ارادہ کر رہا ہوتا ہے اور اس کی یہ کیفیت بشریت کو الوداع کہنے کے مترادف ہوتی ہے ان میں یہ قوت جو پائی جاتی ہے یہی اس ادراک کی مبداء بنتی ہے اور اسی کو کہانت کہا جاتا ہے۔ پھر چونکہ یہ نفوس فطری طور پہ ناقص ہیں اور کمال تک پہنچنے سے قاصر ہوتے ہیں لہٰذا ان کا ادراک بہ نسبت کلیات کے جزئیات میں زیادہ ہوتا ہے اسی لیے ان میں قوت خیال نہایت قوی ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جزئیات کا ادراک کرنے کا آلہ ہے۔ چنانچہ خواب کی حالت ہو خواہ بیداری کی یہ جزئیات میں مکمل طور پہ گھس جاتی ہیں اور یہ جزئیات اس کے پاس حاضر و موجود رہتی ہیں، انھیں قوت خیال حاضر کرتی ہے اور یہ ان کے لیے آئینے کی مانند ہوتی

ہے اوراس میں ہمیشہ دیکھتی رہتی ہے مگر کاہن معقولات کا ادراک کرنے میں کمال کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی وحی شیطانی وحی ہوتی ہے اوراس صنف کی بلند ترین حالت یہ ہوتی ہے کہ یہ ایسے کلام سے مدد چاہتے ہیں جس میں سجع اور وزن پایا جاتا ہوتا کہ یہ صنف حواس سے غافل ہوکراس میں مشغول ہوجائے اوراس ناقص اتصال کی اسے کسی قدر قدرت حاصل ہو جائے پھراس حرکت میں اس کے دل میں خیالات آنے لگیں اوراس اجنبی کی طرف سے اسے جو بات تقویت دیتی ہے یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جنھیں کاہن زبان سے بولتا ہے کبھی یہ کلمات سچ اور واقعہ کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی سراسر جھوٹ کیونکہ وہ اپنی کمی کو ایسی بات سے پورا کرنا چاہتا ہے جو اس کی ذات سے مختلف اور غیر موافق ہے۔لہٰذا اس کلام پہ صدق اور کذب دونوں وادر ہوتے ہیں اوراس پہ کلی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاہن ظن وتخمین کا سہارا لیتا ہے تا کہ اپنے زعم کے مطابق کوئی بات معلوم کرسکے اور سوال کنندہ کے لیے بات کو خوبصورت بنا سکے اورانھی سجع کہنے والوں کو خاص طور پہ کاہن کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دیگر اصناف سے ارفع ہوتے ہیں۔چنانچہ اسی قسم کے کلام کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا"یہ تو کاہنوں کا سا سجع ہے"ایک دفعہ جب نبی اکرم ﷺ نے عرب کے ایک مشہور کاہن ابن صیاد سے پوچھا کہ بات تم تک کیسے پہنچتی ہے؟ تو ابن صیاد نے جواب دیا سچی بھی آتی ہے اور جھوٹی بھی اس پہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے اس امر میں آمیزش پائی جاتی ہے۔ آنحضرت محمد ﷺ کی مراد یہ تھی کہ نبوت کا خاصہ سچائی ہے اوراس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں پایا جاتا کیونکہ نبوت میں بغیر اس کے کہ وہ کسی اجنبی سے تقویت حاصل کرے یا مدد طلب کرے نبی کی ذات کا اتصال براہ راست ملاء اعلیٰ سے ہوتا ہے۔مگر کہانت اپنی کمزوری کی وجہ سے چونکہ تصوراتِ اجنبیہ سے مدد حاصل کرنے کی محتاج ہوتی ہے لہٰذا یہ اجنبی تصورات اس کے ادراک میں شامل ہو جاتے ہیں اور جس ادراک کی طرف اس کی توجہ مبذول ہوتی ہے اس کے ساتھ ان کا اشتباہ ہونے لگتا ہے لہٰذا دونوں باہم غلط ملط ہوجاتے ہیں اس لیے اس میں جھوٹ داخل ہوجاتا ہے۔بدیں سبب اس کا نبوت ہونا اس لیے بھی محال ہے کہ نبی کے کلام میں صرف سچ ہوتا ہے اوراس میں کسی قسم کی آویزش نہیں ہوتی اور کہانت کے بارے میں بعض

لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبوت کے وقت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو عرب میں معبوث کیا گیا تو آسمانوں کے شیاطین کو انگاروں سے رجم کیا گیا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ نبی ﷺ کے عہد سے کہانت ختم ہو چکی ہے اور شیاطین کو انگاروں سے اس لیے رجم کیا گیا کہ ان کو آسمانوں کی خبروں سے مطلع ہونے سے روک دیا جائے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے اور کاہن صرف شیاطین ہی کے ذریعے آسمانوں کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں لہٰذا اس وقت سے کہانت ختم ہو گئی۔ مگر اس سے کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ بیان گذر چکا ہے کہ جہاں کاہن کا علم شیاطین کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہاں خود ان کی اپنی ذات بھی ملوث ہوتی ہے اور قرآن سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ شیاطین کو آسمان کی خبروں کی ایک نوع سے روک دیا گیا ہے اور یہ نوع وہ ہے جس کا تعلق بعثت کی خبروں کے ساتھ تھا، دیگر قسم کے احوال جاننے سے شیاطین آسمان کو نہیں روکا گیا نیز یہ کہ کہانت صرف نبوت کے آنے پر منقطع ہوئی تھی، ہو سکتا ہے کہ نبوت کے بعد یہ پھر سے اپنی پہلی حالت پہ لوٹ آئی ہو، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ تمام مدرقات بعینہٖ اس طرح نبوت کے زمانے میں بجھ جاتے ہیں جس طرح ستارے اور چراغ سورج کی موجودگی میں بجھ جاتے ہیں کیونکہ نبوت وہ نورِ اعظم ہے جس کے ہوتے ہوئے ہر نور مخفی اور مضمحل ہو جاتا ہے بعض حکماء کا خیال ہے کہ کہانت نبوت سے پہلے موجود ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح ہر نبوت کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ نبوت کے وجود کے لیے ایسی آسمانی وضع کا ہونا ضروری ہے جو اس وجود کی متقاضی ہو اور جب یہ وضع مکمل ہو گی تو نبوت بھی مکمل ہو گی جس پر یہ وضع دلالت کرتی ہے پھر اگر یہ وضع مکمل نہ ہو گی بلکہ ناقص ہو گی تو یہ اسی نوع کی طبیعت کے ایسے وجود کی متقضی ہو گی جسے یہ ناقص ہی چاہتی ہے اور یہی کہانت کا مفہوم ہے۔ لہٰذا بیشتر اس کے کہ یہ کامل وضع پوری ہو ناقص وضع واقع ہو جاتی ہے اور کاہن کے وجود کا تقاضا کرتی ہے خواہ وہ ایک ہو یا متعدد، پھر جب یہ وضع مکمل ہو جاتی ہے تو کامل طور پہ نبی کا وجود بھی اتمام کو پہنچ جاتا ہے اور وہ تمام اوضاع جو اس قسم کی طبیعت پہ دلالت کرتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا نبی کے آنے کے بعد اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ بعض فلکی اوضاع اپنے کسی قدر

نشانات کا تقاضا کرتے ہیں مگر اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وضع اپنی خاص ہیت کی وجہ سے اس اثر کی متقضی ہو اور اگر اس کے بعض اجزا ناقص ہوں گے تو یہ قطعاً کسی چیز کا تقاضا نہ کرے گی یہ نہیں کہ یہ اس اثر کو ناقص طور پہ چاہے گی جیسا کہ بعض حکماء نے بیان کیا ہے۔ مزید براں یہ کہ جب یہ کاہن اسی زمانے میں ہوں گے جس میں نبی ہے تو یہ یقیناً نبی کے وجود سے آشنا ہوں گے اور اس کے معجزات کی دلالت کو بھی جانتے ہوں گے کیونکہ انھیں نبوت کا کسی قدر وجدان حاصل ہوتا ہے۔ بعینہٖ ہی اس طرح جس طرح ہر انسان کو نیند کا وجدان حاصل ہوتا ہے مگر کاہن میں اس نسبت کو سمجھنے کی قوت سونے والے سے زیادہ قوی ہو تی ہے اور اس بات سے جو چیز انھیں مانع آتی ہے اور انھیں نبی کو جھٹلانے کی ترغیب دیتی ہے وہ صرف یہ قوی خواہش ہوتی ہے کہ کاش نبوت کا یہ منصب ان کے لیے ہوتا لہٰذا وہ نبی کی دشمنی پہ اتر آتے ہیں جیسا کہ امیہ ابن ابی صلت کے معاملے میں ہوا کہ وہ ایک مدت تک بزعم خود یہ سمجھتا رہا کہ عرب کی نبوت اسی کو حاصل ہوگی اور ایسا ہی ابن صیاد اور مسلیمہ کذاب وغیرہ کے ساتھ ہوا مگر جب ایمان غالب آ جاتا ہے اور بوسیدہ آرزوئیں جاتی رہتی ہیں تو انسان دین میں پختہ ہو جاتا ہے جیسا کہ طلیحہ اسدیؓ اور سواد بن قاربؓ کا معاملہ ہے کہ انھوں نے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ ان کا ایمان نہایت پختہ ہے اور وہ اپنے ماضی کے توہمات سے تائب ہو چکے ہیں چنانچہ فتوحات اسلامیہ کے سلسلے میں ان لوگوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو ان کے حسن ایمان پہ شاہد ہیں۔

عرافت کا بیان

عرافت کہانت ہی کی ایک شکل ہے جیسا کہ بہت سے اہل علم نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ اصفہانی نے اپنی کتاب "**کتاب الذریعہ**" میں لکھا ہے کہ کہانت آئندہ آنے والے امور کے ساتھ مختص ہے اور عرافت گذشتہ امور کے ساتھ ہے۔ کسی عالم نے عرافت کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ بعض گذشتہ حادثات سے آئندہ آنے والے حادثات پر کسی مناسبت کی وجہ سے یا کسی مخفی مشابہت کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان ہو یا دونوں میں باہمی اختلاط کی وجہ سے یا باہمی ربط کی وجہ سے بایں طور پہ دونوں ایک ہی امر کے مدلول ہوں یا وہ واقعات جو پیش آرہے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے واقعات کی علت ہوں تو اس استدلال کو عرافت کہا جائے گا۔ اس میں مذکورہ بالا باہمی ربط کا مخفی ہونا شرط ہے تاکہ سوائے خاص افراد کے کوئی اور ان امور تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ یہ بات یا تو تجربے سے حاصل ہوتی ہے یا اس حالت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جو فطری طور پر ان میں ودیعت کی گئی ہے اور عربوں کے یہاں عہدِ جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی عرافت کثرت سے پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ہارون الرشید کے عہد میں ایک نابینا

شخص عرافت میں مشہور تھا جس بات کے متعلق اس سے دریافت کیا جاتا وہ اس کا پتہ اس گفتگو سے لگا لیتا جو وہ حاضرین سے کیا کرتا۔ چنانچہ ایک دن جب ہارون رشید کے خزانے سے بعض چیزیں چرالی گئیں تو انھوں نے اس شخص کو طلب کیا اور معاملہ اس کے سامنے رکھا۔ جب وہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پہنچا تو اس وقت دربار میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ کاہن نے لوگوں سے کہا کہ وہ سب چپ رہیں لوگوں نے اس کے حکم پر عمل کیا اور خاموش ہو رہے۔ اس نابینا کاہن نے کان لگائے رکھے مگر اس نے منہ سے کوئی بات نہ کہی پھر وہ اٹھا اور دربار میں بچھی چٹائی پہ ہاتھ پھیرا تو اسے وہاں کھجور کی ایک گٹھلی ملی۔ تب وہ گویا ہوا اور خلیفہ کو مخاطب کیا اور کہا:

کہ تمھارا سوال موتی زبرجد اور یاقوت کے متعلق ہے؟

تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا:

ہاں۔ مگر وہ کہاں ہیں؟

اندھے کنویں میں۔

عراف نے جواب دیا:

چنانچہ خلیفہ نے کہا کہ اندھا کنواں کھودو۔

لوگوں نے اندھے کنویں میں تلاش کیا تو وہاں سے خلیفہ کے خزانے کا گم شدہ مال مل گیا۔

تب خلیفہ نے نابینا کاہن سے پوچھا؟

کہ تم نے کیسے جانا کہ میرا مال اندھے کنویں میں ہے؟

تو اس نے جواب دیا کہ تو جانتا ہے کہ مجھے وہاں سے کھجور کی ایک گٹھلی ملی اور کھجور کے درخت کا اندر کا گودا سفید ہوتا ہے اور وہ موتی کی طرح ہوتی ہے، پھر وہ کچی کھجور بن جاتا ہے اور کچی کھجور کا رنگ سبز ہوتا ہے اور زمرد بھی تو سبز رنگ ہی کا ہوتا ہے۔ پھر وہ تازہ کھجور بن جاتی ہے اور اس کا رنگ سرخی مائل ہوتا اور یاقوت کا رنگ بھی تو سرخ ہوتا ہے۔

اس طرح میں نے جانا کہ تیرے ہاں سے زمرد اور یاقوت کے موتی چوری ہوئے ہیں۔

اور جب تم نے یہ سوال کیا کہ مسروقہ مال کہاں ہے تو میں نے ڈول کی آواز سنی جس سے میں نے جانا کہ وہ

کنویں میں ہے۔

چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کو اس کی فراست اور استدلال بہت پسند آیا اور اس نے اس کو بہت سے مال و دولت سے نوازا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور حکایت ہے کہ ابو معشر اور اس کا ایک ساتھی کسی عراف کے پاس گئے اور انھوں نے اس سے کوئی بات دریافت کی تو عراف نے کہا تم نے مجھ سے ایک قیدی کے متعلق دریافت کر رہے ہو تو ان دونوں نے کہا کہ کیا وہ اس قید سے بھی رہائی پائے گا تو کاہن نے کہا کہ ہاں وہ رہا ہو جائے گا۔ پھر وہ شخص رہا ہو گیا تو ابو معشر نے اس عراف سے پوچھا کہ تم نے کیسے جانا تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا۔ تو اس نے کہا کہ جب تم نے مجھ سے سوال کیا تو اس وقت میری نظر پانی کی ایک مشک پہ پڑی جس میں پانی کو مقید کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے جانا کہ تم کسی قیدی کے بارے میں بات کرو گے اور جب تم نے پوچھا کہ کیا وہ رہا ہو جائے گا تو میں نے دیکھا کہ پانی کی وہ مشق خالی ہو چکی ہے تو میں نے جانا کہ تمہارا قیدی رہا ہو جائے گا۔ علامہ ابن خلدونؒ نے کہانت اور عرافت اور ان کے علوم سے بہت تفصیلی بحث کی جسے شاید ہم کہیں بیان کریں مگر یہاں ہم کچھ تذکرہ ان لوگوں کا کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے اہل عرب میں علم کہانت اور علم عرافت میں شہرت حاصل کی اور عہد جاہلیت میں اس علم سے متعلق لوگوں کی ایک جماعت بہت مقبول تھی اور ان کے علم کے کارنامے زبانِ زدِ عام تھے اور لوگ اپنے معاملات کاہنوں اور عراف کے پاس لے کے جایا کرتے تھے۔ اہل عرب میں علم عرافت اور کہانت سے متعلق بہت سے لوگوں کے احوال مذکور ہیں اور ان کا تذکرہ بہت طویل ہے تاہم ان میں سے چند اہل علم کا حال یہاں درج کیا جاتا ہے تا کہ علم عرافت اور کہانت کی حقیقت کو کسی حد سمجھا جا سکے۔

⊙⊙⊙⊙⊙

سواد بن قارب الدوسی

ایک دن عرب کے پانچ اہل دانش سرداروں نے عرب کے مشہور کاہن سواد بن قارب کے علم کا امتحان لینے کے بارے میں سوچا۔اُن کا تعلق قبیلہ طے سے تھا اور ان میں ایک برج بن مہسر تھا اور یہ معمرین میں سے تھا، دوسرا انیف بن حارثہ بن لام تھا، تیسرا مشہور سخی حاتم طائی کا باپ عبداللہ بن سعد بن الحشرج تھا ،چوتھا عارق نامی ایک شاعر تھا اور پانچواں مرۃ بن عبدرضی تھا۔ان سب لوگوں نے اپنے کجاوے اونٹوں پہ ڈالے اور سوار ہو کے صحرا کی پہنائیوں میں نکل گئے۔جب یہ سب لوگ سراۃ پہاڑ کے قریب پہنچے تو رک گئے اور کہا کہ ہم سواد بن قارب کا امتحان کیسے لیں گے۔چنانچہ انھوں نے باہم مشاورت کی اور یہ طے پایا کہ ان میں سے ہر شخص کوئی نہ کوئی چیز چھپالے اور اپنے ساتھیوں سے بھی اس کا تذکرہ نہ کرے۔

چنانچہ انھوں نے ایسے ہی کیا اور پھر سے سواد بن قارب کی طرف چل دیئے اور جب وہ اپنی منزل پہ پہنچے تو انھوں نے سواد بن قارب کو اونٹ اور حیرہ کے کئی عجائبات بطور تحفہ پیش کیے۔سواد بن قارب نے ان کے لیے خیمہ نسب کرایا اور ان کے لیے اونٹ ذبح کیے اس طرح تین راتیں گذر گئیں۔تب

سواد بن قارب نے ان کو بلایا اور ان سے گفتگو کی۔ برج ان میں سب سے بڑا تھا اس لیے گفتگو کا آغاز اس نے کیا اور عرب کے دستور کے مطابق خوب تمہید باندھی اس نے کہا:

خدا کرے بادل بارش برسائیں اور تمھارے صحن میں فارغ البالی ہو اور تمہیں اس کی وسیع نعمتیں کثرت سے حاصل رہیں۔ پھر اس نے اپنے بارے میں بیان کیا اور کہا کہ ہم بہت خوش بخت لوگ ہیں، باغات اور جاری پانیوں کے مالک ہیں اور بہت سے چوپائیوں کے والی ہیں ہم بادشاہوں کے قرابت دار ہیں اور جنگ کے شہ سوار ہیں اور اس کی مراد بکر بن وائل سے تھی۔

اس کے بعد سواد بن قارب مخاطب ہوا اور عرب کے دستور کے مطابق خوب تمہید باندھی اور کہا:

قسم ہے آسمان اور زمین کی، کثیر پانی اور قلیل پانی کی، قرض اور ہبہ کی، بے شک تم طول طویل ٹیلوں والے ہو، طویل نخلستانوں والے ہو، ٹھوس پتھروں والے ہو، لمبے اجا پہاڑ سے لمبی گردن والے سلمیٰ پہاڑ سے ہو۔

اس پہ عرب بولے: کہ ہاں ہم ایسے ہی ہیں اور ہم گھر سے تمھارے علم کی جانچ کے لیے نکلے ہیں ہم میں سے ہر ایک نے ایک ایک چیز تم سے چھپا رکھی ہے اور اگر تمھارا علم کامل ہے تو تم ضرور اس کو کھوج لوگے؟

تب سواد ان کی طرف متوجہ ہوا اور مسکرایا:

اس نے برج سے کہا:

تم نے مجھے اپنے نام تو نہیں بتائے مگر میں وہ بھی تم کو بتاؤں گا اور تمہاری چھپی ہوئی چیز کو بھی کھوج لوں گا اگر میرا علم کامل ہے۔

تب اس نے کہا:

میں روشنی اور تاریکی، ستاروں اور آسمانوں کی، سورج کے طلوع اور غروب ہونے کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تو نے مرخ درخت کے گابھے میں جوجے کا ناخن پالان کی ایک جانب کے تسمے کے نیچے چھپا رکھا ہے اور تم عربوں کے سردار ہو محتاجوں کی پناہ ہو، لوگوں کے فریادرس ہو، تنگی میں کشادگی عطا کرنے والے ہو اور تمھارا نام برج بن مہسر ہے۔

تب برج بن مہسر اٹھا اور اس نے سواد بن قارب کے ہاتھ چومے اور کہا کہ تُو نے اس بیان میں کوئی غلطی نہیں کی:

اب سواد بن قارب انیف کی طرف متوجہ ہوا:

اور اس سے کہا کہ میرے دوست میں بادل اور مٹی کی، پست اور اونچی زمینوں کی اور کثیر التعداد چوپائیوں کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تو نے ترشے ہوئے ناخن کا ایک ٹکڑا اور تیر کا پر سوکھی ہوئی نہر کی مٹی کے ڈھیلے میں چھپا رکھا ہے اور تو مہمان کی ضیافت کرنے والا، تلوار کو کام میں لانے والا اور موسم سرما کے ساتھ ملا دینے والا ہے اور تیرا نام انیف بن حارثہ ہے کیا میں نے ٹھیک جانا؟

ہاں تم نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی: انیف نے خوشی سے جواب دیا

تب کاہن نے عبداللہ بن سعد کی طرف دیکھا اور کہا:

میں ان اونٹوں کی قسم کھاتا ہوں جو دور چر رہے ہوں اور قریب رہنے والی بھیڑ بکریوں کی سخت اور ہموار زمین پر سوار ہو کر چلنے والے کی اور کوشش سے لڑنے والے کی کہ تو نے ٹہنی کا ایک چھلکا جسے منہ میں چبا کے پھینک دیا جاتا ہے ایک نرم اور پرانے کوڑے کے نرم چمڑے میں چھپا رکھا ہے اور تو سخی سعد کا بیٹا ہے تیرے عطیے بہت ہیں اور تیری جنگ سخت ہوتی ہے اور تیرا ستون طویل ہوتا ہے (یعنی خیمہ اونچا ہوتا ہے) اور تمھارے گھرانے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اور تیرا نام عبداللہ بن سعد ہے۔

اے میرے بزرگ تیرا علم کامل ہے، سعد پکار اٹھا:

اس کے بعد عارق اٹھا اور سواد سے پوچھا؟

بتا میں نے کیا چھپایا ہے؟

سواد نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں زمین اور آسمان کی درمیانی ہوا کی، بہائے ہوئے پانی اور وسیع فضاء کی کہ تو نے سرخی مائل سفید ہرن کے بچے کی کھال کو سرخ چمڑے کے ٹکڑے میں رکھ کر لاغر اور زخمی اونٹ کے ٹاٹ کے نیچے چھپایا ہے اور تیرے اونٹ کی آنکھوں میں زہر کی سرخی ہے، تیرا نام عارق ہے تو زبان کا تیز اور فصیح ہے تیرا دل ذکی اور تیری تلوار کی دھار کاٹنے والی ہے اور تو لوٹ مار کو جائز قرار دینے والا ہے۔

عارق حیران تھا مگر ایک بات اسے پریشان کر رہی تھی کہ اس کا اونٹ تو زخمی نہیں وہ اٹھ کر باہر کی

طرف بھاگا اور خیمے کو چھوڑ دیا۔اس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی مگر اس کا اونٹ اسے دکھائی نہ دیا تو وہ اونٹ کی تلاش میں نکلا اور تھوڑی دیر بعد اس نے اسے پا لیا اور دیکھا کہ اس کا اونٹ لڑکھڑا رہا ہے جیسے وہ زخمی ہو قریب جانے پہ اس نے پایا کہ اس کے اونٹ کو سانپ نے کاٹا ہے اور اس کے زہر کے اثر سے اونٹ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں پھر اس کا اونٹ گرا اور دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

پھر مرہ بن عبد رضی اٹھا اور کاہن سے پوچھا کہ میں کیا چھپا رکھا ہے؟

کاہن گویا ہوا:

میں آسمانوں اور زمینوں کی، برجوں اور انوا کی، تاریکی اور روشنی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے ایک جوں کو بوسیدہ ہڈی میں رکھ کر بالوں کی چھوٹی کنگی کے نیچے چھپا رکھا ہے۔

مرہ نے کہا تو نے کوئی بات غلط نہیں کہی اب یہ بتا کہ میں کون ہوں؟

کاہن نے کہا:

تو مرہ ہے جو حملہ کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے اور پسپا ہونے میں تاخیر اور تو مستحکم قوت کا مالک ہے۔

وہ لوگ سواد بن قارب کے علم سے متحیر تھے اور ان کے انداز میں اس کے لیے تعظیم تھی وہ اس کے آگے بچھے جاتے تھے۔تب ان میں سے ایک نے کہا کہ اے سواد کیا تو جانتا ہے کہ جب ہم تمہاری طرف آرہے تھے تو راستے میں ہم پہ کیا بیتی؟

اس نے کہا ہاں بتا سکتا ہوں:

پھر اس نے تفصیل بیان کرنے سے پیشتر اللہ بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کی اور کہا:

مجھے قسم ہے اس ناظر خدا کی جو ہمیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے ہم اسے نہیں دیکھ سکتے اور جو ہماری مناجات کو پہلے ہی سن لیتا ہے اور جو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کی ہمیں سمجھ نہیں تو اس کے عطا کئے ہوئے علم کی بدولت میں تم کو بتاتا ہوں کہ ایک گھنے درخت کی ٹہنیوں میں سفید دم والا عقاب تمھارے سامنے آیا تھا جو ایک عضو اٹھائے ہوئے تھا مگر تم نہ جان سکے کہ وہ ہاتھ ہے یا پاؤں۔

انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔

مگر اس کے بعد کیا ہوا، انھوں نے سوال کیا؟

تب سواد نے کہا:

سورج طلوع ہونے سے پہلے تمھارے سامنے ایک پانی پر جہاں اونٹوں نے پیشاب کر دیا تھا ایک لمبا بھیڑیا آیا تھا۔

آپ نے درست کہا: ان لوگوں نے تصدیق کی۔

سواد نے کہا کہ تب ایک بکرا جس کے دونوں سینگ ایک دوسرے سے دور تھے پتھریلی زمین کی طرف گیا اور ایک نیلی آنکھوں والے بچے نے اسے تیر مارا جو اسے کندھے اور کہنی کے درمیان لگا۔

انھوں نے کہا تو نے سچ کہا: اس کے بعد وہ اٹھے اور سواد کو اپنے سینے سے لگا کر کہا:

تُو اُن تمام لوگوں میں سے بہتر علم رکھتا ہے جن کو زمین اپنے سینے پہ اٹھائے ہوئے ہے۔ پھر وہ لوگ سواد بن قارب سے رخصت ہوئے۔

راستے میں عارق نے سواد کی شان میں قصیدہ کہا جس کے کچھ شعر یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

اِلاّ لِلّٰہِ عَلمٌ لَا یُجَارَی

اِلَی الغایَاتِ فِی جَنْبِیْ سَوَادِ

سواد کے دونوں پہلوؤں کے درمیان جو علم ہے اس کے کیا کہنے اور منتہائے مقصود کو پہنچنے کے معاملے میں اس کے علم کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اَتَیْنَاہُ نُسَائِلُہ امْتِحَانَا

وَنَحْسبُ اَنْ سَیَعْمُدُ بِالعِنَادِ

ہم امتحان کے طور پہ کچھ باتیں پوچھنے کے لیے اس کے پاس آئے اور ہم یہ خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری مخالفت کا ارادہ کرے گا۔

فَا بْدَیٰ عَنْ خَفِیّ مُخَبَّاَتٍ
فَاَ ضْحٰی سِرُّھَا لِلنَّاسِ بِادِیٰ

اس نے چھپائی ہوئی چیزوں کے راز ظاہر کر دیئے اور ان کا بھید لوگوں پہ ظاہر ہو گیا۔

حُسَامٌ لَا یَلِیْقُ وَلَا یُشَاَ ئِی
عَنِ الْقَصْدِ الْمُیَمِّ وَالسَّدَادَ

وہ ایک تلوار ہے جو کسی کو نہیں چھوڑتی اور نہ ہی اسے اس بات سے جس کا وہ ارادہ کر لے ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی حق بات سے۔

کَاَنَّ خَبِیْنَا لَمَّا انتَجَیْنَا
بِعَیْنَیْہِ یُصَرِّحُ اَوْ یُنَادِیٰ

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم نے آہستہ سے کان میں بات کہی اس وقت ہماری چھپائی ہوئی چیز اس کی آنکھوں کے سامنے تھی اور وضاحت سے بات کہہ رہی تھی یا پکار رہی تھی۔

فَاُقْسِمُ بِالْعَتَائِرِ حَیْثُ فَلْسُ
وَمِنْ نُسُکِ الْاُقَیْصِرِ مِلْعِبَادِ

میں بتوں کے نام پہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کی قسم کھاتا ہوں اس مقام پر جہاں فلس بت ہے اور ان جانوروں کی جنھیں مخلوق اُقیصر بت کے لیے ذبح کرتے ہیں۔

لَقَدُ حُزتَ الكَهَا نَۃَ عَنُ سَطِیُح

وَشِقٍّ والمُرَفِّلِ مِنُ ایَاد

کہا تو نے یقیناً سطیح کی ساری کہانت حاصل کر لی ہے اور شق اور قبیلہ ایاد کے مرفل کی بھی[12*]"۔

بیان کیا گیا کہ سواد بن قارب اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم تھا۔وہ کہانت اور شاعری میں بہت زیادہ شہرت رکھتا تھا۔اور برائی کے کاموں میں زیادہ قدرت رکھتا تھا پھر ایک طویل مدت گذرتی ہے اور یہی سواد بن قارب ہے مگر اس کی زندگی کا یہ منظر اور بھی زیادہ خوبصورت ہے۔

مدینہ میں اسلام کی جڑیں پختہ ہوئے ایک مدت گذر چکی تھی اور یہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی کے صحن میں تشریف فرما ہیں کہ ایک شخص جس کی کہنیوں سے وضو کا پانی گر رہا تھا ان کے پاس سے گذرتا ہے۔

تو اصحابِ رسول ﷺ میں سے ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ سے استفار کرتا ہے کہ امیر المومنین آپ اس شخص کو جانتے ہیں جو ابھی آپ کے پاس سے گذر کر گیا ہے؟

نہیں: میں نے تو اس شخص کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔

صحابہؓ نے جواب دیا؛ یہ سواد بن قارب ہے جو اہل یمن سے تھا۔

اچھا: حضرت عمر فاروق نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔

میں اس شخص کو جانتا ہوں اور اس کے متعلق ان عجیب وغریب باتوں کو بھی جانتا ہوں جو لوگ اس کے متعلق کہتے رہے ہیں مگر میں نے آج ہی اس کو دیکھا ہے۔

چنانچہ سواد بن قاربؓ جب نماز سے فارغ ہوا تو سیدھا حضرت عمر فاروقؓ کی طرف آیا۔حضرت عمر فاروقؓ نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور کہا:

اچھا تو ہے سواد بن قارب:

جی: سواد بن قاربؓ نے جواب دیا:

جس کے جن نے اسے نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا تھا؟

حضرت عمر فاروقؓ نے دوبارہ سوال کیا؟

ہاں میں وہی ہوں اے امیر المومنین: سوادؓ نے کہا

پھر اس نے خلیفۃ المسلمین کے سامنے اس واقعے کی تمام تفصیلات بیان کیں۔

سواد نے بیان کیا کہ:

ایک رات جب میں خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ میرا خادم جن میرے پاس آیا اور اس نے میرے پہلو میں ٹھوکر ماری اور کہا سواد اٹھ:

میں نے کہا مجھے سونے دو:

اس نے دوبارہ میرے پہلو میں ٹھوکر ماری اور کہا:

قارب عقل سے کام لے اور اٹھ کہ لوئ بن غالب میں ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے پھر اس نے یہ شعر پڑھے۔

عَجِبتُ لِلْجِنّ وَ تَطلَا بِهَا

وَشَدِهَا العِيْسَ بِاقْتابِهَا

مجھے جنوں پر اور ان کی تلاش پر تعجب ہوتا ہے اور ان کے پالانوں کے ساتھ اونٹوں کے باندھنے پر۔

تَهوِىْ اِلَىْ مكّةَ تَبْغِىْ الهُدٰى

ماَ صَادِقُ الجِنّ ككَذّا بِهَا

یہ ہدایت کی تلاش میں تیزی سے مکے کو جا رہے ہیں اور سچے جن جھوٹے جنوں کی طرح نہیں ہو سکتے۔

فَارْحَلْ اِلَى الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ
لَيْسَ قُدَامَاهَا كَاذْنَابِهَا

لہٰذا تم کوچ کر کے بنی ہاشم کے چیدہ لوگوں کی طرف چل کہ ان کے اگلے پر یعنی ان کے سردار ان کی دموں یعنی ان کے تابع لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے[13*]''۔

سواد بن قارب نے اس سے کہا: تم مجھے چھوڑ دو کیونکہ مجھے اونگھ آ رہی ہے۔ غرضیکہ اس کے کہنے پر بھی میں نے سر نہ اٹھایا اور وہ چلا گیا۔ پھر اس سے اگلی رات جب میں خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا تو وہ حاضر ہوا اور میرے پہلو میں گذری رات کی طرح ٹھوکر لگائی اور کہا قارب اٹھو! اور میری بات غور سے سنو اور اگر تم میں عقل ہے تو اس سے کام لو اور میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ لوئ بن غالب میں ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے پھر اس نے چند شعر پڑھے۔

عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَ تَخْبَارِهَا
وَشَدِّهَا الْعِيْسَ بِاَكْوَارِهَا

مجھے جنوں اور ان کے بیان پہ تعجب آتا ہے اور پالانوں کے ساتھ ان کے اونٹوں کے باندھنے پر۔

تَهْوِیْ اِلٰی مَکَّۃَ تَبْغِی الْهُدٰی
مَا مُؤْمِنُوْ الْجِنِّ کَکُفَّارِهَا

یہ مکے کی جانب ہدایت کی تلاش میں تیزی سے جا رہے ہیں اور مومن جن کافر جنوں کی طرح نہیں ہیں۔

فَارْحَلْ اِلَی الصَّفْوَۃِ مِنْ هَاشِمٍ
بَیْنَ رَوَابِیْهَا وَ اَحْجَارِهَا

تو کوچ کر اور تیزی سے بنی ہاشم کے چیدہ لوگوں کی طرف چل جو ٹیلوں اور پتھروں کے درمیان رہتے ہیں[14*]‘‘۔

اس رات بھی میں اونگھتا ہی رہا اور میرا مطیع جن چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اب نہیں آئے گا اور میں اس کی طرف سے کچھ فکر مند بھی تھا۔ چنانچہ تیسری رات میں نے احتیاط کی اور خود کو شراب سے دور رکھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا جن مجھے کوئی اہم خبر دے رہا ہے مگر میں نشے کی حالت کی وجہ سے اسے پوری طرح نہ سن سکتا تھا۔ چنانچہ اس رات جب میں ابھی سویا ہی تھا کہ وہ آ گیا اور میرے پہلو میں ٹھوکر ماری میں فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس سے کہا بول کیا کہنا چاہتا ہے۔ میرا جن مجھے یوں ہوش میں دیکھ کر خوش ہو گیا اور کہا بد بخت عقل سے کام لے اگر وہ تجھ میں موجود ہے اور میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ لوئی بن غالب میں ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو لوگوں کو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے تو اٹھ اور بنی ہاشم کے لوگوں سے مل کہ وہ انھیں کے خاندان میں مبعوث ہوا ہے اور میں تو اس پہ ایمان لا چکا ہوں اس کے بعد اس نے یہ شعر

پڑھے۔

عَجِبۡتُ لِلۡجِنِّ وَ تَجۡسا سِهَا
وَ شَدِّهَا العِیۡسَ بِاَ حۡلَا سِهَا

مجھے جنوں اوران کا خبروں کومعلوم کرنے پر تعجب ہوتا ہے نیز اونٹوں کو مع ان کے ٹاٹوں کے باندھنے پر تعجب ہوتا ہے۔

تَهۡوِی اِلی مکَّۃَ تَبۡغِی الهُدٰیۡ
مَا خِیۡرُّوُ الۡجِنَّ کَا نُجَا سِهَا

اور ہدایت کی تلاش میں یہ مکے کی طرف جارہے ہیں اور نیک جن اور پلید جن ایک جیسے نہیں ہوسکتے

فَارۡحَلۡ اِلَی الصَّفوۃِ مِنۡ حَا شِمٍ
وَا سۡمُ بِعَیۡنَیۡکَ اِلیَ رَاسِهَا

لہٰذا تو اٹھ اور کوچ کرکے بنی ہاشم کے چیدہ لوگوں کے پاس جا اور آنکھیں اٹھا کر ان کے سردار کو دیکھ[15*]"۔

سواد کہتا ہے کہ اس کی باتوں سے میں متاثر ہوا کہ اس نے کبھی بھی فضول باتیں نہ کی تھیں۔ بلکہ وہ ہمیشہ سنجیدہ رہنے والا جن تھا۔ چنانچہ جب وہ میرے پاس سے اٹھا تو صبح کا نور نمودار ہونے کو تھا۔ میں نے

اپنے غلام کو اونٹ تیار کرنے کا کہہ دیا تھا جس نے اس پہ کجاوا ڈال دیا تھا۔ میں اٹھا اور میرے دل کو اللہ نے اسلام کے لیے صاف کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے سارا دن سفر کیا اور مدینہ پہنچا تو سورج ڈوب چکا تھا مگر میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ ابھی مسجد ہی میں تشریف فرما تھے میں اپنی اونٹنی سے اترا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا ان کا ہاتھ چوما اور کہا رسول اللہ ﷺ میرا بیان سنیے۔ تو انھوں نے نہایت ملائمت سے کہا سناؤ:

تب میں نے یوں کہنا شروع کیا۔

اَتَانِیْ رَئِیِّیْ بَعْدَ ھَدْءٍ وَرَقْدَۃٍ

وَلَمْ اَكُ فِیْمَا قَدْ بَلَوْتُ بِكَاذِبٍ

میرا خادم جن میرے پاس سکون چھا جانے اور سوتا پڑ جانے کے بعد آیا جس چیز کا میں نے تجربہ کیا ہے اس ضمن میں جھوٹ نہیں بولنے کا۔

ثَلَاثَ لَیَالٍ قَوْلُہٗ كُلَّ لَیْلَۃٍ

اَتَاكَ رَسُوْلٌ مِنْ لُّؤَیِّ بن غَالِبٍ

وہ تین راتیں آتا رہا اور ہر رات یہی کہتا رہا کہ لوئ بن غالب میں سے ایک رسول تمھارے پاس آیا ہے۔

فَشَمَّرْتُ عَنْ ذَیْلِی اِلا زَارَوَسَّطَتْ

بِنَی الدِّعْلِبُ الوَجْنَاءُ بَیْنَ السَّبَاسِبِ

لٰہذا میں نے اس بات کے لیے دامن چن لیا اور ایک تیز رفتار اور مضبوط اونٹنی مجھے لے کر بیابانوں میں گھس گئی۔

فَاشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا شَئِیَ غَیْرُہٗ
وَاَنَّکَ مَامُونٌ عَلَیَ کُلِّ غَائِبِ

لٰہذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی خدا ہے اور کوئی چیز خدا نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ ہر غائب بات پہ معتمد علیہ ہیں۔

وَ اَنَّکَ اَدْنَیٰ الْمُرسَلِیْنَ وَسِیْلَۃً
اِلَی اللّٰہِ یَا ابْنَ الاکرَمِیْنَ الاَطَایِبِ

اور یہ کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے مقابلے میں اللہ تک پہنچنے کا قریب ترین وسیلہ ہیں اے ذی عزت اور پاک لوگوں کی اولاد۔

فَمُرْنَا بِمَا یَاتِیْکَ یَا خَیْرَ مُرسَلٍ
وَاَنْ کَانَ فِیمَا جِئتَ شَیْبُ الذَّوَائِبِ

اے بہترین مرسل: جو احکام اللہ کی طرف سے آپ کے پاس آتے ہیں ان کے متعلق ہمیں حکم دیجیے خواہ ان کی پیروی میں ہمارے بال ہی سفید کیوں نہ ہو جائیں۔

وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَاذُوْ شَفَاعَةٍ
بِمُغْنٍ فَتِيْلًا عَنْ سَوَادِ بْنَ قَارِبٍ

یارسول اللہ: آپ اس دن میرے شفیع ہونا جس دن کوئی اور سفارشی سواد بن قارب کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا[16*]''۔

اوران اشعار کو پڑھتے ہوئے سواد بن قارب ؓ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہورہی تھی کہ ان کو وہ وقت یاد آ گیا جب نبی اکرم ﷺ ان کے درمیان موجود تھے۔مگر آج وہ پردہ فرما چکے تھے اوران کا فراق سب صحابہ پہ بھی بھاری تھا۔صحابہ نے بیان کیا امیر المومنین سمیت کوئی نہ تھا جو سواد بن قارب ؓ کے ان اشعار پہ رویا نہ ہو۔پھر اس نے اپنی داڑھی پہ ہاتھ پھیرا اور کہا کہ جب میں نے اپنا بیان مکمل کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ بہت خوش تھے۔اتنے کہ رسول اللہ ﷺ کی خوشی کے آثار ان کے چہرے پہ ثبت تھے۔راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت عمر فاروق ؓ اٹھے اور سواد بن قارب ؓ کو سینے سے لگایا اوران سے کہا کہ جانے کب سے یہ خواہش میرے سینے میں موجود تھی میں تیرا احوال تیری زبان سے سنوں۔اللہ تیرے تقویٰ میں اضافہ کرے۔اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے سواد بن قارب ؓ سے پوچھا تمہارا وہ جن کیا ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ قرآن اترنے کے بعد نہ مجھے اس کی ضرورت تھی نہ اس کو میری اور اب تو ایک مدت گذر چکی ہے اس سے ملاقات نہیں ہوئی پھر ان جنوں کے عوض میں اللہ کی کتاب میں بہت اچھا عوض موجود ہے اس لیے میں بھی اس کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔

طریفۃ الکاھنہ

طریفۃ اپنے عہد کی مشہور ترین کاہنہ تھی۔ جس کے علم کی انتہا یہ تھی کہ اس نے قوم سبا پہ آنے والے عذاب الٰہی کو اپنے علم کی بنا پہ جان لیا تھا اور اپنے شوہر کو لے کر ملک یمن سے نکل گئی تھی۔ اس نے یمن کے بادشاہ عمرو بن عامر کو یمن کے زوال سے آگاہ کیا تھا اور بند ٹوٹنے کی خبر بھی دی تھی مگر کسی نے اس کی باتوں پہ اعتبار نہ کیا۔ اس لیے کہ صدیوں سے یہ بند اپنے استحکام کی بنا پر ان کی نظروں کے سامنے قائم ودائم تھا اور بظاہر اس کے ٹوٹنے کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔ ملک یمن ایک گنجان آباد اور سرسبز وشاداب علاقہ تھا۔ اس کی مسافت کو طے کرنے کے لیے ایک سوار کو دو ماہ سے زائد کا عرصہ لگتا تھا۔ وہاں کے باشندے ایک دوسرے سے چار ماہ کی مسافت تک آگ لے سکتے تھے۔ طریفۃ الخیر نے اپنے شوہر عامر بن مزیقیاہ کو کہا کہ آج اس نے ایک عجیب بات دیکھی کہ مارب کے بند پہ ایک چھچھوندر بڑے بڑے پتھروں کو یوں کاٹ رہا تھا جیسے وہ پتھر موم کے بنے ہوں۔ چنانچہ میں نے اس چھچھوندر سے بات کی اور اس سے پوچھا یہ تم کیا کر رہے ہو: اس نے جواب دیا کہ مالک کائنات کی طرف سے اسے حکم ملا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد مل کر

اس بند کو کھوکھلا اور کمزور کر دیں۔ چونکہ اِن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا ہے اس لیے میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ بند اب تباہ ہونے کو ہے اور جس قدر جلد ہو ہمیں یہ ملک چھوڑ کے نکل جانا چاہیے۔ مزیقیاہ کو اپنی بیوی کے علم سے کوئی کلام نہ تھا اور وہ اسے بارہا آزما چکا تھا۔

چنانچہ اس نے چاہا کہ قبل اس سے کہ بات پھیل جائے اسے اپنی اموال و جائیداد فروخت کر دینے چاہییں تا کہ وہ آسانی سے یہاں سے نکل جائے اور اس کے لیے اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے شہر کے صاحب عزت لوگوں کو کھانے پہ بلایا اور اپنے بیٹے کو کوئی سخت بات کہہ دی۔ بیٹے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا جس سے مزیقیاہ نے اپنی بہت توہین محسوس کی اور اس نے لوگوں کے سامنے قسم اٹھائی جس سرزمین پہ اس کا اتنا وقار نہ ہو کہ اس کا بیٹا بھی اس کی عزت نہ کرے وہ اس پہ نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ اس وجہ کو جواز بنا کر اس نے اپنی جائیداد اچھے نرخوں پہ فروخت کی اور ملک یمن سے نکل گیا۔ پھر بات نکل گئی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی اس علاقے سے نقل مکانی شروع کر دی وہ لوگ عک کی سرزمین میں پہنچے اور وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ عمرو بن مزیقیاہ اور اس کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ جب ایک مدت گذری تو ان کی پہچان اس طرح کی گئی۔

جو لوگ شام کی طرف نکل گئے تھے یہ جفنہ بن عمرو بن عامر کی اولاد تھے اور غسانی کہلائے، جو یثرب کی طرف نکل گئے تھے وہ اوس و خزرج قبائل کے نام سے تاریخ کے صفحات میں جانے جاتے ہیں وہ دراصل حارثہ بن ثعلبہ بن عامر کی اولاد تھے۔ ازدعمان کو لے کر مالک بن فہم عراق کی طرف نکل گیا جنھیں اعمالقہ کہا گیا۔ عمرو بن مزیقیاہ کے بعد عربوں کا سردار طے بھی یمن کو چھوڑ کر مکہ کی اجا اور سلمیٰ پہاڑیوں پہ قابض ہو گیا جنھیں تاریخ نے بنو خزاعہ کے نام سے یاد رکھا۔ پھر یمن کا سدِ مارب تباہ ہو گیا اور یمن کے سرسبز و شاداب علاقے کی ہیت ہی بدل کے رہ گئی۔ خود قرآن میں مورخین کے اس دعویٰ کی بعینہٖ تصدیق کی گئی ہے اور عرب مورخوں میں سے میدانی اور ابن الکلبی نے یہ بھی بیان کیا ہے اہل یمن جو طریقۃ کاہنہ کے علم کو جانتے تھے ان میں سے جنھوں نے اس کی بات پہ یقین کیا وہ یمن سے نکل آئے تھے۔ اسی کاہنہ کی ہدایت پہ وہ عرب کے مختلف علاقوں پہ متصرف ہوئے تھے۔ بیان کیا گیا کہ جب عمرو بن مزیقیاہ نے یمن کو چھوڑا تو بند ٹوٹنے کے متعلق اس نے اپنے اقربا کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اگلے سات سالوں میں سے کوئی بھی سال بند کی تباہی اور ایک بڑے تباہ کن سیلاب کا سال بن سکتا ہے جس کے بعد یمن کی سر

زمین سے ہریالی اس طرح غائب ہو جائے گی جس طرح گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل یمن کے کئی قبائل عرب علاقوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ عمرو بن مزیقیاہ کی اولاد اجا اور سلمیٰ پہاڑوں کے دامن میں مقیم ہوئی جو دراصل مکہ ہی کی وادی تھی۔ جب انھوں نے اپنے سرسبز وشاداب اور بلند اور سرد علاقوں کو چھوڑ کے عرب کے ویران چٹیل اور گرم میدانوں میں ڈیرے ڈالے تو انھیں وہاں کے شدید بخار نے گھیر لیا جس کے وہ کبھی بھی عادی نہ تھے اور نہ ہی اس بلا کے نام سے واقف تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کاہنہ طریفۃ کی طرف رجوع کیا جو خود بھی عرب کے بخار میں جل رہی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتی اس بلا کو کیا کہا جائے مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ یہ بلا ہم میں جدائی ڈال دے گی۔ چنانچہ تم میں سے جو لوگ مضبوط ارادے اور صحت مند اونٹ کے مالک ہیں ان کو عمان کے بلند محلات کی طرف نکل جانا چاہیے۔

کچھ لوگ اٹھے اور مکہ کی اس چٹیل وادی سے نکل گئے تاریخ نے انھیں ازدعمان کہا۔

پھر اس نے کہا تم میں سے جو لوگ سخت قوت برداشت کے عادی ہوں اور اپنے اوپر جبر کر سکتے ہوں وہ بطن مر کے اندر اراک میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھے اور اپنے اونٹوں پہ کجاوے ڈالنے لگے یہ لوگ بنوخزاعہ کہلائے۔

طریفۃ خاموش رہی حتی کہ جانے والے چلے گئے۔ پھر اس نے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا: تم میں سے جو لوگ دلدل میں مضبوطی سے گڑھے ہوئے پہاڑوں کو چاہتے ہوں ایسے پہاڑ جو قحط سالی میں کھانا کھلائیں تو وہ لوگ یثرب کی طرف نکل جائیں جہاں خوب نخلستان ہیں۔ طریفۃ کی محفل سے کچھ لوگ اٹھے اور یثرب کی طرف نکل گئے۔ یہ اوس وخزرج تھے۔ طریفۃ نے باقی رہ جانے والے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ تم میں سے جو لوگ شراب اور خمیری روٹی کے طالب ہوں اور ملک چاہتے ہوں اور لوگوں کو قیدی بنانے کے خواہاں ہوں مخمل اور ریشم پہننا چاہتے ہوں وہ بصرہ اور غویر کی طرف نکل جائیں۔ کچھ لوگ اٹھے اور اس محفل کو چھوڑ کر اپنی منزل کو نکل گئے۔ چنانچہ شام میں آباد ہونے والے ان لوگوں کو جو آلِ جفنہ تھے غسانی کہا گیا۔ اب طریفۃ باقی رہ جانے والے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان سے کہا کہ تم میں سے جو لوگ باریک کپڑے اصیل گھوڑے ازقوں کے خزانے اور بہایا ہوا خون پسند کرتے ہوں وہ سرزمین عراق کا رخ

کریں۔ کچھ لوگ اٹھے اور نکل کھڑے ہوئے بعد میں ان لوگوں کو آل جذیمہ الابرش کہا گیا اور یہ وہی لوگ تھے جو حیرہ میں آباد ہوئے اور انھی کی اولادوں میں عرب کے نامور بادشاہ پیدا ہوئے جنھوں نے عرب میں بڑی بڑی اور قابل ذکر ریاستیں قائم کیں، جیسا کہ حیرہ اور غسان کی مستحکم ریاستوں کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اور اس بیان سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم عرب معاشرے پہ کہانت کے اثرات کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ صرف ایک عورت اپنے علم کی بنا پر اپنی ملت کو کس طرح عرب کے مختلف خطوں میں تقسیم کرتی ہے اور اس کی بات کو کوئی رد نہیں کرتا۔ چنانچہ عرب کے معاشرے میں کہانت کا اثر ورسوخ ایک امر ظاہر ہے۔ کسی نے طریفتہ سے پوچھا کہ اس کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے تو اس نے کہا کہ میری اولاد تو یہیں رہے گی مگر میرے پاس وقت کم ہے۔ اور اسی شام جب وہ اپنے لوگوں کو عرب کی سرزمین پہ تسلی کے ساتھ پھیلا چکی تو اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ مگر اس کے علم کا بیان باقی رہ گیا۔

شق بن انمار بن نزار

عرب کے اس بہت بڑے کاہن کا نام شق نہ تھا بلکہ یہ اس کی عرفیت تھی جو اس کے جسمانی نقص کی وجہ سے تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شق کس کو کہتے ہیں تو اس کے بارے میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک حیوان کا نام ہے، قزوینی کہتا ہے کہ شق شیطانی مخلوق میں سے ہے جس کی صورت آدھے آدمی کی سی ہوتی ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ شق نسناس اور آدمی سے مل کر بنتے ہیں اور ان میں شیطانیت غالب ہوتی ہے۔ یہ عام طور پہ انسان کو ویران رہگذر پہ سفر کے دوارن ملتے ہیں۔ شق بن انمار جسمانی طور پہ ایک معذور انسان تھا مگر اس کا علم عرب بھر میں شہرت رکھتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا بلند پایہ کاہن تھا۔ انمار کی آنکھ ایک تھی، ہاتھ ایک تھا اور ٹانگ بھی ایک ہی تھی۔ اس لیے وہ عرب میں شق کے نام سے معروف تھا۔ ایک سفر کے دوران علقمہ بن صفوان بن امیہ کی ملاقات شق سے ہوئی۔ اس نے بیان کیا کہ وہ اپنے قافلے سے بچھڑ چکا تھا اور راستے کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا۔ پھر جب دن کا اجالا مٹنے کو تھا تو ایک ویران راہگذر پہ ایک شق نے اس کا راستہ روکا۔ تو عقلمہ بن صفوان نے شق سے کہا اے شق میرا اور تمہارا کیا

واسطہ جا اور اپنی راہ لے ورنہ مجھے اپنی تلوار کی دھار میں کوئی شک نہیں۔ مگر وہ میرا راستہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا اور کہا کہ جو کچھ تمہاری تقدیر میں لکھا ہے آؤ اور اسے حوصلے سے برداشت کرو۔ چنانچہ میں نے اپنی تلوار نکال لی اور شق پہ حملہ آور ہوا۔ مجھے شق سے سخت مقابلے کی توقع تھی مگر وہ تو نہایت بودا ثابت ہوا اور میرے چند وار بھی اس کی برداشت سے باہر تھے۔ چنانچہ میں نے اپنی تلوار سے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے اور اپنی راہ کو چل نکلا۔ میں شق کو قتل کرنے سے خوش تھا اور جلد ہی مجھے اپنے قافلے کے سوار بھی دکھائی دے گئے میں نے ان سے شق کے قتل کے بارے میں بات کی تو کچھ لوگ میری بات کی تصدیق کے لیے میرے ساتھ چل دیئے۔ تاہم جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں شق سے میرا مقابلہ ہوا تھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ تو لوگوں نے میرا مذاق اڑایا اور اسے میرا وہم جانا۔ مگر میں جانتا تھا کہ میں نے ایک شق کو قتل کیا ہے اور زندگی کی آخری سانس تک مجھے اپنے اس خیال پہ بھروسہ تھا۔ مگر لوگوں کا کیا کیا جائے۔

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ عربوں کے ایک بادشاہ مالک بن نصر لخمی نے ایک خوفناک خواب دیکھا۔ جس نے اس کی راتوں کی نینداور دن کا چین چھین لیا۔ وہ ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ تب اس نے اپنی رعیت کے تمام کاہنوں جادوگروں اور منجموں کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے اور اس سے اتنا ڈرا ہوں جو میری برداشت سے باہر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تم اپنا خواب بیان کرو تو ہم تمہیں اس کی تعبیر بتا دیں گے۔ مالک نے ان سے کہا اگر میں اپنا خواب تم کو بتا دوں گا تو تم اس کی جو تعبیر بیان کرو گے اس سے میرا اطمینان نہ ہوگا۔ اس لیے میں ایسے آدمی کا متلاشی ہوں جو خود ہی میرے خواب کو جانے اور خود ہی اس کی تعبیر بیان کرے۔ میں صرف اسی شخص کی تعبیر سے مطمئن ہوں گا جو میرے بتانے سے پہلے ہی میرا خواب بھی بیان کر دے اور اس کی تعبیر بھی۔

بادشاہ کے اس خیال پر لوگوں نے ایک دوسرے سے بات کی اور اس سے کہا:

اے بادشاہ جو تو چاہتا ہے وہ ہمارے بس سے باہر ہے مگر عربوں میں دو لوگ ایسے ہیں جو بادشاہ کے اس مطالبے کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بادشاہ کو اس بات کی خبر صرف سطیح اور شق دے سکتے ہیں جو عرب کے مشہور کاہن ہیں اور ان کا علم معروف ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے سوار عرب کے ان دو آدمیوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور آخر انھیں دربار میں پیش کر دیا گیا۔ پہلے سطیح پہنچا اور اس نے بادشاہ کی

بات غور سے سنی اور مالک بن نصر سے کہا کہ میں اپنے علم کے ذریعے تمھارے خواب اور اس کی تعبیر تک پہنچ گیا ہوں۔ مگر تم کو اس امر کے جاننے سے باز رکھنا چاہتا ہوں کہ کل کی باتیں جان لینے سے آج کا سکون رخصت ہو جاتا ہے۔ آگے تیری مرضی: بادشاہ نے اس سے کہا کہ میں بہت دنوں سے سویا نہیں اور نہ میں نے سکون کا کھانا کھایا ہے اس لیے جب تک تو مجھے ان امور سے آگاہ نہیں کرتا میری زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔

سطیح نے اسے کہا:

اے بادشاہ تو نے خواب میں دیکھا کہ ایک کوئلہ تاریکی سے نکل کر تہامہ کی زمین میں جا پڑا ہے اور اس نے وہاں موجود ہر کھوپڑی والی ہستی کو کھا لیا ہے، بادشاہ سطیح کے اس بیان سے بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ تم نے میرے خواب کو خوب جانا ہے اب جلدی سے اس کی تعبیر بھی بیان کر دے تاکہ میرا کھویا ہوا سکون بحال ہو سکے:

اس کی تعبیر کا بیان تیرے لیے مضر ہے اس لیے کہ جس سکون کی تجھے تلاش ہے وہ اس تعبیر میں نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس خواب کی تعبیر میں تیرے لیے کوئی خیر پوشیدہ ہے اس لیے میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تو اس سے باز رہ:

مگر مالک بن نصر اپنی ضد پہ اڑا رہا جس پہ سطیح نے اس سے کہا:

کہ تیرے اس خواب کی تعبیر یہ ہے: اور اس نے عرب دستور کے مطابق گفتگو سے پہلے اس کی تمہید باندھی: میں اِن تمام کیڑے مکوڑوں کی قسم کھاتا ہوں جو دونوں سیاہ اور پتھریلی زمینوں کے درمیان موجود ہیں کہ اس ملک پہ جس کا تو آج حاکم ہے اس پہ بہت جلد سیاہ حبشی غول درغول اترنے والے ہیں جو ابین اور جرش کے تمام درمیانی علاقوں پہ قابض ہو جائیں گے اور یہاں خوب غارت گری کریں گے۔

اس پہ بادشاہ کا رنگ زرد ہو گیا۔

اور چلا اٹھا تب تو بہت ظلم ہو گا:

میں نے تمھیں پہلے ہی اس امر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی سطیح نے کہا:

مگر تم پہ اس خواب کی تعبیر جاننے کا بھوت سوار تھا:

یہ واقعہ کب ہو گا:

بادشاہ نے سوال کیا؟ تیرے دورِ اقتدار سے کچھ بعد:

کیا تم سالوں میں اس کا اندازہ بتا سکتے ہو: بادشاہ نے دریافت کیا۔

ہاں: سطیح نے جواب دیا:

اب سے ساٹھ یا ستر سال بعد۔

پھر کیا ہوگا: بادشاہ نے سوال کیا؟

اس کے بعد وہ لوگ یہاں سے ذلیل کر کے نکال دیئے جائیں گے۔

سطیح نے کہا:

مگر انھیں کون نکالے گا؟ بادشاہ نے سوال کیا

عربوں کا ایک بادشاہ جو ذی یزن کے گھرانے سے ہوگا اور عدن سے خروج کرے گا۔

وہ ان علاقوں پہ قابض ہو جائیں گے اور یہاں موجود ایک ایک حبشی کو قتل کر دیا جائے گا اور انھیں ذلت سے آشنا کیا جائے گا۔ سطیح نے بادشاہ کو بتایا:

کیا ان کی حکومت ہمیشہ کے لیے ہوگی۔

بادشاہ نے سوال کیا؟

نہیں: سطیح نے جواب دیا

بلکہ اس کو منقطع کر دیا جائے گا:

ان کو کون ختم کرے گا: بادشاہ نے دریافت کیا؟

عرب کا ایک نبی جس کی جلو میں عرب کے اکھڑ اونٹ سوار ہوں گے اور ان کے گھوڑے بجلی کی سی رفتار کے حامل ہوں گے: سطیح نے بیان کیا

یہ کون سی قوم ہوگی: بادشاہ نے سوال کیا؟

عرب سے اہلِ قریش جو غالب بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد سے ہوں گے وہ ایک ایسے نبی پہ ایمان لائے گے جو انھیں کے خاندان (قریش) سے ہوگا جس کے پاس اس کے بلند رب کی طرف سے وحی کی جائے گی اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخر زمانے تک اس علاقے میں حکومت کریں گے۔ سطیح

نے بیان کیا:
اے سطیح کیا زمانہ کبھی ختم بھی ہوگا۔ بادشاہ نے سوال کیا؟
ہاں: سطیح نے جواب دیا
ایک دن آئے گا جب پہلے اور آخر کے سب زمانے کے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور اس دن نیک اور سعادت مند خوش ہوں گے اور بدکار اور بدبخت پریشان۔
بادشاہ سطیح کے علم اور اس کی باتوں سے ششدر تھا اس لیے اس نے پھر اس سے پوچھا؟
اے سطیح تو جو کچھ کہتا ہے کیا یہ سب واقعہ ہونے کو ہے؟
ہاں:
مجھے قسم ہے شفق کی، ابتدائی رات کی تاریکی کی، اور صبح کی جب یہ پورے طور پہ نمودار ہو کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے میرا علم اس پہ شاہد ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا اور جان لے کہ یہ سب کچھ ہونے کو ہے جو میں نے تجھے بیان کیا ہے۔
بادشاہ کی پریشانی اب کچھ بڑھ گئی تھی مگر ابھی عرب کے ایک اور کاہن شق سے اس کی ملاقات باقی تھی ۔مگر وہ ڈرتا تھا کہ اگر شق نے بھی سطیح کی باتوں کی تصدیق کی تو اس کا خوف بڑھ جائے گا۔ چند دن گذرنے پر آخر ایک دن اس نے شق سے ملاقات کرنے کی ٹھانی۔
بادشاہ نے شق کو اپنی پریشانی بتائی۔
شق نے بادشاہ کی توجہ ان امور کی طرف دلائی جن پہ وہ متصرف تھا۔
اس نے کہا: اے بادشاہ میری بات غور سے سن:
آنے والے کل کو جاننے کی خواہش زندگی کے ایام سے سفیدی چھین لیتی ہے اور ہر طرف سیاہ اندھیرا چھا جاتا ہے جس میں انسان کا سکون غارت ہو کے رہ جاتا ہے اور میرے علم نے مجھے بتایا ہے کہ اگر تو اپنے اس ارادے سے باز رہے تو خوشی کے چند دن تیری جھولی میں ڈال دیئے جائیں گے۔آگے تیری مرضی ہے سوچ لے۔
میں بہرصورت اپنے خواب اور اس کی تعبیر کو سننا چاہوں گا۔ بادشاہ نے کہا:

جیسے تیری مرضی۔شق نے جواب دیا:

تو نے دیکھا کہ ایک کوئلہ ہے جو تاریکی سے نکل باغ اور ٹیلے کے درمیان جا پڑا ہے اور اس نے ہر ذی روح کو کھالیا ہے۔

کیا میں نے تمہار خواب بیان کردیا؟شق نے سوال کیا

ہاں: توں نے درست بات کی ہے۔

اب کی تعبیر بیان کر۔

وہ تیرے حق میں مفید نہ ہوگی اسے رہنے دے۔شق نے جواب دیا:

نہیں تو بیان کر: میرے حوصلے جوان ہیں: بادشاہ نے کہا۔

تیری مرضی۔شق نے کہا:

میں ان تمام انسانوں کی قسم کھاتا ہوں جو حرمین کے درمیان بستے ہیں اور ان چوپائیوں کی جو اس کی وادیوں میں گھاس چرتے ہیں کہ ان زمینوں پہ جہاں آج یہ تیرا تخت رکھا ہے سیاہ اندھیرے چھانے والے ہیں جو جنوب سے وارد ہوں گے اور تیری سرزمین کی ہر نازک انگلیوں والی اور لمبے سیاہ بالوں والی پر متصرف ہوجائیں گے۔

اور ان کے سوار ابین سے لے کر نجران تک بے خوف وخطر گھومیں گے۔

شق نے بیان کیا:

بادشاہ چلا اٹھا: اے شق

یہ بات تو ہمیں غصہ دلانے والی اور دردمند کرنے والی ہے۔

یہ واقعہ کب ہوگا۔بادشاہ نے سوال کیا؟

تیرے دور اقتدار سے کچھ بعد۔شق نے کہا:

کیا ان سے نجات ہوگی۔بادشاہ نے سوال کیا؟

ضرور۔شق نے جواب دیا:

ایک عظیم انسان ان حبشیوں کو نکال کر یہاں خود قابض ہوجائے گا۔

وہ کون ہوگا، بادشاہ نے سوال کیا؟

ایک بچہ جو نہ کمینہ ہوگا نہ کمزور طبیعت جو ذی یزن کے گھرانے سے نکلے گا۔

شق نے اس کو بتایا:

کیا اس کی حکومت یہاں ہمیشہ رہے گی۔ بادشاہ نے سوال کیا؟

نہیں۔ بلکہ اس کی بساط بھی لپیٹ دی جائے گی۔

وہ کون ہوں گے؟ بادشاہ نے پوچھا۔

بطحا کی وادی کے چھریرے سوار۔ شق نے بادشاہ کو بتایا:

جو یوم قیامت پر ایمان رکھنے والے اور ایک کتاب کے حامل ہوں گے۔ ان کے وار کی شدت سہی نہ جائے گی وہ ایک رسول مرسل کے پیرو ہوں گے جو اہل دین اور اہل فضل لوگوں میں حق اور عدل لے کے آئیں گے اور یوم الفصل تک انھی لوگوں کی حکومت قائم رہے گی۔

شق نے اپنے بیان کو وسعت دی۔

اور یوم الفصل کیا ہے؟ بادشاہ نے دریافت کیا

جس دن حاکموں کو جزا دی جائے گی، جس دن آسمان سے آوازیں آئیں گی، جسے زندہ اور مردہ دونوں سنیں گے اور پھر ایک مقام پر سب کو جمع کیا جائے گا اس دن متقی لوگوں کو کامیاب قرار دیا جائے گا۔ شق نے کہا:

تب بادشاہ زار و قطار رویا:

تو شق نے اس سے کہا: میں نے تجھے باز رکھنے کی کوشش کی تھی مگر تو نہ مانا

اگر کل کو جانے گا تو کل کا دکھ بھی آج ہی تیری جھولی میں ڈال دیا جائے گا:

پھر کچھ توقف کے بعد شق نے اس سے کہا:

دیکھ بادشاہ میرے علم نے تمھارے کل کو جانا اور اکثر لوگوں کا کل ان کی امیدوں کے برخلاف ہی ہوتا ہے اس لیے تو زیادہ غم نہ کر۔

اور جو تو نے بیان کیا ہے سب ہونے کو ہے؟

بادشاہ نے سوال کیا؟

مجھے قسم ہے آسمان اور زمین کے مالک کی، اور اس کے تمام نشیب وفراز کے مالک کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی کہ جو کچھ میں نے تجھ سے بیان کیا ہے وہ ایک روز ہو کے رہے گا اور تو اس میں شبہ نہ کر کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں نکلتی۔

شق نے کہا:

شق اور سطیح کی باتوں نے بادشاہ کا دل اچاٹ کر دیا تھا اور اس کے خوف میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔اس لیے حبشیوں کے غلبے کے خوف کی بنا پہ اس نے اپنے خاندان کے بہت سے لوگوں کو حیرہ منتقل کر دیا۔یاد رہے کہ بعد میں شق اور سطیح کا یہ بیان اسی طرح پورا ہوا جس طرح کہ انھوں نے بیان کیا تھا اور عہد جہالت میں عربوں کے ہاں علم کہانت نے بہت عروج دیکھا۔مگر علم کے یہ چراغ اسلام کے سورج کی روشنی کا سامنا نہ کر سکے اور آخر کار مٹ گئے۔اس لیے کہ قرآن کے علوم نے عرب کے ان علوم پہ غلبہ پا لیا تھا اور جب عربوں نے حقیقت کو پا لیا تو انھوں نے بھی سایوں کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔اس لیے اسلام آنے کے بعد کہانت بھی عربوں سے رخصت ہو گئی اور کاہن بھی۔

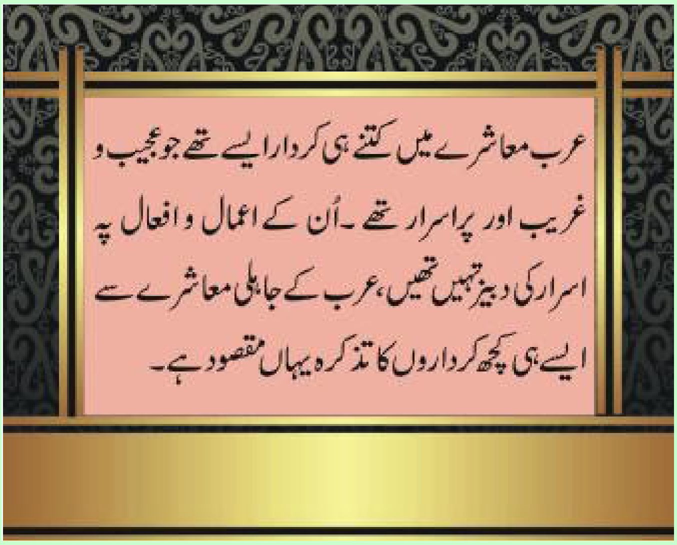

سطیح بھی عربوں کا ایک عجیب وغریب کردار تھا جس کے متعلق ایسی روایتیں ہیں جن کو ماننے سے عقل انکار کرتی ہے۔مگر مورخین نے سچ کے دعویٰ کے ساتھ ان کو بیان کیا ہے اور تاریخ وسیرت کی کتابوں میں بھی اس کے بہت سے حالات مندرج ہیں۔سطیح بھی عرب کا بہت بڑا کاہن تھا اور اس کے علم کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے وقت وہ زندہ تھا۔بیان کیا گیا کہ ہے سطیح کے جسم میں کھوپڑی کی ہڈی کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی اور اس کو کپڑے کی طرح لپیٹ لیا جاتا تھا۔اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا سر نہ تھا اور اس کا منہ اس کے سینے میں تھا اور وہ عربوں کا بہت بڑا کاہن تھا جیسا کہ اس کے علم کا بیان ابھی اوپر مالک بن نصر کے حوالے سے گذرا ہے۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ شق اور سطیح ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے۔دونوں معمرین میں سے تھے۔بہت سے اہل سیر نے لکھا ہے اور بعض نے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب وہ رات آئی جب نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا اور اس کے محل کو نقصان پہنچا اس کے برج اور مینارے گرتے رہے۔

تاہم اہل فارس کو یہ حادثہ بہت ناگوار گذرا مگر ان کی حیرت میں اس وقت اضافہ ہوا جب انھوں نے

جانا کہ ان کی سلطنت کے بہت سے علاقوں میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ چنانچہ یمن کے گورنر نے اپنے بادشاہ کو لکھا کہ اسی رات اس کے علاقے میں موجود ساوہ کی جھیل کا پانی خشک ہو گیا تھا۔ ساوہ کے گورنر نے لکھا کہ سماوہ کی وادی اس رات منقطع ہو گئی تھی۔ طبریہ کے گورنر نے لکھا کہ اس رات بحر طبریہ کا پانی رک گیا تھا اور اپنے بہاؤ کو بھولا رہا۔ پھر فارس کے گورنر نے لکھا کہ اس رات اس کے آتش کدے بجھ گئے تھے جو کئی ہزار برس سے دہک رہے تھے اور کبھی نہ بجھے تھے۔ چنانچہ جب بادشاہ کو ایک تسلسل کے ساتھ اس قسم کے خط وصول ہوئے تو ایک دن اس نے اپنا تخت باہر نکالا اور بڑا دربار سجایا جس میں ملک کے اہل سلطنت اور اہل علم لوگ موجود تھے۔ اس پہ بادشاہ کے موبذان نے کہا کہ میں تمہیں اس بارے میں کیا بتاؤں میں تو خود اس بات سے پریشان ہوں کہ ایک خوفناک خواب نے میرے سر کو پکڑ رکھا ہے اور ہر رات مجھے دکھائی دیتا ہے۔ اہل فارس کے بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ اس نے خواب میں کیا دیکھا ہے تو موبذان جو ان کا مذہبی راہنما ہوتا تھا اس نے بادشاہ کو بتایا کہ اس نے خواب میں اکھڑ اونٹ دیکھے ہیں جو عربی گھوڑوں سمیت دجلہ میں گھسے جا رہے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ ہمارے سارے ملک میں پھیل گئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا تم نے بہت خوفناک خواب دیکھا ہے

کیا تو اس کی تعبیر بیان کرنے پہ قادر ہے۔ بادشاہ نے موبذان سے سوال کیا؟

نہیں: میں نے بہت غور کیا مگر بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

اب کیا کیا جائے: بادشاہ نے موبذان سے سوال کیا؟

آپ حیرہ کے گورنر کو لکھیں کہ وہ اپنے یہاں کا کوئی عالم آپ کے پاس بھیجے کیونکہ ان علاقوں کے لوگ حوادث دہر سے باخبر رہتے ہیں۔

چنانچہ اہل فارس کے سوار حیرہ کے گورنر کی طرف نکلے۔

اور حیرہ سے عبدالمسیح بن بقیلہ الغسانی کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔

شاہ فارس کسریٰ نے اس سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

تو عبدالمسیح نے بادشاہ کو کہا کہ خدا کی قسم: اس کے پاس اس خواب کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ تاہم اگر مجھے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا جائے تو میرا ایک ماموں ہے جس کے پاس ان باتوں

کا علم موجود ہے۔اور اس کا نام سطیح ہے۔بادشاہ نے اس کو فوراً روانہ کردیا مگر عبدالمسیح جب اپنے ماموں کے پاس پہنچا تو وہ بستر مرگ پہ اپنی سانسیں گن رہا تھا اور عبدالمسیح کی پکار نہیں سنتا تھا۔جس پہ عبدالمسیح نے یہ اشعار کہے۔

اِصَمَّ اَمْ یَسْمعُ غِطْرِیْفُ الیَمَنْ
یَا فَاصِلَ الخُطَّۃِ اَعْیَتْ مَنْ وَمَنْ

کیا یمن کا سردار بہرہ ہو گیا ہے کہ سن رہا ہے اے مشکل امور کا فیصلہ کرنے والے ایسے امور جنھوں نے کئی لوگوں کو عاجز کر رکھا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

اَتٰئکَ شَیْخُ الحیّ مِنْ آلِ سَنَنْ
اِبْیَضُ فضفاضُ الرِدَاءِ وَالْبدَنْ

آل سنن میں سے قبیلے کا بوڑھا آدمی تمھارے پاس آیا ہے اور وہ روشن چہرے والا وسیع چادر والا اور مضبوط زرہ والا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

رَسُوْلُ قَیْلِ العجْمِ یَھوِیْ لِلوَثَنْ
لَا یَرْھَبُ الرَّعْدَ وَلَا رَیْبَ الزَّمَنْ

وہ عجمیوں کے اس بادشاہ کا ایلچی ہے جو بتوں کو پوجتا ہے اور نہ رعد سے ڈرتا ہے اور نہ حوادثِ زمانہ سے[17*]"۔

❁❁❁❁❁❁❁

چنانچہ اپنے بھانجے کے ان اشعار نے سطیح کو توانائی بخشی اور اس نے سر اٹھایا اور عبدالمسیح سے کہا۔

اِنْ كَانَ مُلْكُ بَنِى سَاسَانَ اَفْرَطَهُمْ
فَاِنَّ ذَا الدَّهْرَ اَطْوَارًا دَهَارِيْرُ

اگر بنی ساسان کی حکومت نے انھیں سرکش کر دیا ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ زمانہ کئی طور بدلتا ہے اور اس میں کئی گردشیں آتی ہیں

❖❖❖❖❖❖❖❖

مِنْهُمْ بَنُو الصَّرْحِ بَهْرَامٌ وَاِخْوَتُهٗ
وَالْهُرْمُزَانِ وَسَابُوْرٌ وَ سَابُوْرُ

انھیں میں سے محل کی اولاد بہرام اور اس کے بھائی ہیں اور دونوں حرمز ہیں اور سابور اول اور سابور ثانی ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَرُبَّمَا اَصْبَحُوا يَوْمًا بِمَنْزِلَةٍ
تَهَابُ صَوْلَهُمُ الْاُسْدُ الْمَهَاصِيْرُ

کبھی وہ دن تھے کہ ان کی ایسی منزلت تھی کہ ان کے حملے سے شکاری شیر بھی خوف کھاتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حَثُّوا المَطِیَّ وَجدُّوا فِی رِحَالِهِمْ
فَمَا یقُوْمُ لَهُمْ سَرجٌ وَلَا کُورُ

انھوں نے اپنی سواریوں کو تیز چلایا اور اپنی منازل کے حصول کی کوشش کی مگر اب نہ کوئی زین اپنی جگہ ہے نہ پالان۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَالنَّاس اَوْلَادُ عَلَّاتٍ فَمَنْ عَلِمُوا
اَنْ قَد اَقَلَّ فَمَحقُورٌ وَ مهجُورٌ

دنیا میں لوگ سوتیلے بھائیوں کی طرح ہیں لہٰذا جس کے متعلق انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ متاج ہو گیا ہے اسے حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اس سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَالْخَیرُ وَالشَرُّ مَقْرُونَانِ فِی قَرَنٍ
فَا لْخَیرُ مُتَّبَعٌ وَا لشَّرُّ مَحْذُوْرٌ

خیر اور شر دونوں ایک ہی رسی میں جکڑے ہوئے ہیں لوگ خیر کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور شر کو چھوڑ دیتے ہیں[18*]''۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

پھر سطیح نے عبدالمسیح سے بات کی اور کہا:

تو بنی ساسان کے تیز رفتار اونٹ پر بیٹھ کر اس وقت میرے خیمے میں اترا ہے جب میں یہ خیمہ چھوڑنا چاہتا ہوں اور بنی ساسان نے تجھے ایوان کے زلزلے، آگوں کے بجھ جانے اور قاضی کے خواب کی تعبیر جاننے کو بھیجا ہے کہ اس نے عربوں کے اکھڑ اونٹ دیکھے ہیں جوان کے گھوڑوں

سمیت دجلہ میں اتر گئے ہیں۔تو اے عبدالمسیح ان کو جا کے بتا دے کہ جب تلاوت قرآن ظاہر ہو جائے گی تو ایسا ہو کے رہے گا اور وہ ان کو نہ روک سکیں گے ان کو بتا دے کہ صرف چالیس سال ،صرف چالیس سال۔اور اس کے بعد وہ کچھ نہ بول سکا اور مر گیا۔اس کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد عربوں کے اونٹ اور گھوڑے دجلہ میں داخل ہو گئے جو اس کے علم پہ دلیل پیش کرتے ہیں اور سیرت کی کتابوں میں شق اور سطیح کے بارے میں بہت سے واقعات منقول ہیں۔ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ سطیح اور شق سے متعلق جو حقایات معروف ہیں ان میں سے ربیعہ بن مضر کے خواب کی تعبیر اور دیگر جن امور کی انھوں نے خبر دی ان میں ایک یہ ہے کہ حبشی یمن پہ قابض ہو جائیں گے اور ان کے بعد مضر اور یہ کہ قریش میں نبوت ہو گی اور ایرانی سلطنت کی تباہی کی خبر دی۔

عربوں کے اکثر کاہن جو نبی اکرم ﷺ کے وقت یا ان سے کچھ پہلے موجود تھے اس امر سے مطلع تھے کہ وہ بڑی تبدیلیوں کا دور ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر کاہن اس بات کو پہنچ چکے تھے کہ اب کفر کی وہ بساط لپیٹ دی جائے گی جس میں ان کا علم اور کاروبار پھل پھول رہا تھا۔بہت سے کاہنوں نے حق جانتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت صرف اس لیے کی کہ وہ اس امر سے آگاہ تھے کہ نبی کے پاس جو علم آتا ہے وہ ان کے علوم کی ضد ہوا کرتا ہے اور ان کا علم نبی کے علم سے مغلوب ہو جاتا ہے اس لیے انھوں نے لوگوں کی توجہ بھٹکانے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے متعلق ایسا رویہ اختیار کیا جس سے لوگوں میں ابہام پیدا ہو۔اگرچہ انھوں نے کھلے عام بنی اکرم ﷺ کی مخالفت نہیں کی مگر اس طبقے کے بہت ہی کم لوگوں نے ایمان کی اس دعوت کو قبول کیا جس کو لے کر نبی اکرم ﷺ عرب میں معبوث ہوئے تھے۔عرب میں اسلام کے بعد کہانت ختم ہو گئی اس لیے کہ اب لوگوں کے دل اوہام سے دور اور حقیقت سے قریب ہو گئے تھے۔

فاطمه بنت مرا خثعمّیه

فاطمہ بھی اہل عرب کی ایک کاہنہ تھی۔وہ نوجوان غیر شادی شدی اور حسین تھی۔لوگ اس کے پاس اپنے معاملات لے کر آیا کرتے تھے۔اس نے بہت سی کتابیں پڑھ رکھیں تھیں جن میں آسمانی صحائف بھی شامل تھے۔وہ مکہ میں رہا کرتی تھی۔اس کی کہانت کے حوالے سے عربوں میں عجیب وغریب باتیں مشہور تھیں۔ عربوں کے ضرب المثال میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

قَدْ كَانَ ذٰلِكَ مَرَّةً فَالْيَوْمَ لَا

یہ بات کبھی تھی مگر آج نہیں ہے

میدانی کہتا ہے یہ مثل سب سے پہلے فاطمہ بنت مرالخثعمیہ نے کہی تھی۔ایک بار جب عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے ساتھ جارہے تھے اوران کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا نکاح وہب بن عبدمناف کے ہاں کریں تو ان کا گذر عرب کی اس کاہنہ کے گھر کے پاس سے ہوا تو

اس نے حضرت عبداللہ کو اشارہ کیا حضرت عبداللہ اس کے پاس آئے اور اس سے بات کی۔

فاطمہ نے حضرت عبداللہ سے سوال کیا؟

اے نو جوان تو کون ہے؟

میں عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں۔

حضرت عبداللہ نے جواب دیا:

کیا تو مجھ سے ہم آغوش ہونے کی خواہش رکھتا ہے؟

کاہنہ نے حضرت عبداللہ سے سوال کیا؟

حضرت عبداللہ نے کہا: نہیں

اور اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

إِمَّا الحَرَامُ فَالمَمَاتُ دُونَهُ
وَالحِلُّ لَا حِلَّ فَاستَبِينَهُ
فَكَيفَ بِالأَمرِ الَّذِي تَنوِينَهُ

میں مرجاؤں گا مگر حرام کام نہ کروں گا اور حلال تو اس وقت حلال نہیں ہے کہ میں اس کی وضاحت چاہوں لہٰذا تو نے جس بات کا ارادہ کیا ہے وہ کیسے ہو سکتی ہے۔

سن اے نو جوان جلدی نہ کر:

اگر تو مجھے اپنی صحبت سے نواز دے تو میں تجھے سو اونٹ عطا کروں گی۔

فاطمہ نے حضرت عبداللہ سے کہا:

حضرت عبداللہ نے پھر انکار کیا اور اپنے باپ کی طرف چل دیئے۔

حضرت عبدالمطلب نے اسی شام حضرت عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کے ہاں کردیا۔حضرت عبداللہ نے وہ رات اپنی دلہن کے ساتھ گذاری اور اللہ کے فضل سے نورِنبوت حضرت آمنہ کو سونپ دیا۔ان کو حمل رہ گیا اور حضرت عبداللہ ان کے ہاں سے لوٹ آئے۔ پھران کو فاطمہ کی بات یاد آئی اور اس کے سو اونٹ حضرت عبداللہ کو اکساتے تھے۔چنانچہ وہ عرب کی اس کاہنہ فاطمہ کے پاس آئے اور اس سے بات کی۔مگر حضرت عبداللہ نے محسوس کیا کہ فاطمہ نے ان سے سردمہری کا رویہ اختیار کیا ہے تو انھوں نے اس سے کہا۔

کبھی تو میری خواہش مند تھی مگر آج تمہاری بے رخی کچھ اور ہی واقعہ بیان کر رہی ہے۔

تو اس پہ فاطمہ نے ان کو وہ جواب دیا جو اہل لغت کے ہاں مثل بن گیا یعنی۔

قَدْ كَانَ ذٰلِكَ مَرَّةً فَالْيَوْمَ لَا

یہ بات کبھی تھی مگر آج نہیں ہے

اہل عرب اس مثل کو تب استعمال کرتے جب انھیں اپنے کسی جرم پہ ندامت ہوتی اور وہ اس سے توبہ کر لیتے۔اس کے بعد اگر انھیں کوئی پھر اس کام کی طرف بلاتا تو وہ کہتے کہ یہ بات کبھی تھی مگر آج نہیں ہے۔ فاطمہ نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ تم مجھ سے بات کرنے کے بعد کہاں گئے تھے۔تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ وہب بن عبدمناف کے ہاں وہاں ان کی بیٹی آمنہؓ سے میرا نکاح ہوا اور میں نے ان کے ساتھ شب عروسی منائی۔اس پہ فاطمہ نے کہا پہلے جب تم میرے پاس آئے تھے تو میں نے تمھارے ماتھے میں ایک نور دیکھا تھا مگر اب جب کہ تم میرے پاس دوبارہ آئے تو وہ نور تم سے منتقل ہو چکا ہے۔میں نے چاہا تھا کہ اللہ یہ سعادت مجھے عطا کرے مگر اللہ کی مرضی کچھ اور تھی۔

اس لیے اس نے اس نور کو وہاں پہنچا دیا جہاں اس کی مرضی تھی۔

اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

بَنِی ہَاشمٍ قَد غَادَرَت مِنْ اَخِیکم
امَیْنَۃ اِذْ لِلْبَاۃِ یَعْتَلِجَانِ
اے بنی ہاشم آمنہ نے تمھارے ایک فرد سے بچہ لے لیا درآنحالیکہ دونوں عالم شوق میں بے قراری سے ہمکنار تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کَمَا غَادَرَ المصْبَاحَ بَعْدَ خُبُوۃٍ
فَتَائِلُ قَدْ مِیْتَ لہ بِدِھَانِ
اور جس طرح چراغ بجھ جانے کے بعد بتیاں اسے چھوڑ جاتی ہیں جنھیں تیل میں بھگویا گیا ہوتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَمَا کُلُّ مَا نَالَ الفَتیٰ مِنْ نَصِیْبِہٖ
بِحَزْمٍ وَلَا مَا فَاتَہٗ بِتَوَانٖ
اور انسان جو کچھ اپنے نصیبے سے حاصل کرتا ہے وہ اس کی دانشمندی کی وجہ سے نہیں ہوتا اور نہ ہی جو کچھ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اس کی سستی کی وجہ سے نکلتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَاَجْمِلْ اِذَا طَالَبْتَ اَمْرًا فَاِنَّہٗ
سَیَکْفِیْکَہٗ جَدَّانِ یَصْطَرِعَانِ
لہٰذا جب تو کوئی چیز مانگے تو احسن طریقے سے مانگ کیونکہ اس کام کو دو بخت تمہاری طرف سے کریں گے جو باہم کشتی لڑ رہے ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اِنِّیْ رَاَیْتُ مُخِیْلَۃً نَشَاَتْ
فَتَلَاْلَاَتْ بِحَنَاتِمِ الْقَطْرِ
اور میں نے دیکھا کہ ایک بادل اٹھا اور بارش کے سیاہ بادلوں کے درمیان چمکا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

لِلّٰہِ مَا زُھْرِیَّۃٌ سَلَبَتْ
مِنْکَ الَّذِیْ اسْتَلَبَتْ وَمَا تَدْرِیْ
اس چیز کے کیا کہنے جسے تم سے قبیلہ زہرا کی آمنہ نامی عورت نے چھین لیا ہے اور اسے اس کا علم ہی نہیں ہے[19*]"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

یہ بیان مورخین سے ہم تک پہنچا ہے جسے ہم نے ایک راوی کی حیثیت سے تحریر کر دیا ہے، اس لیے کہ راوی کا کام بیان کر دینا ہوتا ہے۔ مگر اس واقعہ کے بارے میں ہم نے کچھ مقامات پہ تفصیل کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ جیسا کہ بادی النظر میں اس واقعہ میں یہ اشتباہ پایا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت مر اخثمیہ نے حضرت عبداللہ کو زنا کی دعوت دی جسے حضرت عبداللہ نے رد کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ

زنا کی دعوت نہ تھی بلکہ نکاح کی دعوت تھی۔اس لیے کہ فاطمہ بنت مراخثمیہ کوئی آوارہ مزاج عورت نہ تھی بلکہ وہ ایک معزز عورت تھی اور بہت سی کتابوں کی عالم تھی جیسا کہ ابتدا میں بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ جس امر کی طالب تھی وہ اس کے علم پہ دلیل ہے۔نور نبوت کی ایک طالبہ سے دعوت زنا کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔دوسری طرف حضرت عبداللہ کی پاک دامنی بھی کسی شک وشبہ سے بالاتر تھی اسی لیے جب وہ دوبارہ فاطمہ بنت مراخثمیہ سے ملے تب انھوں نے بھی اس کو نکاح ہی کی دعوت دی تھی۔یاد رہے کہ عرب میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ کو سو اونٹوں کا بھی کوئی لالچ نہ تھا اس لیے کہ وہ قبیلہ قریش کے سب سے امیر خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے جن کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آتا تو یمن جانے والا قافلہ شہر سے نکل رہا ہوتا۔ان امور کی وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی تا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے آباء کے کردار واخلاق پہ انگلی نہ اٹھا سکے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی غلط فہمی اور لفظی اشتباہ سے محفوظ رکھے۔

آمین۔

علم طب

دنیا کے ہر معاشرے میں علم طب سے واقفیت ایک فطری بات ہے کہ اس علم کے بغیر انسان اپنی بقا پہ قادر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ عربوں کو بھی علم طب میں وافر دستگاہ حاصل تھی ان کے ہاں یہ علم عام طور پہ اس تجربے پہ موقوف تھا جو چند اشخاص تک محدود تھا اور قبیلے کے بڑے بوڑھوں سے وراثتاً ان تک منتقل ہوتا تھا۔ ان کے بعض لوگ جڑی بوٹیوں نباتاتی دواؤں اور مختلف غذاؤں کے ذریعے لوگوں کا علاج کرتے تھے جس سے لوگ صحت مند ہوجاتے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ عرب اطبا کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور لوگوں کو ان کے علم کی بنا پہ بیماری سے شفا حاصل ہوجاتی تھی۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کا یہ علم اور طریق علاج نہ تو کسی طبیعی قانون پہ مبنی تھا اور نہ ہی مزاج کی مطابقت پر۔ آج بھی اہل عرب کے ہاں بادیہ نشین عربوں میں اس قسم کے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو لوگوں کا علاج ان قدیم روایات پہ مبنی طریقے سے کرتے ہیں جو صدیوں ان کے ہاں مروّج رہے ہیں۔ ان کے علم طب کے سلسلے میں ہم تک بہت سی عجیب وغریب باتیں پہنچی ہیں جن کی روایت ان معتبر لوگوں نے کی ہے جنھوں نے اس کا مشاہدہ

کیا تھا۔ وہ آفت زدہ لوگوں اور اپنے زخمیوں کے علاج پہ قدرت رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ تو داغ دے کر ان زخموں کا علاج کرتے جس کی وجہ سے کم سے کم وقت میں ان کے زخم بھر جاتے اور ان کو صحت حاصل ہو جاتی۔ عرب حکماء جہاں انسانوں کی بیماریوں کا وسیع علم رکھتے تھے وہیں وہ اپنے چوپائیوں کی بیماریوں اور ان کے طریق علاج سے بھی واقف تھے۔

انھیں گھوڑے اور اونٹ کے جسم کے متعلق خاص طور پہ وافر معلومات میسر تھیں کہ ان کی زندگی گھوڑے اونٹ اور تلوار کے بنا ادھوری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ماعصر معاشرے جانوروں کو تربیت دینے اور ان کا علاج کرنے کے معاملے میں عربوں سے کوسوں دور تھے اور عربوں کی اس برتری کو عام طور پہ ان کی ہمسایہ ریاستوں میں پذیرائی حاصل تھی۔ عرب لوگ جس معیار کے سوار اور حکیم تھے وہ ان میں معروف تھا۔ عرب معاشرے میں آج کے زمانے کی طرح کی بیماریاں ناپید تھیں جس کی بڑی وجہ ان کا طورِ زیست تھا اور ان کی مشقت اور جانفشانی تھی جو انسان کو صحت مند رکھتی ہے۔

عرب کہتے تھے کہ آبادیوں میں ہوا آلودہ ہو جاتی ہے اس لیے ان کے طرزِ بادیہ نشینی میں ایک طرح کی راحت تھی کہ ان کو صاف اور کھنک دار ہوا دستیاب تھی عرب معاشرت میں لوگ عام طور پہ اپنی غذا میں دودھ اور گوشت کو پسند کرتے اور یہ سادہ غذا ان کو بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھتی۔ ان کی آب و ہوا اگرچہ شدید تھی مگر ان کے جسم نسلوں سے ان شدائد کے عادی تھے اس لیے ان کی قوت برداشت ناقابل بیان حد تک زیادہ تھی۔ ان کے صحرا جھلستے تھے مگر ان کے کارواں محوِ سفر رہتے اور علم طب سے جو کچھ ان متقدین کے پاس تھا اس کو انھوں نے بہت سی کتابوں میں مدون کر دیا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں کے بہت سے طبیب ایسے تھے جو اس علم میں اپنی مہارت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ماسوا اِن طبیبوں کے جو یمن میں اور تبابعہ یمن کے پاس تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد اس قدر ہے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں اور لقمان کا مقام اور مہارت جس کو وہ پہنچا تھا ایک معروف بات ہے مگر طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف ان طبیبوں کا ذکر کریں گے جو اسلام آنے سے تھوڑا عرصہ پہلے مضر اور ان کے پڑسیوں کے یہاں تھے۔

ہم انشاءاللہ ان میں سے چند ایک کا ذکر کریں گے اور ان کے کسی قدر حالات اور ان کے فن کی کچھ باتیں بیان کریں گے اور علم اللہ کا فضل ہے جو بہرحال کسی ایک شخص تک محدود نہیں رہتا۔

عرب کے حکماء اور اطبا کے تذکرے وسیع ہیں، علم طب میں بھی اُن کو بہت سے پہلوؤں سے برتری حاصل تھی اُن کے حکیم نہ صرف اُن کی جسمانی بیماریوں کا علاج کرتے بلکہ اپنی دانش کی وجہ سے اُن کے روحانی عیوب پہ بھی نگاہ رکھتے۔

الحرث بن کلدۃ الثقفی

اہل عرب کے اطباء میں سے جن لوگوں نے شہرت کی بلندیاں حاصل کیں ان میں ایک الحرث بھی تھا۔حرث طائف کا رہنے والا تھا تاہم اس نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا اور علم طب اور علم موسیقی سے آشنائی حاصل کی۔اس نے طب کا علم ہندوستان سے اور موسیقی کا علم ایران سے سیکھا۔اس کے احوال ابن ابی اصیبعہ المتوفی (۶۶۹ھ) نے اپنی کتاب ”**عیون الانباء فی طبقات الاطباء**“ میں تحریر کئے ہیں مگر ہم نے اطبائے عرب کے احوال علامہ آلوسی کی کتاب ”**بلوغ الارب**“ میں پائے ہیں اور اسی سے تحریر کر رہے۔چنانچہ علامہ آلوسی نے الحرث کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ پایا ہے۔الحرث کے علم کا دور دور تک شہرہ تھا اور لوگ اپنے معاملات لے کر اس کے پاس آتے تھے۔چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ایک بار جب وہ مکہ میں تھے اور بیمار تھے تو رسول اللہ ﷺ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ سے بیماری کی کیفیت دریافت کی پھر اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے لیے الحرث بن

کلدہ کو بلاؤ۔ چنانچہ الحرث بن کلدہ کو بلایا گیا اور انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھا اور نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کے کہا کہ اس کو کچھ بھی نہیں اس کے لیے فریقہ تیار کرو یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ فریقہ کھجور اور میتھی کو پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ مشروب پیا اور صحت مند ہو گئے ۔حارث نے بہت سے لوگوں کا علاج کیا اسے عربوں کی عادات اور ان چیزوں کا علم تھا جن کی علاج میں ضرورت پیش آتی ہے۔ علم طب کے متعلق اس کے اقوال عمدہ ہیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ نے الحرث سے بیماری کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ بیماری تو کچھ بھی نہیں بس پرہیز ہے۔ یعنی بیماری دو ہونٹوں اور انسان کی خواہش کی وجہ سے ہے۔ ایک بار جب وہ کسریٰ شاہ فارس کے دربار میں تھا تو اس نے کسریٰ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا میں الحرث بن کلدۃ الثقفی ہوں:

بادشاہ نے کہا تم کون ہو؟

میں ایک بدوی عرب ہوں اور میرا تعلق ان کے افضل گھرانے سے ہے۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا تیرا پیشہ کیا ہے؟

طب: الحرث نے جواب دیا

بادشانے کہا:

عرب اپنی جہالت، ضعف عقل اور بری غذاؤں کی موجودگی میں طبیب کو کیا کریں گے۔

الحرث نے جواب دیا سن اے بادشاہ:

تیرے نزدیک جب عربوں کی صفات یہ ٹھہریں تو انھیں اس شخص کی زیادہ ضرورت ہے جو اُن کی جہالت کی اصلاح کرے، اُن کی کجی کو سیدھا کرے، ان کے بدنوں کی درستگی کی تدبیر کرے، اُن کے جنسی میلان کو اعتدال میں رکھے اس لیے کہ عقلمند تو بذاتِ خود ان امور سے آگاہ ہوتا ہے۔

بادشاہ نے کہا:

جو چیزیں تو ان عربوں کے پاس لاتا ہے یہ انھیں کیسے پہچان لیتے ہیں کہ اگر یہ حلم سے آگاہ ہوتے تو جہالت سے منسوب ہی نہ ہوتے۔

الحرث نے جواب دیا اے بادشاہ:

بچے سے پہلے پیار کی باتیں کی جاتی ہیں پھر اس کا علاج کیا جاتا ہے، سانپ پر پہلے منتر پڑھا جاتا ہے پھر اس کو پکڑا جاتا ہے۔ اسی طرح عقل بھی اللہ کی تقسیم ہے۔ اللہ نے اسے بندوں میں زرق کی طرح تقسیم کر رکھا ہے۔ لہٰذا ہر ایک نے اپنی قسمت حاصل کر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پہ خصوصیت عطا کی ہوتی ہے۔ اس لیے بعض مالدار ہوتے ہیں تو بعض مفلس، بعض جاہل ہیں تو بعض عالم، بعض عاجز ہیں تو بعض طاقتور، بعض بے عقل ہیں تو بعض اہل دانش، بعض بادشاہ ہیں تو بعض فقیر اور ان سب امور میں جاننے والے خدا کا خاص اندازہ ہے جس کی بنا پہ یہ تقسیم عمل میں آئی ہے۔

بادشاہ نے کہا؛ ہمیں تمھارا کلام پسند آیا:

یہ تو بتا تجھے عربوں کی کون سی خصوصیات اچھی لگتی ہیں؟

اے بادشاہ: عرب تو صاحب خصائص ہیں اور ان کی خصوصیات تو گننے میں نہیں آتیں ان کے نفس سخی ہیں، دل جری ہیں، لغت فصیح ہے، زبان بلیغ ہے، نسب درست ہے اور حسب شریف ہے۔ ان کے منہ سے گفتگو اس طرح نکلتی ہے جسے کمان سے تیر، ان کا کلام ربیع کی ہوا سے زیادہ شیریں اور جاری ہے، نفیس پانی سے زیادہ ملائم ہے، یہ بادشاہوں کو پسند کرتے ہیں نہ خود بادشاہ بنتے ہیں، یہ اپنے اوپر کسی کی فضلیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے، قحط سالی میں کھانا کھلاتے ہیں اور ان کی تلوار تیز اور وار شدید ہوتا ہے اور جو اِن کے زیر پناہ آجائے اس کو ذلیل کرنا ممکن نہیں رہتا، یہ زخم دیتے ہیں اور زخم لیتے ہیں، اس لیے خون کے رنگ سے خوف زدہ نہیں ہوتے، وہ عہد کے پکے اور شجاعت میں بے مثل ہیں اور ان کی خوبیوں کے لیے ایک رات کا بیان کافی نہیں:

الحرث نے جواب دیا:

الحرث کے اس بیان پہ کسریٰ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور جو کلام اس نے الحرث کی زبان سے سنا تھا اس کی وجہ سے ریاضت حلم کی تابندگی اس کے چہرے پہ واضح تھی۔ چنانچہ اس نے اہل دربار سے کہا میں نے اس شخص کو ٹھوس پایا ہے یہ اپنی قوم کا مدح خواں ہے اور ان کی فضلیت عمدگی سے بیان کرتا ہے اور جو الفاظ یہ کہہ رہا ہے مجھے سچے معلوم ہوتے ہیں اور حق یہ ہے کہ عقلمند شخص وہی ہوتا جسے

تجربوں نے پختہ کار بنادیا ہو اس کے بعد اس نے الحرث کو مخاطب کیا اور اسے بیٹھ جانے کو کہا جو ایک اعزاز تھا۔

اس کے بعد اس نے الحرث سے پوچھا طب میں تمہاری نظر کہاں تک جاتی ہے یعنی تمھارے علم کا مقام کیا ہے؟

الحرث نے کہا:

طب تو دراصل پرہیز ہے اور پرہیز یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں ہونٹوں کو قابو میں رکھے اور ہاتھوں کے ساتھ نرمی برتے۔

تو نے درست کہا: بادشاہ نے جواب دیا اب یہ بتا کہ بدترین بیماری کیا ہے؟

الحرث نے کہا:

بدترین بیماری یہ ہے کہ انسان کھانے پہ کھانا داخل کرے اور یہی وہ بات ہے جو مخلوق کو فنا کرنے والی ہے چاہے وہ جنگل کے درندے ہی کیوں نہ ہوں۔

وہ کون سا انگارہ ہے جو بیماری کو بڑھاتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا؟

یہ بدہضمی ہے اگر پیٹ میں رہ جائے تو مار ڈالتی ہے اگر حل ہو جائے تو آدمی کو بیمار کر دیتی ہے۔

الحرث نے جواب دیا:

تو سینگنیاں لگوانے کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا؟

سینگنیاں اس وقت لگوانی چاہیے جب چاند ناقص ہو رہا ہو اور اس دن لگوانی چاہییں جب آسمان پہ ابر نہ ہو اور مطلع صاف ہو اور طبیعت اچھی ہو، رگیں ساکن ہوں، جب تجھے خوشی حاصل ہو اور غم تجھ سے دور ہو۔

الحرث نے جواب دیا:

اور تو حمام میں جانے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ بادشاہ نے پوچھا:

سیری کی حالت میں حمام میں نہ جانا، مستی کی حالت میں بیوی سے ہمکنار نہ ہونا، رات کے وقت

برہنہ کھڑا نہ ہونا، غصے کی حالت میں کھانا کھانے کے لیے نہ بیٹھنا ،کم کھانا اس سے نیند اچھی آئے گی،اور اپنی ذات سے نرمی کرنا سختی نہ کرنا۔

الحرث نے جواب دیا:

اور دوا کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ بادشاہ نے دریافت کیا

دوا سے فاصلہ رکھ اس وقت تک جب کہ تو خود کو مجبور تصور نہ کرے کہ دوا اگر ایک بیماری کو درست کرتی ہے تو دوسری عطا بھی کرتی ہے اور اگر دوائی لینی ضروری ہو تو ایسی دوا سے اس کی کاٹ کر جو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اسے روک دے۔ کیونکہ بدن کی مثال زمین کی سی ہے اگر تو اس کی اصلاح کرے گا تو یہ آباد ہو گی اور اگر چھوڑ دے گا تو ویران ہو جائے گی۔

الحرث نے کہا:

تو مجھے کچھ شراب کے متعلق بتا: بادشاہ نے کہا۔

سب سے عمدہ شراب وہ ہے جو خوشگوار ہو سب سے رقیق وہ ہے جو زود ہضم ہو اور شریں ترین وہ ہے جو زیادہ لذیذ ہو اور خالص شراب سے پرہیز کرنا کہ یہ سر میں درد پیدا کرتی ہے اور دیگر ئی بیماریاں بھی۔

الحرث نے جواب دیا:

گوشت کے متعلق تو کیا کہتا ہے: بادشاہ نے کہا

جوان دنبے کا اور سوکھا ہوا نمکین گوشت کھانے والے کے لیے مہلک ہے اونٹنی اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ الحرث نے کہا:

اور میوہ جات کے متعلق تو کیا کہتا ہے۔ بادشاہ نے دریافت کیا:

جب ان کا موسم آرہا ہو تو ان کو کھا اور جب ان کا موسم جا رہا ہو اور پیٹھ پھیر دے تو ان کے کھانے سے رک جا اور بہترین پھل انار اور لیموں ہے اور بہترین خوشبو والا پھول گلاب ہے اور بہترین ترکاری کاسنی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا؟ اور تو پانی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

یہ تو بدن کی حیات کا سبب ہے، اسی سے بدن کا قیام ہے اور جو ضرورت کے مطابق پیا جائے وہ مفید ہے۔ مگر نیند کے بعد کا پینا مضر ہے۔ بہترین پانی وہ ہے جو خوشگوار اور رقیق ہو، جو صاف اور ٹھنڈے خالص پانی کے دریاؤں سے لیا گیا ہو۔ اس میں گھنے جنگلوں اور ٹیلوں کا پانی نہ ملا ہو جو دریاؤں کی ہموار زمین سے اترتا ہو کنکریوں اور بڑے سنگریزوں میں بہتا ہوا بلند زمینوں میں جاتا ہو اس کا ذائقہ حیات بخش ہو اور اس کا رنگ لوگوں میں مشتبہ ہے کہ اسے جس برتن میں ڈالا جائے یہ وہی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

اور انسان کی اصل کیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا؟

اس کی اصل وہی ہے جہاں سے وہ پانی پیتا ہے یعنی اس کا سر۔

الحرث نے جواب دیا:

پھر کسریٰ نے اس سے پوچھا تم بارد اور حار کے متعلق کیا جانتے ہو؟

ہر میٹھی چیز گرم ہے ہر ترش چیز ٹھنڈی ہے، ہر تیز ذائقے والی چیز گرم ہے اور ہر کڑوی چیز معتدل ہے اور کڑوی چیزوں میں گرم بھی ہیں اور سرد بھی۔

الحرث نے کہا:

بادشاہ نے پوچھا کیا تو حقنے کا حکم دیتا ہے؟

ہاں: میں نے حکماء کی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ حقنہ پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماریوں کو اس سے دور کر دیتا ہے اور اس شخص پہ تعجب ہوتا ہے جس نے حقنہ کیا ہو اور پھر وہ بوڑھا ہو جائے یا اس کے یہاں اولاد نہ ہو اور تمام تر جہالت یہ ہے کہ انسان وہ چیز کھائے جس کی مضرت کا اسے علم ہو اور اس چیز کی خواہش کو اپنے بدن کے آرام پہ ترجیح دیتا ہو۔

الحرث نے کہا:

تو پرہیز کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا؟

پرہیز تو میانہ روی ہے کیونکہ مقدار سے زیادہ کھانے سے روح کا میدان تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے روح کے مسام بند ہو جاتے ہیں۔

الحرث نے کہا:

تو عورتوں کے پاس جانے کے بارے کیا کہتا ہے۔بادشاہ نے دریافت کیا؟

تو الحرث نے کہا کہ کثرت ہم آغوشی بری چیز ہے اور سن رسیدہ عورت سے ہم آغوش نہ ہو جوان عورت کا انتخاب کر۔

بادشاہ اہل فارس کسریٰ نے کہا؛

اے بدوی اللہ نے تجھے خوب علم دیا ہے اور تجھے حاضر فہم وذکا سے نوازا ہے۔کسریٰ نے الحرث کو انعام واکرام سے نوازا اور حکم دیا کہ اس عرب کی باتوں کو لکھ کر محفوظ کر لیا جائے۔

الواثق باللہ نے اپنی کتاب "**البستان**" میں لکھا ہے کہ ایک بار الحرث بن کلدہ ایک قوم کے پاس سے گذرا جو دھوپ میں کھڑی تھی۔تو الحرث نے ان کو نصیحت کی کہ لوگو سائے میں ہو جاؤ۔کیونکہ سورج بدن کے کپڑے کو بوسیدہ کرتا ہے اور اس میں بدبو پیدا کرتا ہے،رنگ بدل دیتا ہے اور پوشیدہ بیماری کو برانگیختہ کر دیتا ہے۔

النضر بن الحرث بن کلدۃ الثقفی

النضر عربوں کے مشہور حکیم الحرث کا بیٹا تھا۔جس کا بیان ابھی گذرا ہے۔النضر نبی اکرم ﷺ کی خالہ کا بیٹا تھا اور آپ ﷺ کا بدترین دشمن بھی۔اس نے بھی اپنے باپ کی طرح بہت سے ملکوں کا سفر کیا تھا اور اسے علوم سے بھی دلچسپی تھی۔اس نے مکے اور دیگر مقامات کے علماء اور فضلاء کی صحبت اختیار کر رکھی تھی۔یہودی علماء اور عرب کے کاہنوں سے بھی اس کا میل جول رہا تھا اور اس نے علوم قدیمہ میں مشغول ہو کر جلیل القدر باتیں معلوم کر لی تھیں۔اس نے علوم الفلاسفہ اور حکمت کے اجزا کے متعلق بھی معلومات حاصل کر لیں تھیں اور اپنے باپ سے طب کا علم بھی حاصل کر رکھا تھا۔نضر نبی اکرم ﷺ کی عداوت میں ابوسفیان کا ساتھ دیا کرتا تھا اس لیے کہ یہ ثقفی تھا۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش اور انصار باہم حلیف ہیں اور بنوامیہ اور بنوثقیف باہم حلیف ہیں۔نضر ایک بدبخت آدمی تھا اور رسول ﷺ کو بہت ایذا دیا کرتا تھا۔وہ آپ ﷺ سے حسد کرتا تھا اور آپ ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں کہتا رہتا تھا تا کہ اہل مکہ کے سامنے آپ کی تحقیر کر سکے وہ لوگوں میں اپنے قصے بیان کیا کرتا جس کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اللہ کے کلام کے اثر کو لوگوں سے کم کر سکے وہ اپنی بدبختی کی وجہ سے نہیں جانتا تھا کہ نبوت بہت بڑی چیز ہے اور اس کی سعادت ہر چیز سے زیادہ قدر و قیمت والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے اور وہ امور جو تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں انسان کی تدبیر سے زیادہ پائیدار ہیں۔نضر اپنے خیال میں نبوت کا مقابلہ کر رہا تھا حالانکہ اس کی اوقات اس سے بہت پست تھی۔اس نے اپنے خبث باطن کا جتنا ثبوت مہیا کرنا تھا کیا اور آخر اللہ کی اس بے آواز لاٹھی کا شکار ہوا جس کی وسعت کے کیا کہنے۔بدر کے دن وہ نبی اکرم ﷺ کے

پاؤں میں کسی بے بس کتے کی طرح رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔ بدر کے دن مشرقین کا سالار ابو جہل تھا اور ان کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان تھی۔ ان کے مقابلے میں مسلمان تین سو تیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی مدد کی اور ان کو کفار مکہ پہ فتح عطا کی ان کے بہت سے نامور سردار مارے گئے اور بہت سے قید کر لیے گئے۔ جن میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحرث کلدہ ثقفی بھی شامل تھے۔ بدر کے قیدیوں میں سے بعض تو فدیہ ادا کر کے رہا ہو گئے اور بعض کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے قتل کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے حکم پر عاصم بن ثابتؓ نے عقبہ بن ابی معیط کی گردن اڑا دی پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ہمراہ کوچ کیا اور بدر سے صفرا کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو حکم دیا کہ وہ نضر بن الحرث کی گردن اڑا دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس ملعون کی گردن اڑا دی جس پہ اس کی بہن قتیلہ بنت الحرث نے اس کا نوحہ لکھا۔ جس کو سن کر آپ ﷺ بھی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اگر میری خالہ زاد بہن ذرا جلدی کرتی تو میں شاید اس کو قتل نہ کرتا۔ قتیلہ کے نوحے سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

أَيَارَاكِبًا إِنَّ الأُثَيلَ مَظِنَّةٌ
مِن صُبْحِ خَامِسَةٍ وَأَنْتَ مُوَفَّقُ

اے سوار: ہمارا خیال ہے کہ پانچویں رات کی صبح کو اثیل پہنچ جائیں گے بشرطیکہ خدا تجھے توفیق دے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

بَلِّغْ بِهٖ مَيْتًا فَإِنَّ تَحِيَّةً
مَا إِنْ تَزَالُ بِهَا الرَّكَائِبُ تَخْفُقُ

اور وہاں جو میت ہے اسے میرا اسلام پہنچا دو کیونکہ سواریاں ہمیشہ سلام لے کر ہی حرکت کرتی ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

مِنِّي اِلَيْهِ وَعَبْرَةٌ مَسْفُوْحَةٌ
جَادَتْ لِمَا ئِحِهَا وَاُخرىٰ تُخفِقُ

اور بہائے ہوئے آنسو پہنچا دو ایک آنکھ تو پانی بھرنے والے کے لیے سخاوت کرتی ہے اور دوسری اپنے مقصد میں ناکام رہتی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَلْيَسمَعَنَّ النَّضْرُاِنْ نَا دَيْتَهُ
اِنْ كَانَ يَسْمَعُ مَيِّتٌ اَو يَنْطِقُ

اور اگر تو اسے پکارے گا تو نضر ضرور تیری آواز کو سنے گا بشرطیکہ مردہ بولتا اور سنتا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ظَلَّتْ سُيُوْفُ بَنِى اَبِيْهِ تَنُوْشُهُ
لِلّٰهِ اَرْحَامٌ هُنَا كَ تُمَزَّقُ

اس کے باپ کے بیٹوں کی تلواریں دن بھر اسے نوچتی رہی ہیں ان رشتہ داریوں کے کیا کہنے جو وہاں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

صَبْراً يُقَادُ اِلَى الْمَنِيَّةِ مُتْعَبًا
رَسْفَ الْمُقَيَّدِ وَهُوَعَانٍ مُوْثَقُ

اسے قید کر کے موت کی طرف لے جایا جا رہا تھا حالانکہ وہ تھکا ہوا تھا اور اس طرح آہستہ آہستہ چل رہا تھا جس طرح وہ قیدی چلتا ہے جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اَمُحَمَّدٌ ولاَ نْتَ نَسْلُ نَجِيبَۃٍ
فِیْ قَوْمِهَا وَالفَحْلُ مُعْرِقُ

اے محمد ﷺ: تو یقیناً قوم کی شریف زادی کا بیٹا ہے اور اس شریف زادی کا خاوند ہے جو خود بھی خاندانی تھی۔

مَا کَانَ ضَرَّكَ لَوْ مَنَنْتَ وَرُبَّمَا
مَنَّ الفتٰی وَهُوَالمَغِیْظُ المُحْنِقُ

آپ کا کیا حرج ہوتا اگر آپ احسان کر دیتے کہ بعض اوقات انسان غصے اور کینے سے بھرے ہوئے ہونے کے باوجود احسان کر دیتے ہیں۔

والنَّضْرُ اَقْرَبُ مَنْ اَخَذْتَ بِزَلَّۃٍ
وَ اَحَقُّهُمْ اِنْ کَانَ عِتْقٌ یُعْتَقُ

جن لوگوں کو آپ نے غلطی کی وجہ سے پکڑا ہے ان میں سے نضر سب سے زیادہ قریب تھا کہ آپ اسے پکڑیں اور اگر کسی کو آزاد کیا جانا تھا تو وہ اس کا بھی دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار تھا۔

لَوْ كُنْتَ قَابِلَ فِدْيَةٍ لَفَدَيْتُهُ
بِأَعَزِّ مَا يَفْدِي بِهِ مَنْ يُنْفِقُ

اور اگر آپ فدیہ قبول کرتے تو میں اس کے فدیے میں ہر وہ عزیز ترین چیز پیش کرتی جسے پیش کرنے والا فدیے میں پیش کر سکتا ہے[20*]''۔

علم فراست

اہل عرب عقل و دانش میں پختہ تھے اور فراست اسی عقلی پختگی کا ایک پہلو ہے جس کے ذریعے انسان کی ہیئت شکل رنگ اور اقوال کے ذریعے اس کے فضائل اور رذائل کا پتہ چلایا جاتا ہے۔اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایک ایسی صناعت ہے جو انسان کے اخلاق اور احوال کو جاننے کے لیے شکاری کا کام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں کہا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ۔

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو قیافے سے بات معلوم کر لیتے ہیں“۔

عربوں میں کہا جاتا ہے کہ ” **فَرَسَ السَّبُعُ الشَّاۃَ** “(کہ درندے نے بکری کو شکار کر لیا) اور اسی سے یہ کہا جاتا ہے کہ فراست گویا معرفت کو جھپٹ لینے کا نام ہے۔اہل علم نے فراست کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ان میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو انسان کو اس کے دل و دماغ سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا کوئی

معلوم سبب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ایک قسم کا الہام یا وحی ہوتی ہے جو انسان کو ودیعت کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ''**المُؤمِنُ یَنظُرُ بِنُورِ اللہِ** (کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) اس سے یہی مراد ہے کہ فراست اس عقلی برتری کا نام ہے جس سے انسان اپنے خالق تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور درمیان کی تمام منزلوں میں بھی وہ اسی علم سے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی فراست کو بیان کیا ہے کہ میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بھی اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

''کسی انسان کو یہ حاصل نہیں کہ اللہ اس سے بالمشافہ بات کرے مگر اس طرح کہ اس کی طرف سے وحی بھیجی جائے یا وہ پردے کے پیچھے سے بات کرے یا کوئی قاصد فرشتہ بھیج دے''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور وحی کی ایک خاص قسم وہ ہے جس میں بات دل میں ڈال دی جاتی ہے اور یہ بات صرف انبیاء کا حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔

نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ عَلٰی قَلۡبِکَ۔

(القرآن الحکیم)

کہ روح الامین نے اسے آپ کے دل پہ اتارا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور کبھی ایسا بیداری کے عالم میں بھی ہوتا ہے اور کبھی خواب میں الہام بخش دیا جاتا ہے اسی لیے آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ:

مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءٍ مِنَ النَّبُوَّةِ

اور رویا صادقہ نبوت کے چھیالیس جزوں میں سے ایک جز ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

فراست کی دوسری شکل اکتسابی ہے جو فن اور تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ یہ مختلف رنگوں شکلوں مختلف مزاجوں اخلاق اور طبعی افعال میں امتیاز کرنے کی معرفت کا نام ہے جس شخص کو ان امور کا علم حاصل ہو جائے وہ فراست میں فہم رسا کا مالک ہو جائے گا۔ فراست کی ایک قسم گمان ہے جو عقل کے تابع ہوتی ہے اور جس قدر کسی کی عقل زیادہ کامل ہو گی اسی قدر اس کی فراست پختہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اوروں کے مقابلے میں عربوں کو فراست میں وافر حصہ ملا ہے اور اس سلسلے میں کئی عجیب و غریب واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن میں ایک واقعہ وہ ہے جس کا ذکر امام ماوردیؒ نے اپنی کتاب "**اعلام النبوۃ**" میں کیا ہے۔

کہ عربوں میں پہلا شخص جس نے بزرگی کی بنیاد ڈالی اور عربوں کے نام کو بلند کیا وہ معد بن عدنان تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب بخت نصر نے اسے منتخب کر لیا تھا اور بخت نصر اس وقت کئی ملکوں کا مالک بن چکا تھا۔ پھر اس نے عربوں پہ چڑھائی کی اور معد بن عدنان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس وقت اللہ کے ایک نبی نے بخت نصر کو اس بات سے باز رکھا کہ تم اس امر سے باز آ جاؤ کہ یہ بات تمہاری بساط سے بعید ہے۔ اس پہ بخت نصر حیران ہوا اور کہا کہ میں جو آدھی دنیا کا مالک ہوں ایک چھوٹے سے عرب سردار کو قتل کرنے پہ بھی قادر نہیں۔ تو اس نبی نے اس کو بتایا کہ تم جس عرب سردار کو چاہو قتل کر سکتے ہو مگر معد کو نہیں اس لیے کہ وہ باتیں جو تم نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی پشت سے انبیاء کا سردار اور جلیل القدر رسول جنم لے گا۔ چنانچہ بخت نصر نے معد بن عدنان کی عزت افزائی کی اور اسے تقویت بخشی۔ ازاں بعد معد تہامہ کے علاقے پر اپنی زبردست قوت کی بدولت غالب آ گیا اور انھی

دنوں کی یاد میں عربوں کے مشہور شاعر مہلہل نے کہا کہ:

غَنِيَتْ دَارُنَا تِهَامَةَ بِالأَمْسِ وَفِيهَا بَنُو مَعَدٍّ حُلُولاً

گذشتہ زمانے میں ہمارے گھر تہامہ میں واقع تھے جب کہ وہاں بنو معد نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

پھر کچھ وقت گذرا اور معد کے بیٹے نزار نے عربوں میں قوت وشوکت حاصل کی اور نام کمایا جس کی وجہ سے معد کی قوت بڑھ گئی اس کے ہاتھ پھیل گئے اس کا اثر ورسوخ بڑھ گیا حتیٰ کہ ایرانی حکمرانوں نے بھی انھیں عرب کے حقیقی سردار مان لیا تھا اور نزار کی ایرانی بادشاہ گستاسپ سے خوب بنتی تھی اور وہ نزار کو بہت پسند کرتا تھا اور اسی نزار کے متعلق عربوں کے ایک شاعر قمعہ بن الیاس بن مضر نے کہا۔

جدِيْسًا خَلَفْنَاهُ وطَسْماً بِأَرْضِهِ فَأَكْرِمْ بِنَا عِنْدَ الفِخَارِ فِخَارَا

ہم طسم اور جدیس کی زمینوں میں ان کے جانشیں بنے اور مفاخرت کے وقت ہم کس قدر بزرگ اور فخر والے ہیں۔

فَنَحْنُ بَنُو عَدْنَا نَ خلدان جَدُّنَا
فَسَمَّاهُ تَسْتَشْفُ الهُمَا مُ نِزَارَا

ہم عدنان کی اولاد ہیں خلدان ہمارا دادا ہے اور شاہ ایران گستاسپ نے اس کا نام نزار رکھا تھا۔

فَسُمِّیْ نَزَا راً بَعْدَ مَساکان اِسْمُہٗ
لَدَی العرب خلدانٌ بَنُوہ خِیَا رَا

ازاں بعد کہ عربوں کے یہاں اس کا نام خلدان تھا اور اسے نزار کہا جانے لگا اور اس کے بیٹے نیک تھے[21*]''۔

نزار کے چار بیٹے تھے اور عرب سب انھی کی اولاد ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار، اور جب نزار کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ یہ جو سرخ خیمہ ہے اور جو کچھ اس کے مشابہ ہے مضر کا ہے۔ یہ سیاہ خیمہ اور جو کچھ اس سے مشابہ ہے ربیعہ کا ہے ۔اور یہ خادمہ اور جو کچھ اس کے مشابہ ہے ایاد کا ہے۔ مشورہ گاہ اور مجلس اور جو کچھ اس کے مشابہ ہے انمار کا ہے۔ میرے بعد اگر کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اور تم میں اختلاف پڑ جائے تو تم نجران میں افعی جرہمی کے پاس چلے جانا۔

نزار انتقال کر گیا اور اس کے بیٹے اپنے معاملات طے نہ کر سکے اور ان میں اختلاف پڑ گیا تو انھیں باپ کی نصیحت یاد آئی۔ انھوں نے باہم مشورہ سے نجران کے افعی جرہمی کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور وہ چاروں بھائی افعی جرہمی کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انھوں نے ایک جگہ دیکھا کہ گھاس کو کسی جانور نے کھایا ہے تو مضر نے اپنے بھائیوں کو بتایا کہ جس جانور نے یہ گھاس کھائی ہے وہ کانا ہے۔ ربیعہ نے غور سے گھاس کو دیکھا اور کہا جس اونٹ نے اس گھاس کو چرا ہے وہ لنگڑا ہے اور اس کا سینہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ ایاد نے بھی غور کیا اور بھائیوں سے کہا کہ اس اونٹ کی تو دم بھی کٹی

ہوئی ہے۔انمار نے کہا کہ میں نے جو چیز اس اونٹ کے بارے میں محسوس کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اونٹ بدکا ہوا ہے اور اس کا مالک اسے تلاش کر رہا ہوگا۔ابھی مضر اور اس کے بھائی تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ انھیں ایک آدمی ملا جو اپنی سواری کو تیزی سے لیے جا رہا تھا۔اس نے مضر اور اس کے بھائیوں کو دیکھا تو اپنی سواری کو روک کر ان کی طرف آ گیا اور ان سے پوچھا کہ انھوں نے کوئی بدکا ہوا اونٹ تو نہیں دیکھا۔

مضر نے اس شخص سے دریافت کیا:

کیا تمھارا اونٹ کانا ہے؟

ہاں۔اس شخص نے جواب دیا:

ربیعہ نے کہا کیا تیرا اونٹ لنگڑا ہے؟

ہاں:اس شخص نے جواب دیا:

کیا اس کی دم کٹی ہوئی ہے؟

ایاد نے پوچھا:

ہاں اس شخص نے جواب دیا:

کیا وہ اونٹ بدکا ہوا ہے؟

انمار نے پوچھا؟

ہاں اس شخص نے جواب دیا اور کہا:

تم لوگوں نے یقیناً میرے اونٹ کو دیکھا ہے کیونکہ اللہ کی قسم تم نے اس کی صفات بالکل درست بیان کی ہیں اب بتاؤ کہ میرا اونٹ کہاں ہے؟

تو نزار کے بیٹوں نے اس شخص سے کہا:

کہ ہم نے تمھارے اونٹ کو نہیں دیکھا:

جس پہ وہ شخص حیران رہ گیا اور ان سے کہا مجھے تم لوگوں سے ایسی امید نہ تھی جب تم لوگوں نے اسے دیکھا ہی نہیں تو اس کے بارے میں اتنا کچھ کیوں کر جانتے ہو۔چنانچہ اس شخص نے ان لوگوں کا پیچھا نہ چھوڑا اور انکے ساتھ ہی نجران پہنچ گیا۔یہاں تک کہ وہ افعی جرہمی کے پاس جا اترے۔اونٹ

والے نے افعی جرہمی کو دیکھا تو پکارا کہ تیرے مہمانوں نے میرا اونٹ چرا لیا ہے اور واپس کرنے سے انکاری ہیں۔ جس پہ افعی جرہمی نے نزار کے بیٹوں سے معاملہ دریافت کیا تو انھوں نے افعی جرہمی کو جو جواب دیا وہی اصل میں فراست ہے۔

اور مضر نے افعی سے بیان کیا کہ:

جب ہم نے تیری طرف آنے کا قصد کیا تو راستے میں ہم نے دیکھا کہ کسی جانور نے گھاس کھائی ہے مگر وہ ایک طرف سے کھاتا ہے اور ایک طرف سے چھوڑ دیتا ہے اس طرح میں نے جانا کہ اونٹ کانا ہے:

اور ربیعہ نے بیان کیا کہ:

میں نے دیکھا کہ اس اونٹ کی ایک ٹانگ کا نشان تو گہرا ہے مگر دوسری ٹانگ پہ وہ پورا بوجھ نہیں ڈالتا اس لیے میں نے جانا کہ اونٹ لنگڑا ہے؟

اور ایاد نے بیان کیا کہ:

میں نے دیکھا کہ اس اونٹ کی میگنیاں آپس میں جڑی ہوئی ہیں اور الگ الگ نہیں اس لیے میں نے جانا کہ اونٹ کی دم کٹی ہوئی ہے؟

اور انمار نے بیان کیا کہ:

میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ گھنی گھاس کو منہ مارتا ہے مگر ایک جگہ ٹھہرتا نہیں اور کم گھنی گھاس کی طرف سرک جاتا ہے جس سے میں نے جانا کہ وہ ایک بدکا ہوا اونٹ ہے اور اس کا مالک ضرور اس کی تلاش میں ہوگا۔

نزار کے بیٹوں کی فراست نے اس اونٹ کے مالک اور خود افعی جرہمی کو حیران کر دیا تھا۔ اس لیے افعی نے اس اونٹ کے مالک سے کہا کہ بھائی جاؤ اور اپنے اونٹ کو تلاش کرو ان لوگوں نے تمھارے اونٹ کو نہیں لیا۔

چنانچہ وہ چلا گیا:

اس کے بعد افعی جرہمی نے نزار کے بیٹوں سے سوال کیا کہ تم لوگ کون ہو اور میرا قصد کس لیے کیا ہے؟

تب نزار کے بیٹوں نے اس کے سامنے اپنے معاملے کو رکھا اور اسے بتایا کہ وہ عرب کے مشہور سردار نزار کے بیٹے ہیں اور ان کے باپ نے وصیت کی تھی کہ اگر تم میں نزاع پیدا ہو جائے تو افعی جرہمی کے پاس چلے جانا وہ تمہاری مشکل کا حل کھوج لے گا۔

تب افعی جرہمی نے کہا:

میں نے تمہاری دانش و فراست کا مشاہدہ کیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کسی معاملے میں میری مدد کی ضرورت ہے تاہم میں پھر بھی حاضر ہوں اور ہم تمھارے معاملے کا حل کھوج لیں گے۔

اس کے بعد افعی جرہمی نے ان کے لیے کھانا منگایا اور انھوں نے مل کر کھانا کھایا افعی جرہمی جوان کی فراست پہ ششدر تھا اس نے اپنے ایک غلام کو ان کی نگرانی اور ان کی باتیں سننے کے لیے مقرر کیا۔

چنانچہ نزار کے بیٹے جب کھانا کھا چکے اور شراب پی چکے تو آپس میں گویا ہوئے:

مضر نے کہا:

میں نے آج جیسی عمدہ شراب کبھی نہیں دیکھی نقص صرف یہ ہے کہ اس کی بیل قبر پہ اُگی تھی۔

ربیعہ نے کہا:

میں نے آج تک اتنا عمدہ گوشت نہیں کھایا فرق صرف اتنا ہے کہ جس جانور کا یہ گوشت تھا اس کی پرورش کتے کے دودھ پہ ہوئی تھی۔

ایاد نے کہا:

میں نے افعی جیسا سردار نہیں دیکھا مگر فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی نسبت اپنے باپ کی طرف نہیں کسی اور طرف ہے۔

اور انمار نے کہا:

میں نے آج جیسا مفید کلام نہیں دیکھا جو ہماری حاجت میں ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکے۔

جرہمی کے غلام نے نزار کے بیٹوں کی یہ باتیں سنیں اور اپنے مالک کے کان میں ڈال دیں۔

جرہمی انھیں سن کا آگ بگولا ہو گیا اور اپنی ماں کی طرف بھاگا:

میرا باپ کون ہے اس نے اپنی ماں سے سوال کیا؟

کیا بات ہے کیا کسی نے تجھ کو بہکایا ہے۔اس کی ماں نے سوال کیا؟

کیا میرا باپ وہی ہے جس کے نام سے میں جانا جاتا ہوں؟افعی نے دوبارہ سوال کیا؟

نہیں۔اس کی ماں نے آہستگی سے کہا:

پھر اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ:

میں ایک بادشاہ کی بیوی تھی جس کے ہاں بیویوں اور کنیزوں کی بھرمار تھی۔ بہت سال گذر گئے مگر میرے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دراصل تیرے باپ کے پاس میرے لیے وقت ہی نہ تھا اور مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ حکمرانی کسی اور کی اولاد کو ملے۔ چنانچہ ایک رات جب بادشاہ کے ہاں ایک مہمان ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اسے اپنی ذات پہ قدرت دے دی کہ وہ جو چاہے کرے اس نے میری طرف التفات کیا جس سے حمل رہ گیا اور تو پیدا ہوا جس کی وجہ سے بادشاہ کی موت کے بعد حکومت تیرے ہاتھ آئی ورنہ صورت حال کچھ اور ہوتی۔

افعی جرہمی کے لیے یہ ایک نئی بات تھی اس لیے وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اس کی دوسری سب سے بڑی الجھن یہ تھی کہ اس کے مہمان فراست کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے اور انھوں نے اس کے متعلق جو بات جانی تھی وہ خود بھی اس سے نابلد تھا۔

پھر اس نے اپنے اس غلام کو طلب کیا جو اس کے مہمانوں کے لیے شراب کشید کرتا تھا اور اس سے پوچھا کہ وہ شراب کون سی بیل کی شراب تھی؟

اس نے کہا کہ میں نے تمھارے باپ کی قبر پہ انگور کی ایک بیل لگائی تھی یہ شراب اسی انگور سے کشید کی گئی ہے۔

پھر اس نے اپنے چرواہے کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے مہمانوں کے لیے کونسا جانور ذبح کیا تھا۔اس نے بتایا کہ وہ ایک بکری کا گوشت تھا جب وہ بکری پیدا ہوئی تو اس کی ماں مرگئی اور پورے گلے میں کوئی اور بکری ایسی نہ تھی جس نے بچہ دیا ہو البتہ انھیں دنوں میری کتیا نے بچے دیئے تھے چنانچہ میں نے اس بکری کو کتیا کے دودھ پہ پالا تھا۔

اس کے بعد افعی اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے سوال کیا؟

تم نے کیسے جانا کہ میرے باپ کا نام کچھ اور ہے مگر میں منسوب کسی اور سے ہوں؟

تو ایاد نے اس کا جواب دیا کہ:

میں نے تیرے اکثر کاموں میں تصنع دیکھا تو یہ جانا کہ تیرا باپ وہ نہیں جو تو زمانے کو بتاتا ہے۔

افعی جرہمی نے مضر سے پوچھا؟

کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ شراب کی بیل کسی قبر پہ اُ گی تھی؟

مضر نے کہا کہ شراب پینے کے بعد مجھے شدید پیاس محسوس ہوئی جس سے میں نے یہ جانا کہ یہ کسی قبر کی بیل سے کشید کی گئی ہے۔

اور اس نے ربیعہ سے پوچھا کہ تم نے کیسے جانا کہ بکری نے کتیا کا دودھ پیا تھا۔

ربیعہ نے کہا کہ مجھے اس گوشت سے کتے کی بو آئی تھی۔

افعی جرہمی اب ان خطرناک حد تک ذہین لوگوں سے جان چھڑانا چاہتا تھا جنھوں نے اس کا باپ تک بدل دیا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے وہ بات بتاؤ جس کے لیے تم نے یہاں کا سفر اختیار کیا ہے؟

اور نزار کے بیٹوں نے اپنا معاملہ اس کے سامنے رکھا:

اس پہ افعی جرہمی نے اپنی خداداد فراست سے ان کے تنازع کو حل کر دیا اس نے یہ فیصلہ دیا کہ سرخ خیمہ دینار اور سرخ اونٹ تو مضر کے ہیں چنانچہ بعد میں عربوں کے ہاں مضر کی اولاد نے مضر الحمرا کے نام سے شہرت حاصل کی۔

اور سیاہ خیمہ اور تمام سیاہ اونٹ ربیعہ کے ہیں چنانچہ ربیعہ کی اولاد کو عربوں نے ربیعۃ الفرس کہا ایاد کو وہ جانور دینے کا فیصلہ کیا گیا جن کی ٹانگیں سفید ہوں اور وہ کنزیں اس کو عطا کی گئیں جن کے رنگ سفید ہوں۔

اور انمار کو ان زمینوں کا مالک بنایا گیا جو نزار نے چھوڑی تھیں۔

چنانچہ یہ فراست جو نزار کی اولاد سے ظاہر ہوئی یہ ان کی ذکاوت اور سرعت فہم کی وجہ سے تھی اور یہ اس بات کی تمہید تھی کہ وہ اپنی فضیلت میں ممتاز ہوں اور وافر عقل کے ساتھ مخصوص ہوں اور یہ ان اعزازات کا پیش خیمہ تھا جن کا اللہ نے انھیں عطا کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ان کی فراست اور فہم پہ غور کریں تو وہ معجزے کی حد تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی یہی فراست ان چھپی ہوئی

حقیقتوں تک پہنچنے کا قوی ذریعہ تھی جن کا جاننا ان کے لیے اس لیے ضروری تھا کہ ان کے خاندان کو نبوت عطا کی جانی تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ عرب ہر عجیب بات کے مظہر تھے۔ چنانچہ جب اسلام کا سورج ان کے آنگن میں اترا تو ان کی یہ فراست دو چند ہو کے رہ گئی کہ اس سے قبل تو وہ دنیا اور اس کے حالات کو جانتے تھے مگر اب انھیں منزل کے ہر سنگ میل سے آشنائی حاصل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان کے گل وچمن اور لہلہا اٹھے تھے، ان کا چاند اور روشن اور ان کی زمین اور وسیع ہوگئی تھی۔ ان کی شجاعت دو چند اور ان کی سخاوت سہ چند ہوگئی تھی کہ اب انھوں نے جو اپنی زمین اور آسمان کو دیکھا تو اللہ کے عطا کئے ہوئے اس نور کے ذریعے دیکھا جو نبی اکرم ﷺ پر انھیں کے لیے اتارا گیا تھا۔

اب انھوں نے ودیعت کی گئی بصیرت کی اس روشنی سے غیب کی ان باتوں کو بھی جان لیا جو کل تک ان سے مخفی تھیں اور اہل عرب کی فراست کے بیان میں علامہ ابن قیم اپنی کتاب "**مفتاح دار السعادۃ**" میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی قرشی کو بھی فراست کا وافر حصہ عطا کیا گیا تھا۔ حکایت ہے کہ ایک دن امام شافعی اور امام محمد بن الحسن کہیں جا رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک آدمی گذرا۔ امام شافعی نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ شخص بڑھئی کا کام کرتا ہے مگر امام محمد نے کہا کہ میں تو یہ سمجھا ہوں کہ یہ شخص لوہار ہے اس کے بعد ان دونوں شیوخ نے اس شخص کا پیچھا کیا اور اس سے دریافت کیا کہ تیرا پیشہ کیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا مگر اب لوہار کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔

چنانچہ اہل عرب کی ذکاوت فراست اور فطانت کے کیا کہنے کہ وہ تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیا کرتے تھے اور آج تک عرب بادیہ نشین قبائل میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو آسمان پہ اڑتے بادلوں کو دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ یہ بادل اپنا پانی فلاں جگہ گرا آئے ہیں۔ امام شافعی نے فراست کی ایک اور قسم بھی بیان کی ہے جس میں انسان دوسرے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے یعنی ابتدا میں جب وہ تم سے ملتا ہے تو ملنساری اور مروت کا اظہار کرتا ہے اگر چہ اس کا دامن ان اوصاف سے خالی ہوتا ہے۔

امام شافعی نے بیان کیا ہے کہ مجھے ایک ایسا شخص تب ملا جب میں علم فراست کی کتابوں کی تلاش میں یمن کی طرف گیا تھا کہ راستے میں ایک شب جب مجھے رات پڑی تو میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے صحن میں دوزانو بیٹھا تھا میں نے اپنی سواری اس کے دروازے کے سامنے روکی اور اس سے

پوچھا کہ کیا تمھارے پاس اترنے کو کوئی جگہ ہے اس نے کہا ہاں اتر آؤ۔

میں نے رات کو اسی شخص کے ہاں قیام کیا جس نے میرے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا اس نے مجھے اترنے کی جگہ دی میرے قیام کے لیے اچھا بستر مہیا کیا اور پر تکلف کھانے سے میری تواضع کی میں نے اسے ایک شریف آدمی پایا اور دل میں اس کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف کی۔ چنانچہ اگلی صبح جب میں اس سے روانہ ہونے لگا تو میں نے اس کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا کہ جب کبھی وہ مکہ آئے اور ذی طویٰ سے گذرے تو لوگوں سے محمد بن ادریس الشافعیؒ کے متعلق پوچھ لینا اس پہ اس شخص نے اپنے انداز کو بدلا اور اپنے اصل روپ کو سامنے لایا:

اس شخص نے امام شافعیؒ سے کہا:

کیا میں تمھارا نوکر ہوں؟

نہیں۔امام شافعیؒ نے کہا:

تو پھر رات بھر جو میں نے تیری راحت کا سامان کیا اس کے عوض مجھے اتنے درہم دے دو۔تب میں نے جانا کہ وہ یہ سب درہم و دینار کی خاطر کر رہا تھا اور اس کا اخلاق محض چھوٹا تھا۔فراست کی یہ قسم انتہائی خبیث ہے۔امام شافعیؒ نے کہا کہ اس شخص میں کوئی عیب تھا یعنی کوئی معذوری تھی جسے راوی بھول گیا تاہم اس کو اتنا ضرور یاد رہا کہ امام شافعیؒ کہا کرتے کہ اس شخص سے بچتے رہو جس کے جسم میں کوئی عیب ہو کیونکہ وہ شیطان ہے۔

فراست کی ایک قسم علم الرؤیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام الہامی کتابوں میں اس کی بڑی شان بیان کی ہے۔ہم صرف قرآن پاک سے نظائر پیش کریں گے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ۝

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

''اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا ہے اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون قرار دیا گیا ہے

اسے ہم نے ان لوگوں کے لیے آزمائش بنایا ہے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مزید ارشاد ہوا کہ:

اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا ○

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”اور جب اللہ آپ کو خواب میں انھیں کم دکھا رہے تھے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آگے سورۃ یوسف میں بیان کیا گیا کہ:

یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا ○

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”ابا جان میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے ہیں“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ ○

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اوپر پیش کی گئی ان آیات میں رؤیائے صادقہ بیان کئے گئے ہیں اور علماء نے بیان کیا کہ خواب نفس ناطقہ کا فعل ہے اگر اس کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو انسان میں اس قوت کو پیدا کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ کوئی بے کار کام کرے۔ خواب کی دو قسمیں ہیں ایک اضغاث احلام (یعنی خواب پریشاں) اور دوسری قسم ان خوابوں کی ہے جس میں کسی امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہو اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہ ہو اور خوابوں کی یہ قسم نہایت ہی نایاب ہے۔ کیونکہ عام طور پہ انسان یا تو خواب پریشان کا سامنا کرتا ہے یا پھر وہ ایسے خواب دیکھتا ہے جن کی خود سے تعبیر کرنا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اس لیے تعبیر کنندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان امور میں ماہر ہو جن کی وجہ سے وہ خواب پریشاں اور درست خواب میں امتیاز کر سکے اور اس طرح اس کی رسائی اس امر تک ہوتی ہے جہاں وہ روحانی اور جسمانی باتوں میں امتیاز کر سکے۔

لوگوں کے مختلف طبقات میں فرق کر سکے کیونکہ لوگوں کی ایک قسم تو وہ ہے جن کو صحیح خواب آتے ہی نہیں اور وہ ہمیشہ خواب پریشاں ہی میں الجھے رہتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جن کو صحیح خواب آتے ہیں اور پھر جن لوگوں کو صحیح خواب آتے ہیں ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اس بات کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ خواب میں انھیں عالیٰ مرتبت اور عظیم امور سے آگاہی فراہم کی جائے اور کچھ لوگوں کو بعض امور عطا بھی کئے جاتے ہیں اور ان کی راہنمائی ایسے امور کی طرف کی جاتی ہے جن کی طرف اس سے قبل ان کا خیال نہ گیا ہو اور ان میں سے بعض کو ان صلاحیتوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے جو ان کے اندر موجود ہوتی ہیں مگر وہ ان سے آشنا نہیں ہوتے۔ بیان کیا گیا کہ اس علم میں اس علم کے طالب اور اس علم کے مابین مناسبت کا ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے دانا آدمی بھی اس علم میں مہارت حاصل نہیں کر سکتے اور کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں حکمت اور دیگر علوم میں معمولی سا حصہ ملا ہوتا ہے مگر اس علم میں انھیں عجیب و غریب قوت حاصل ہوتی ہے۔

تعبیر رؤیا میں عربوں سے عجیب و غریب حکایات مروی ہیں یہاں تک کہ مولدین سے بھی مروی ہیں۔ لہٰذا ابن قیم نے "**مفتاح دار السعادۃ**" میں لکھتے ہیں کہ ایک بار خلیفہ مہدی نے ایک خواب دیکھا اور اسے بھول گیا صبح ہوئی تو وہ اس خواب کی وجہ سے غمناک تھا جس پہ اس کے مصاحبین نے خلیفہ کو بتایا کہ ایک آدمی ایسا ہے جو آپ کو اس خواب کی تعبیر بیان کر سکے جس کا نام خویلد تھا۔ جو زجر فال اور تعبیر کے فن

میں مشہور تھا اور اسے اپنے فن میں کافی مہارت تھی۔ چنانچہ جب وہ خلیفہ مہدی کے پاس آیا تو اس نے اپنا ارادہ اس پہ ظاہر کیا۔

خویلد نے خلیفہ سے کہا:

اے امیر المومنین: زجر، فال اور تعبیر کو طلب کرنے والا حرکت کرنے کو ہے۔

یہ سن کر مہدی کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا:

سبحان اللہ: تمہاری لوگوں میں شہرت ہے کہ تم عالم ہو لیکن تم میرے خواب کو نہیں سمجھ سکے اور خلیفہ مہدی نے اپنے ہاتھ اٹھائے ایک ہاتھ منہ پہ پھیرا اور دوسرا ہاتھ ران پہ مارا۔

یہ دیکھ کر خویلد نے کہا: امیر المومنین جلدی نہ کریں ابھی تمھارے خواب کی تعبیر بیان کرتا ہوں۔

بیان کرو: خلیفہ نے خویلد سے کہا:

تو اس نے کہا کہ امیر المومنین: آپ نے خواب دیکھا کہ آپ ایک پہاڑی پہ چڑھے ہیں:

تم نے درست کہا اے جادوگر۔

خویلد نے کہا: اے امیر المومنین میں جادوگر نہیں ہوں بات صرف اتنی ہے کہ جب آپ نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور ہاتھ کو منہ اور سر پہ پھیرا تو میں سمجھا کہ سر کے اوپر تو صرف آسمان ہے لہٰذا میں نے اس کی تاویل یہ کہ تو پہاڑ پہ چڑھا ہے اور جب تم نے اپنا ایک ہاتھ پیشانی پہ پھیرا تو پیشانی کے نیچے آنکھیں ہیں، اس پہ میں نے جانا کہ تم اس پہاڑ سے دو نمکین چشموں کی طرف اترے ہو۔ جب تم نے اپنی ران پہ ہاتھ مارا تو میں نے جانا کہ تمھاری ملاقات کسی ایسے شخص سے ہوئی ہے جو تمھارا رشتے دار ہے۔ خلیفہ مہدی اس کے فن سے متاثر ہوا اور اسے مال و دولت سے نوازا۔ اور لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ جب وہ مجھ سے ملنے آئے تو اسے نہ روکا جائے اور عربوں کے علم اور اعمال محیر العقول ہیں اور ان کا بیان طویل ہے سچ تو یہ ہے کہ اللہ ہی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔

علم رجز و عیافہ

علوم عرب کے مطالعے میں ہم نے جانا کہ ان کے بہت سے علوم تو ایسے ہیں جن کا دوسری دنیاؤں میں کوئی ذکر ہی نہ تھا اور جو خاص عربوں کی بادیہ نشینی کے ساتھ متصل تھے۔ان کے علوم حیرت انگیز مگر پر حکمت تھے جو ان کے درست اعمال پہ دلیل تھے۔اہل عرب اگرچہ متمدن دنیا سے روابط رکھتے تھے مگر انھوں نے اپنے سماج کو ان مستحکم بنیادوں پہ استوار کر رکھا تھا کہ متمدن دنیا کے رسم ورواج ان میں سرایت نہ کر سکے اور وہ انھی خاص علوم کی بنیاد پہ اپنی زندگی گذارتے جو نسل در نسل ان میں چلے آ رہے تھے انھیں اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ لوگ انھیں اجڈ جاہل یا اکھڑ کہتے ہیں بلکہ وہ اپنی روایات اور سماجی نظام پہ نہ صرف یہ کہ مطمئن تھے بلکہ ان پہ فخر بھی کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جدید تہذیب اور علوم سے بے اعتنائی برتی اور اس سے نا آشنا رہے اور دوسرے لوگوں نے ان سے بے اعتنائی برتی اور عربوں کے علوم سے بہرہ مند نہ ہو سکے۔علم زجر اور عیافہ کا شمار بھی انھیں علوم میں کیا جا سکتا ہے جو عربوں سے خاص تھے اور دوسری دنیا کو ان کی کوئی خبر نہ تھی۔علم زجر حیوانات کی آوازوں ان کی حرکتوں اور دیگر احوال کی مدد سے

حوادث پہ استدلال کرنے اور غائب اور آئندہ پیش آنے والی آفات سے آگاہی حاصل کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ کسی پرندے کے سامنے آنے یا کسی جانور کے سامنے آجانے سے اور پھر ان کے غائب ہو جانے کے بعد ان میں غور کرنے سے جو غیب کی باتیں بعض لوگوں پہ ظاہر ہو جاتی ہیں اسے علم زجر و عیافہ کہا جاتا ہے۔

یہ انسانی نفس کی ایک اندرونی طاقت ہے جو ان مرئی اور مسموع چیزوں کے بارے میں جن کو وہ معلوم کرنا چاہتا ہے مشتاق ہونے اور فکر کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ ماہرین زجر کی قوت متخیلہ زبردست ہوتی ہے اور وہ ان چیزوں کی مدد سے جنھیں اس نے دیکھا یا سنا ہو کریدنے اور غور کرنے پہ اکساتی ہے جس سے انسان کسی قدر ادراک حاصل کر لیتا ہے۔ جس طرح کہ نیند میں قوت متخیلہ کرتی ہے کہ جب حواس ساکن ہو جاتے ہیں تو یہ بیداری کے عالم میں محسوس اور مرئی کے درمیان واسطہ بنتی ہے اور ان چیزوں کے ساتھ اسے اکٹھا کرتی ہے جنھیں اس نے سمجھا ہوتا ہے اور اسی سے انسان کو خواب دکھائی دیتے ہیں جن سے بعض اوقات وہ آنے والے واقعات کی درست پیش گوئی کرتا ہے۔ علم زجر چونکہ خاص عربوں کا علم تھا اس لیے عرب ہی اس کو سب سے بہتر جانتے تھے اور اسی پہ ان کے افعال و اعمال کا دارومدار تھا اور یہی ان کی حرکات و سکنات کا قانون تھا اور اس سلسلے میں ان سے ایسے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو عقلمندوں کو حیران کر کے رکھ دیں۔

”مثال کے طور پہ مدائنی نے ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنولہب کے ایک فرد نے کسی کام سے مسافرت اختیار کی اور گھر سے نکلا اور جاننا چاہیے کہ عرب بھر میں قبیلہ بنولہب سب سے زیادہ علم زجر کا جاننے والا تھا۔ قبیلہ لہب کے اس مسافر کے پاس دودھ کی ایک مشک تھی۔ وہ شخص دن کے ابتدائی حصے میں تو چلتا رہا پھر پیاس نے اسے ستایا تو اس نے اپنی سواری روکی اور دودھ پینے کے لیے اپنے اونٹ کو بٹھایا۔ مگر جونہی اس نے مشک پہ ہاتھ رکھا ایک کوا کہیں سے آڑتا ہوا آیا اور اس کے سر پہ آ کے چیخنے لگا۔ یہ شخص علم زجر کا ماہر تھا اور علم زجر کے ایک ماہر کا بیٹا تھا اس لیے وہ جان گیا کہ کسی وجہ سے کوا اسے دودھ پینے سے روکنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ رُک گیا اور اس نے اپنے اونٹ کو اٹھایا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام سے پہلے جب پیاس نے

اسے نڈھال کر دیا تو اس نے اپنے اوپر دیکھا اور کوے کی غیر موجودگی پہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد اپنے اونٹ کو روکا تا کہ وہ دودھ کے چند گھونٹ اپنے خشک ہوتے گلے میں ڈال سکے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی مشک کا منہ کھولتا کوا آ موجود ہوا اور اس کے سر پہ چیخنے لگا وہ اپنے ارادے سے باز آ گیا اور سوار ہو کر پیاسا ہی آگے کو چل دیا۔ پھر جب شام کے سائے ڈھلنے لگے اور تاریکی اپنے پر پھیلانے لگی تو اس مسافر نے ایک بار پھر اپنی سواری کو روکا۔ اور اب اس کا ارادہ یہ تھا کہ کوا چاہے جتنا بھی چیخے اسے بہر حال دودھ پینا ہی ہوگا اور شاید کوے نے بھی اب کی بار اس کے ارادے کی پختگی کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لیے جب اس نے مشک سے دودھ پینے کی کوشش کی تو کوا اس کے سامنے زمین میں لوٹنے پوٹنے لگا جس پہ مسافر ششدر رہ گیا اور اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ اس سے کیا فال لے۔ پھر اسے اپنے باپ کی ایک بات یاد آئی تو اس نے پہلے زمین پہ لوٹتے کوے کو دیکھا اور پھر اپنی دودھ کی مشک کو پھر اس نے اپنی تلوار کو بے نیام کیا اور ایک بھرپور وار اپنی دودھ کی مشک پہ کیا۔ مشک کٹ کے رہ گئی اور اس کا دودھ دور تک بکھر گیا۔ پھر اس کی نظر اس اجنبی چیز پر پڑی جس کو دراصل وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بڑا سانپ تھا جس کو مسافر کی تلوار نے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس نے اپنے علم پہ فخر محسوس کیا اور کوے کی طرف نظر دوڑائی۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا کوا اس کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ جونہی اس کا فرض پورا ہوا اس نے اپنی راہ لی ‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ازاں بعد وہ روانہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک بیری کے درخت پہ ایک کوا تھا جس کو اس نے اڑایا تو وہ سلمہ کے خاردار درخت پہ جا بیٹھا۔ مسافر نے اسے پھر سے آواز دی تو وہ ایک پتھر پہ جا بیٹھا۔ مسافر اس پتھر کے قریب گیا تو اس نے جانا کہ وہاں تو خزانہ دبایا گیا ہے۔ پھر یہ شخص خوشی خوشی اپنے گھر کو لوٹ گیا۔

اس کے باپ نے اس سے پوچھا؟

سفر میں تجھ پہ کیا بیتی؟

بیٹے نے کہا کہ میں دن کا پہلا پہر تو چلتا رہا پھر جب میں نے دودھ پینے کے لیے اپنے اونٹ کو بٹھایا تو ایک کوا میرے سر پہ آ کے کائیں کائیں کرنے لگا۔

باپ نے پکار کے اس سے کہا:

اونٹ کو اٹھا دے ورنہ تو میرا بیٹا نہیں ہے:

بیٹے نے کہا میں نے اسے اٹھا دیا تھا پھر پچھلے پہر جب پیاس سے میری زبان سوکھ رہی تھی تب میں نے دودھ پینے کا ارادہ کیا تو کوا آ گیا اور مٹی میں لوٹنے لگا:

باپ چلایا: مشکیزے پہ تلوار مار ورنہ تو میرا بیٹا نہیں ہے:

میں نے تلوار ماری تھی بیٹے نے کہا:

تو مشک میں کیا تھا۔ باپ نے پوچھا؟

ایک سیاہ کالا ناگ، میری تلوار نے جس کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔

پھر کیا ہوا۔ باپ نے پوچھا؟

پھر میں وہاں سے روانہ ہوا تو میں نے بیری کے درخت پہ کوا بیٹھا دیکھا۔

باپ نے کہا: اسے اڑا سے ورنہ تو میرا بیٹا نہیں ہے۔

بیٹے نے کہا میں نے اسے اڑا دیا تھا اور وہ سلمی کے درخت پہ جا بیٹھا۔

اسے اڑا دے ورنہ تو میرا بیٹا نہیں:

بیٹے نے کہا میں نے اسے اڑا دیا تو وہ ایک پتھر پہ جا بیٹھا تھا۔

تو پتھر کے نیچے سے تجھے کیا ملا؟

باپ نے سوال کیا؟

تو بیٹے نے اپنی جھولی الٹ دی جس میں خزانے کا مال تھا۔

چنانچہ یہ وہ علم تھا جس کو پورے طور پہ سمجھنے کے لیے آج معلومات درکار نہیں مگر تاریخ میں محفوظ اس کے تذکرے سے یہ اندازہ قائم کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ علوم جن کا تعلق خاص

عرب بادیہ نشینوں سے تھا ان میں سے کئی تو اتنے عجیب اور مشکل ہیں کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور انھیں میں علم زجر ہے جس سے ہم بحث کرر ہے ہیں۔متقدمین سے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ عرب جب کوئی پرندہ یا جانور دیکھتے تو فال لینے کے لیے اس کو اڑاتے یا ڈراتے پھر اپنے علم کی بنا پہ اندازہ قائم کرتے اور پھر اس کی پرکھ کرتے یوں اس علم کی بنیاد مستحکم ہوئی اور جب وہ فال لینے کے لیے کسی پرندے کو اڑاتے تو جو اِن کی دائیں جانب کو ہولیتا اس کو وہ ''**سانح**'' کا نام دیتے اور جو اُن کے بائیں جانب سے نکلے اس کو ''**بارح**'' کہا جاتا اور جو سامنے سے آتا اسے ''**ناطح**'' اور جو پیچھے سے آتا اس کو ''**قعید**'' کہا جاتا۔اور عربوں میں مختلف قبائل اور علاقوں میں سانح اور بارح کے مطالب بدل جاتے بلکہ کہیں کہیں تو الٹ بھی ہو جاتے کہ عرب کے بعض قبائل سانح کو مبارک خیال کرتے تو کچھ دوسرے قبائل اس کو منحوس کہتے۔ابن الاثیر نے اپنی کتاب ''**النہایہ**'' میں لکھا ہے کہ پرندوں کو اڑانا یہ ہے کہ ان سے برکت یا نحوست کا شگون لیا جائے اور ان کے اڑنے سے فال لی جائے مثلاً سانح اور بارح اور یہ بھی کہانت اور عیافت کی ایک قسم ہے۔مگر میں کہتا ہوں کہ زجر کہانت کی قسم نہیں ہے بلکہ کہانت کی طرح کی ایک چیز ہے اور اس کی ظاہری عبارت سے یہ وہم گذرتا ہے کہ یہ اور عیافت دونوں مترادف الفاظ ہیں تاہم اس کی یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں عرب ہر پرندے سے فال لیتے تھے سوائے گدھ کے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زجر اور کہانت کا انکار کرتے اور یہ لوگوں کی وہ قسم تھی جو زندگی کے ہر پہلو کو عقل کے ترازو میں تولنے کے عادی تھے اور اپنی دور بینی کی وجہ سے اس کے اثر کو باطل قرار دیتے ہیں اور ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جو اس قسم کے علوم سے دھوکا کھائیں یا اپنے معاملات میں ان پہ بھروسہ کریں اور ان کی تاثیر کا خیال کریں۔

چنانچہ عربوں کے اسی گروہ سے ایک شاعر ضابئ بن الحرث نے کہا کہ:

وَمَا عَاجِلَاتُ الطَّيْرِ تُدْنِي مِنَ الْفَتَى
نَجَاحًا وَلَا عَنْ رَيْثِهِنَّ يَخِيبُ

اور جلدی سے اڑنے والے پرندے کامیابی کو انسان کے قریب نہیں کردیتے اور نہ ہی ان کے دیر کردینے کی وجہ سے وہ ناکام ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَرُبَّ أُمُورٍ لَا تَضُرُّكَ ضَيْرَةً
وَلِلْقَلْبِ مِنْ مُخْشَاتِهِنَّ وَجِيبُ

اور بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے خوف سے تمھارا دل دھڑک رہا ہوتا ہے مگر وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يُوَطِّنُ نَفْسَهُ
عَلَى نَائِبَاتِ الدَّهْرِ حِينَ تَنُوبُ

اور جو شخص زمانے کے مصائب پر جب وہ نازل ہو جائیں اپنے آپ کو ان کے برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں رکھتا اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَا يَعْلَمُ الْمَرْءُ لَيْلًا مَا يُصَبِّحُهُ
إِلَّا كَوَاذِبُ مِمَّا يُخْبِرُ الْفَالُ

انسان کو رات کے وقت یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ صبح کو اس پہ کیا گذرے گی سوا ان جھوٹی خبروں کے جن کی خبر فال دیتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَالْفَالُ وَالزَّجْرُ وَالْكُهَّانُ كُلُّهُمْ

مُضَلَّلُوْنَ ودُوْنَ الغَيْبِ اَقْفَالُ

فال زجر اور کاہن سب گمراہ اور امور ہیں اور غیب کے سامنے تو تالے لگے ہوتے ہیں[22*]"۔

وَلقَدْ غَدَوْتُ وَكُنْتُ لَا

اَغْدُوْ عَلَى وَاقٍ وَحاتِمْ

میں صبح کے وقت نکلا اور میں کوے اور کالے فراق کے کوے کے ہوتے ہوئے نہ نکلا کرتا۔

فَإذَا الاَشَائِمُ كَالاَيَا

مِنِ وَالاَيَامِنُ كَالاَشَائِمُ

مگر میں نے دیکھا کہ منحوس پرندے برکت والے پرندوں کی طرح ہیں اور برکت والے منحوسوں کی طرح۔

وَكَذاكَ لَا خَيْرُ وَلَا

شَرٌّ عَلَى اَحَدٍ بِدَائِمْ

اور اس طرح کی کوئی بھلائی یا کوئی شر ہمیشہ کے لیے انسان کے ساتھ نہیں رہتی۔

لَا يَمْنَعَنَّكَ مِنْ بِغَا

ئِالْخَيْرِ تعْقَا دُ التَّعائِمِ

اور تعویزوں کا باندھ دینا تجھے نیکی یا مال و دولت کی تلاش سے نہ روک دے۔

قَدْ خُطَّ ذٰلِکَ فِی السُّطُورْ

رِا لَا وَّ لِمَّاتِ الْقَدَائِمُ

اور یہ وہ بات ہے جو ابدی اور قدیم سطروں میں لکھی جا چکی ہے

يُظُنَّانِ ظَنًّا مِرَّةُ يُخْطِئَانِهٗ

وأُخْرىٰ عَلَى بَعْضِ الَّذِیْ يَصِفَانِ

کبھی تو وہ خیال کرتے ہیں اور اس میں غلطی کھا جاتے ہیں اور دوسری بار واقعہ کسی قدر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں۔

قَضَىٰ اللّٰهُ اَنْ لَا يَعْلَمَ الغَيْبَ غَيْرُهٗ

فَفِیْ اَیِّ اَمْرِ اللّٰہِ يَمْتُرْ يَا نِ

اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہ ہوگا اب یہ اللہ کے کس حکم میں شک کرتے ہیں۔

وَمَا اَنَا مِمَّنْ یَزْجُرُ الطَیْرَ هَمُّهٗ
اَصَاحَ غُرَابٌ اَمْ تَعَرَّضَ ثَعْلَبُ

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو پرندوں سے فال لیتے ہیں اور ان کا اہتمام اسی میں ہوتا ہے کہ آیا کوا چلایا ہے یا لومڑ سامنے سے گذرا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَلَا السَّانِحَاتُ الْبَارِحَاتُ عَشِیَّۃً
اَمَرَّ سَلِیْمُ الْقَرْنِ اَمْ مَرَّ اَعْضَبُ

اور نہ میں ان میں سے ہوں جن کی صبح وشام یہ ہو کہ وہ صانح اور بارح کے مشتاق رہتے ہیں اور سالم یا کٹے سینگ والے لومڑ کی امید میں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

لَعَمْرُكَ مَاتَدْرِیْ الطَّوَارِقُ بِالحَصیٰ
وَلَا زَاجِرَاتُ الطَّیْرِ مَا اللّٰهُ صَانِعٌ

تمھاری جان کی قسم: کنکر مار کر فال نکالنے والیاں اور پرندوں سے فال نکالنے والیاں یہ نہیں جانتیں کہ اللہ کیا کرنے والا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَجَدْتُّ اَبَاكَ الْخَیْرَ بَحْرًا بِنَجْدَۃٍ
بَنَا هَا لَهٗ مَجْدًا اَشَمٌّ قُمَاقِمُ

میں نے تمھارے نیک باپ بحر کو بہادری کی صفت کا مالک پایا جس کی بنیاد بزرگی کے طور پہ اونچی ناک والے سردار نے رکھی تھی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَ لَيْسَ بِهَيَّابٍ اِذَا شَدَّ رَحْلَهٗ
يَقُوْلُ عَدَانِيْ الْيَوْمَ وَاقٍ وَحَاتِمٌ

اور جب سفر کے لیے وہ اپنا پالان باندھ لیتا تو ڈرتا نہیں تھا اور نہ یہ کہتا کہ آج میں نہیں جاؤں گا کہ میرے سامنے سے جدائی کا کوا گذرا ہے[23*]''۔

اسلامی شریعت میں چونکہ اس قسم کے توہمات کی گنجائش نہ تھی اس لیے اسلام کے پورے طور عرب میں چھا جانے کے بعد ان کی آئندہ نسلوں میں یہ علوم معدوم ہوتے چلے گئے اور وہ اِن علوم کی طرف متوجہ ہوئے جن میں اسلام اور ترویج اسلام کی گنجائش تھی اور اس میدان میں اہل علم نے بہت کام کیا ہے۔ جب اہل عرب نے نبی اکرم ﷺ سے شگون لینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''یہ ایک ایسی چیز ہے جسے ہم میں سے بعض لوگ محسوس کرتے ہیں مگر ایسا نہ ہو کہ یہ ان کو اپنے اصل مقصد سے دور کردیں''

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں علمائے شرح نے لکھا ہے کہ پرندوں کے دائیں یا بائیں جانب سے آنے میں کوئی بھی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو ان امور سے متقضی ہو جن پہ ان کا اعتقاد تھا، یہ تو ایسی چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور اس میں لگ جانا محض اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ پرندہ نہ تو بول سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی عقل ہے کہ اس کے کسی فعل سے کسی مقصد کو تلاش کیا جاسکے اور ان مقامات سے علم کو تلاش کرنا جہاں علم کا وہم وگمان بھی نہ ہو محض جہالت ہے۔ زمانہ جاہلیت کے کچھ عقلاء اور صاحب دانش علم زجر یا اس جیسے دوسرے علوم کی افادیت سے انکاری تھے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اہل عرب کی ایک

بہت بڑی اکثریت نہ صرف فال نکالتی تھی بلکہ شگن بھی لیتی تھی اوران صفحات میں اس بیان کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ طریق کبھی عرب کا خاصہ رہا ہے اور عہدِ جاہلیت کو اس وقت تک پورے طور پہ نہیں جانا جاسکتا جب تک کہ ہم ان کی زندگی کے ان پہلوؤں پہ بھی نظر نہ ڈال لیں جوان کے سماج میں دور تک اترے ہوئے تھے اور انھی میں علم زجر بھی شامل تھا۔اہل عرب کی فال عام طور پہ درست نکلتی کیونکہ شیطان ان کے لیے ان کے اعمال کو دلکش بنا دیتا اسلام آنے کے بعد بھی بہت دیر تک مسلمانوں میں ان باتوں کے آثار دیکھے جاسکتے تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ گذارنے کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمان توئی توہمات کا شکار ہوئے ہیں جنھوں نے ان کی زندگی کے چلن پہ خاطر خواہ اثر چھوڑا ہے اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں میں بھی ابھی تک کہیں کہیں نیک شگون اور بدشگون کے بارے میں بحث جاری ہے اور اس بات سے بحث کرنا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے ابھی باقی ہے اور ایک کے حرام ہونے اور دوسری کے جائز ہونے کا سبب حدیث کی کتابوں کی شرحوں میں مرقوم ہے۔عہدِ جاہلیت میں عرب قبائل کے ہاں ایک عجیب بات یہ پائی جاتی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی صرف ان لوگوں سے کرتے تھے جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں کہ وہ علم زجر سے واقف ہوں یا علم عیافت سے آگاہ ہوں یا اچھے شاعر ہوں کیونکہ علم ان کے ہاں اعلیٰ صفت جانی جاتی تھی۔

چنانچہ عربوں کے مشہور مورخ میدانی نے" **مجمع الامثال** "میں لکھا ہے کہ عربوں کا ایک تاجر اروی بن الکلاعی یمن سے شام کی طرف تجارت کی غرض سے گیا، کچھ دنوں تک قافلے کے ہمراہ چلتا رہا پھر اس کو نجانے کیا سوجھی کہ قافلے سے ایک طرف کو ہٹ گیا اور بے آب وگیاں بیابان میں اکیلا ہی معلق ہو گیا ۔تاہم اس نے ہمت نہیں ہاری اور شدائد سے لڑتا لڑتا ایک ایسی قوم کے پاس جا اترا جن کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔تاہم اس کے دریافت کرنے پہ اسے بتایا گیا کہ وہ عرب ہیں اوران کا تعلق قوم ہمدان سے ہے۔وہ ان کے ہاں اتر پڑا اور جلد ہی ان کے لوگوں میں گھل مل گیا۔وہ بہت خوبصورت مرد تھا اور اس کی وجاہت قبیلے کی لڑکیوں کو ڈستی تھی اور وہ خود بھی اس بات سے آگاہ تھا۔چنانچہ کچھ دنوں بعد اسے بھی قبیلے کی ایک لڑکی پسند آگئی اور وہ اس سے محبت کرنے لگا جس کا نام عمرو بن سبیع تھا، جو خود بھی ابن اروی کی محبت میں گرفتار تھی۔ابن اروی کا اصل نام الضب تھا۔

ابن اروی نے قبیلہ ہمدان سے اس لڑکی کا رشتہ مانگا تو انھوں نے اس سے پوچھا کیا تو زاجر ہے اس نے کہا نہیں، کیا تو عائف ہے اس نے کہا نہیں، کیا تو ان جگہوں سے واقف ہے جہاں پانی کے چشمے ہوں اس نے کہا نہیں، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اہل قبیلہ نے کہا کہ ہم صرف انھیں لوگوں میں اپنی لڑکیاں بیاتے ہیں جن میں علم کی کوئی صفت موجود ہو۔ تاہم ابن اروی کا اصرار جاری رہا اور آخر انھوں نے اروی اور سبیع کی شادی کر دی۔ اس کے بعد قبیلے ہمدان کو اطلاع ملی کہ کوئی قبیلہ ان پہ غارت ڈالنے کا سوچ رہا ہے۔ انھوں نے شگون لیا تو پایا کہ ابن اروی اور سبیع کی شادی منحوس ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں کو قبیلے سے نکال دیا اور وہ دونوں صحرا کی وسعتوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ الضب کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا وہ ایک دن اور ایک رات چلتے رہے۔ آگے ایک چشمہ تھا ان کا خیال تھا کہ وہ صبح تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ سبیع نے ابن اروی سے کہا کہ یہ مشکیزہ مجھے دے دو میں اس سے غسل کر لوں کیونکہ ہم پانی کے چشموں کے قریب تر ہیں۔ ابن اروی نے مشکیزہ اس کے حوالے کر دیا اور سبیع نے غسل کیا۔ مگر پانی اس کے لیے کافی نہ ہوا اور اگلی صبح جب وہ بغیر پانی کے تھے اور پیاسے تھے تو ان چشموں پہ پہنچے جہاں ان کے خیال میں پانی ہونا چاہیے تھا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ تو خشک پڑے ہیں۔ چنانچہ صحرائے عرب میں ہونا اور پانی کے بغیر ہونا تو اس بات کا حقیقی ادراک صرف اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے جس نے اس صورت حال کا سامنا کیا ہو کہ صحرائے عرب میں رستہ بھول جانا یا پانی کا ختم ہو جانا مر جانے کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور عرب جب مرنے لگتا ہے تو بے ساختہ شعر کہتا ہے۔ چناچہ ابن اروی نے بھی اس خشک چشمے کنارے اُگے ایک درخت کے کنارے پہ بیٹھ کر کچھ شعر کہے جسے سن کی اس کی بیوی سبیع حیران رہ گئی۔

لَا مَاءَكِ اَبْقَيْتِ وَلَا حِرَكِ اَنْقَيْتِ

نہ تو نے پانی چھوڑا اور نہ اندام پاک کئے۔

تَا للّٰہِ مَا طَلَّۃٌ اَصَابَ بِھَا
بَعْلَا سِوٰی قَوَارِعِ العَطَبِ

خدا کی قسم وہ بیوی جس کی آفت کو زمانہ خاوند پہ لے آئے ہلاک کرنے والی مصیبتوں کے سوا کچھ اور نہیں دے سکتی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَ اَیُّ مَھْرٍ یکوْنُ اثقلَ مِمَّا
طَلَبُوْہُ اِذَنْ مِنَ الضَّبِّ

اور جو مہر انھوں نے الضب سے طلب کیا تھا اس سے بھاری مہر اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَنْ یَعْرِفَ المَاءَ تُحْتَ صُمِّ الصفَا
وَیُخْبِرَ النَّاسَ مُنطِقَ الخُطُبِ

یہ کہ وہ ٹھوس پتھروں کے نیچے سے پانی معلوم کر سکتا ہو یا لوگوں کو کبوتروں کی بولیاں سکھاتا ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِخرَجَنِیْ قَوْمُھَا بِاَنَّ الرَّحمٰی
دَارَتْ بِشُومٍ لَھُمْ علی القُطُبِ

اس کی قوم نے مجھے نکال باہر کیا ہے کیونکہ جنگ کی چکی قطب کے گرد نحوست کے ساتھ گردش کرنے لگی ہے[24*]۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

عربوں کے اس شاعر کی بیوی سبیع نے جب اس کے شعر سنے تو خوشی سے چلا اٹھی کہ اب میری قوم تیرا احترام کرے گی کیونکہ میں نہ جانتی تھی کہ تو شاعر ہے۔ لہٰذا وہ دونوں اپنے قبیلے کی طرف پلٹے تو لوگوں نے دیکھتے ہی اُن کو مارنا چاہا۔ اس پہ سبیع نے ان کو پکارا اور کہا پہلے اس کے شعر تو سن لو پھر اس کے بعد چاہے ہم دونوں کو قتل کر دینا۔ چنانچہ انھوں نے ابن اروی کو اپنا کلام سنانے کا موقع دیا۔ قبیلہ ہمدان کے بڑے بوڑھوں نے اس کے کلام کی تائید کی اور ابن اروی کی جان بچ گئی۔ بعد میں یہی ابن اروی قبیلہ ہمدان کا شاعر بنا اور دوسرے قبائل سے اس کی مدافعت کیا کرتا۔ آخر میں تو قبیلہ ہمدان ابن اروی کے کلام کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ عربوں کی یادداشت کے کیا کہنے کہ فرزدق اور ابن اروی میں تقریباً دو صدیوں کا فاصلہ ہے مگر اس کے باوجود فرزدق اپنے ایک شعر میں ابن اروی اور سبیع کی اس رات کا حوالہ دیتا ہے جب سبیع نے پینے کے پانی سے نہا لیا تھا اور اس کے باوجود وہ پاک نہ ہو سکی تھی۔

فرزدق کہتا ہے۔

وَكُنْتُ كَذَاتِ الحَيْضِ لَمْ تُبْقِ مَاءَهَا
وَلَا هِيَ مِنْ مَاءِ العَذَابَةِ طَاهِرُ

میری مثال اس ایام والی عورت (سبیع) کی سی تھی جس نے نہ تو پانی بچایا اور نہ ہی پاک ہو سکی۔

مدائنی نے ان بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے جن میں علم زجر کے تذکرے ہیں۔ جن میں اُن لوگوں کے احوال ہیں جنھوں نے اس علم کو سیکھا اور پرکھا اور جن کو اس پہ بھرپور اعتماد تھا۔ چنانچہ مدائنی نے لکھتا ہے کہ ایک بدوی کے کچھ اونٹ اور ایک خادم گم ہو گیا وہ ان کی تلاش میں نکلا حتیٰ کہ سورج تیز ہو گیا اور دن گرم ہو گیا۔ تب اس کا گذر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو اپنی اونٹنی کو دھو رہا تھا۔ اونٹ تلاش کرنے والے شخص نے خیال کیا کہ اس کا تعلق بنی اسد سے تھا۔ اس نے بنی اسد کے اس شخص سے اپنے گم شدہ اونٹ اور خادم کا پوچھا؟

اس نے کہا: نزدیک آجاؤ اور دودھ پیو۔

تمھاری جو چیز کھوگئی ہے اس کا اندازہ ہم ابھی لگالیں گے۔

جب میں دودھ پی چکا تو اس شخص نے کہا بتا تیرا کیا کھویا ہے؟

اونٹ اور خادم۔

میں نے جواب دیا:

جب تو گھر سے نکلا تھا تو کون سی آوازیں تمھارے کانوں میں پڑی تھیں۔

اس نے سوال کیا؟

بچوں کا رونا، کتوں کا بھونکنا، مرغوں کا آواز نکالنا اور بکریوں کا ممیانہ۔

میں نے کہا:

میرے علم کے مطابق یہ سب آوازیں تمہیں گھر سے نکلنے سے منع کر رہی تھیں۔

پھر کیا ہوا: اس نے پوچھا؟

پھر دن چڑھا تو ایک بھیڑیا سامنے آیا: میں نے جواب دیا۔

کمانے والا اور فتح یاب: اس نے کہا

پھر کیا ہوا: اس نے پوچھا؟

پھر ایک مادہ شترمرغ میرے سامنے سے گذری۔ میں نے کہا:

پروں والی ہے اور اس کا نام اچھا ہے، اس نے کہا:

کیا تو گھر میں کوئی مریض چھوڑ کے آیا ہے جس کی عیادت کی جا رہی ہو۔

میں نے کہا : ہاں

اس نے کہا کہ میں نے جانا ہے کہ تمہیں اپنے گھر چلے جانا چاہیے کہ وہاں تمھارے لیے دو خبریں ہیں ایک اچھی اور ایک بری۔

چنانچہ میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا خادم اپنے اونٹوں کے ساتھ پہنچ گیا ہے۔

یہ اچھی خبر تھی:

اور جس بیمار میں کو میں چھوڑ کر گیا تھا وہ مر گیا۔
اور یہ بری خبر تھی۔

ابو خالد القیمی نے بیان کیا کہ عہدِ جاہلیت میں میں اونٹ ضمانت پر لے کر بصرہ کے باہر انھیں چرایا کرتا تھا۔ایک دن جب میری آنکھ لگ گئی تو کوئی انھیں ہانک کر لے گیا جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے اونٹوں کو نہ پایا میں گھبرایا اور اونٹوں کے قدموں کے نشان لینا شروع کئے۔پھر دن رات انھیں کے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ میں قادسیہ پہنچ گیا۔پھر آبادی کی وجہ سے نشان غلط ملط ہونے لگے تو میں نے سوچا کہ اگر میں کوفہ چلا جاؤں تو وہاں شاید میرے اونٹوں کا کچھ سراغ مل سکے۔چنانچہ میں کناسہ پہنچ گیا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں اور وہ یمامہ کا عراف تھا لہٰذا میں بھی ٹھہر گیا۔
جب لوگ اس کے پاس سے ہٹ گئے تو میں اس کے سامنے جا بیٹھا۔
اس نے مجھ سے کہا اپنی حاجت بیان کرو تو۔
میں نے اُس سے اپنی حاجت بیان کی، جواب میں اُس نے یہ شعر کہا:

بِعیدَۃٌ اَشطَانِ الھَویٰ جَمْعٌ مِثْلِھَا
عَلَی الْعَاجِزِالبَّاغِیْ الغِنٰی ذُوتَکَا ثُفُ

ان کی خواہش کی رسیاں بہت دور جا چکی ہیں اور اس قدر اونٹوں کا ایک کمزور آدمی کے پاس ہونا جو مالدار بننا چاہتا ہو بڑی چیز ہے۔

اُس نے مجھے مشورہ دیا میں واپس چلا جاؤں۔میں واپس چلا آیا۔میرے اونٹ شام میں اپنے ایک چچازاد بھائی کے پاس مل گئے پھر میں نے ان اونٹوں کے متعلق ان کے مالکوں سے مصالحت کر لی۔

مدائنی نے آگے بیان کیا کہ سوادِ عراق میں ایک زاجر تھا جس کا نام مہر تھا۔ وہ زجر اور کہانت میں ماہر تھا۔ وہ عائف بھی تھا اور قیافہ شناس بھی۔ الغرض علم کا ایک سمندر تھا جو اس کے سینے کے اندر لہریں لیتا تھا۔ لوگ گورنر کے سامنے اس کی اتنی تعریف کرتے کہ اسے مہر سے حسد ہونے لگا۔ گورنر نے منصوبہ بنایا کہ لوگوں کے دلوں سے اس کا اعتماد کم کیا جائے اور اس معاملے میں اپنے ایک غلام کو اعتماد میں لیا اور اسے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد اُس نے مہر کو بلا بھیجا۔

چنانچہ جب مہر اس کے ہاں پہنچ گیا تو گورنر نے کہا میں نے تیرے علم کا بڑا شہرہ سنا تھا اس لیے تجھے بلا بھیجا۔

میں نے فلاں جگہ اپنی بھیڑ بکریاں بھیجی ہیں اپنے علم کے ذریعے معلوم تو کرو کہ وہ وہاں پہنچی ہیں یا نہیں۔

گورنر نے مہر کے آگے سوال رکھا؟

گورنر کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اس کی بکریوں اور گھاس کے درمیان ایک مرحلے کا فاصلہ ہے۔

زاجر نے اپنے لڑکے سے کہا کہ باہر جاؤ اور کوئی آواز سننے کی کوشش کرو۔

اس نے گیدڑ کی آواز سنی جو دراصل گورنر کے اس غلام نے نکالی تھی جو اس منصوبے میں شامل تھا۔

زاجر کے بیٹے نے واپس آکر اس کو بتایا کہ اس نے گیدڑ کی آواز سنی ہے۔

زاجر کچھ دیر خاموش بیٹھا غور کرتا رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا:

تو نے جس مال کے متعلق مجھ سے دریافت کیا تھا اب وہ تمھارے پاس نہیں رہا بلکہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اسے لوٹ لیا ہے اسے ہانک کر لے جایا جا رہا ہے۔

زاجر نے تفصیل گورنر کو پیش کی۔

جس کو زاجر کی بات پہ قطعی کوئی یقین نہ تھا۔

چنانچہ وہ ہنسا اور کہا کہ مجھے تو خبر آئی ہے کہ میرا مال مطلوبہ ٹھکانے تک پہنچ گیا ہے ۔ گیدڑ کی آواز تو میرے غلام کی تھی۔

زاجر نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔

پھر کہا کہ اگر تو گیدڑ کی آواز اصلی تھی تب تو تیرا صرف مال ہی گیا ہے اور اگر یہ آواز نقلی تھی تب تیرا

چرواہا بھی مارا گیا ہے۔

اس کے بعد گورنر نے اپنے کارندے اس طرف دوڑائے جہاں اس نے اپنی بھیڑ بکریاں بھیجیں تھیں جنھوں نے واپس آ کر زاجر کے دعویٰ کی تائید کی اور کہا کہ اس کا چرواہا قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا مال لوٹا جا چکا ہے۔

العکلی نے ذکر کیا ہے کہ وہ نو آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوا جس کا دسواں رکن وہ خود تھا تا کہ صحیح رستہ پا لیں۔ اس نے بکائن کے درخت پہ ایک کوا دیکھا اور اس پہ غور کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس سفر میں موت کا سایہ ہے اس لیے تم سب اس سفر سے باز رہو۔ لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اور اسے اس کا وہم کا جانا۔ وہ خود تو رک گیا مگر اپنے ساتھیوں کو رکنے پہ آمادہ نہ کر سکا اور وہ سب اس سفر پہ روانہ ہو گئے۔ العکلی نے بیان کیا کہ اسے اپنے علم زجر پہ یقین تھا اس لیے اتنے دن میں نے کچھ نہ کیا جب تک کہ اس معاملے کی حقیقی صورت میرے سامنے نہ آ گئی۔ آخر وہ قاصد آ ہی گیا جس کے پاس وہ خبر تھی اور جس کے نہ آنے کا میں متمنی تھا۔ اس نے بتایا کہ تیرے سب نو کے نو ساتھی قتل کئے جا چکے ہیں جس پہ العکلی نے یہ شعر کہے۔

رَاَیتُ غُرَاباً وَاقِعًا فَوْقَ بَانَۃٍ
یُنَشْنِشُ اَعْلٰی رِیْشِہٖ وَیُطَایِرُہٗ

جب میں نے بکائن کے درخت پر ایک کوے کو اترتے ہوئے دیکھا، وہ اپنے اوپر کے حصے کے پروں کو زور سے حرکت سے دے رہا تھا اور اڑنے کا طور اختیار کر رہا تھا۔

فَقُلْتُ غُرَابٌ فَاغْتِرَابٌ مِنَ النَّوٰی
وَبَانٌ فَبَیْنَ مَنْ حَبِیْبٍ یُجَاوِرُہٗ

میں نے کہا؛ غراب سے مراد دور دراز کے سفر کی غربت ہے اور بان سے مراد پاس کے دوست کی جدائی ہے۔

فَمَا اَعْيَفَ ا لعُكَلِى ّلَا دَرّدُّہٗ
وَاَزْجَرَہٗ لِلطَّيْرِ لَا عَزّنَا صِرُہٗ

خدا اس عکلی کا بھلا نہ کرے کہ یہ کس قدر صحیح فال لینے والا ہے اور پرندوں کو اڑا کر کس قدر صحیح قیافہ لگاتا ہے۔خدا کرے اس کا مددگار قوی نہ ہو[25*]‘‘۔

ایک اور مورخ نے بیان کیا کہ عزہ کثیر جو عرب کا تاجر تھا اس نے مصر جانے کا ارادہ کیا کہ اس کی بیوہ عزہ مصر میں ہی تھی۔ جب وہ روانہ ہوا تو راستے میں اسے نہد کا ایک بدوی عرب ملا جس نے اس سے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

اس نے کہا: مصر کو جاتا ہوں۔

بدوی نے کہا اپنے سامنے دیکھ کیا ہے؟

میں نے کہا کہ بکائن کا ایک درخت ہے اور اس پہ ایک کوا ہے جو اپنے پر نوچ رہا ہے۔

بدوی نے کہا تو مصر نہ جا۔

جس سے تو ملنے جاتا ہے اس سے اب تو کبھی نہ مل سکے گا۔

میں نے اس بدوی کی باتوں کو قابل اعتناء نہ جانا اور اپنا سفر جاری رکھا۔

جب میں مصر پہنچا تو کچھ لوگوں نے مجھ سے ملاقات کی اور وہ عزہ کے جنازے سے واپس آئے تھے۔

اس پہ کثیر نے یہ اشعار کہے

فَاَمَّا غُرَابٌ فَاغْتِرَابٌ وَ غُرْبَۃٌ
وَبَانٌ فَبَیْنٌ مِنْ حَبِیْبٍ تُعَاشِرَہٗ

غراب سے مراد وطن کی جدائی اور مسافرت ہے اور بان سے مراد اس محبوب کی جدائی ہے جس سے تمہارا میل ہوتا تھا۔

کثیر کے ساتھ یہ معاملہ دو دفعہ پیش آیا ایک بار اس وقت جب وہ عزہ سے ملنے مصر کو روانہ ہوا اور دوسری بار تب جب ام حویرث کی خاطر یمن کی طرف رونہ ہوا ۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ عزہ کی وفات کے بعد کثیر کو عربوں کی ایک عورت سے محبت ہوگئی جو نہ صرف مالدار تھی بلکہ حسن و جمال کا پیکر بھی تھی۔ کثیر نے جب اسے نکاح کی دعوت دی تب ام الحویرث نے اس نے کہا کہ وہ اس کو پسند کرتی ہے مگر اس سے تب ہی شادی کرے گی جب اس کے پاس مال ہوگا۔ چنانچہ کثیر مال کمانے کی غرض سے یمن کی طرف نکل گیا وہاں کا حاکم بنی مخزوم کا ایک شخص تھا۔ چنانچہ اس نے کثیر کی مدد کی اور کثیر نے کافی مال کمایا۔ جب اس نے ام الحویرث کا قصد کیا تو ابھی راستے میں ہی تھا کہ پرندوں کی ڈار اس کے سامنے سے گذر گئی۔ وہ چلتا رہا مگر اس کے دل میں ایک وہم تھا اس کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کوا مٹی کریدتا تھا اور اسے اپنے سر پہ ڈال لیتا تھا۔

کثیر کو علم زجر کی سوجھ بوجھ نہ تھی مگر وہ جانتا تھا کہ پرندوں سے فال لی جاتی ہے اور ایک بار پہلے بھی وہ اسے آزما چکا تھا۔ چنانچہ اس نے قبیلہ لہب کا قصد کیا کہ اس قبیلے کے ماہر زاجر عرب بھر کے زاجروں سے بڑھے ہوئے تھے اور علم میں زیادہ تھے۔ چنانچہ کثیر ان کے ہاں زجر کے ایک عالم کے پاس اترا۔ جس کا فن ضرب المثل بیان کیا جاتا تھا۔ وہ ایک بہت بوڑھا آدمی تھا جس کے دونوں ابرو اس کی آنکھوں پہ گر چکے تھے۔ کثیر نے اس سے اپنا مسئلہ بیان کیا اور اس سے رائے چاہی۔ بوڑھے نے ایک بار پھر سے ان تمام واقعات کے متعلق پوچھا جو اسے راستے میں پیش آئے تھے۔ کثیر نے تمام احوال جزیات سمیت اس کے گوش گذار کیے وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کثیر کو مخاطب کر کے کہا تم نے جہاں جانے کا ارادہ کیا ہے اسے ختم کر دو وہ عورت اب دنیا میں نہیں رہی۔ یا پھر یہ کہ اس نے کسی اور سے شادی کر لی ہے۔ بوڑھے

زاجر نے کثیر کا دل توڑ دیا تھا اور وہ شدید مغموم تھا۔ اس نے اپنا سفر چھوڑ دیا تھا اور اسے بخار رہنے لگا تھا۔ پھر اسے استسقاء کی بیماری ہوگئی جو اس کی موت کا باعث بنی۔ تاہم اس سے قبل اس نے اس واقعے کے بارے میں چند شعر کہے جنھیں تاریخ نے اپنے دامن میں زندہ رکھا آپ بھی دیکھیے۔

تَمَعَّمْتُ لِهْباً اَبْتَغِیْ العِلْمَ عِندَ هُمْ
وَقَدْ رُدَّ عِلْمُ العَائِفِیْنَ اِلٰی لِهْب

میں نے معلومات حاصل کرنے کے لیے بنی لہب کا قصد کیا اور تمام فال نکالنے والوں کا علم بنی لہب کو دے دیا گیا ہے۔

فَیَمَّعَتُ شَیْخاً مِنْهُمْ ذُوْا مَا نَةٍ
بَصِیْراً بِزَجْرِ الطَّیْرِ مُنحَنِیْ الصُّلْب

پھر میں ان کے ایک امانت دار بوڑھے کے پاس گیا جو پرندوں کے افعال سے فال نکالنے میں ماہر تھا اور اس کی پشت ٹیڑھی ہو چکی تھی۔

فَقُلْتُ لَهٗ مَا ذَا تَرَی فِیْ سَوَانِحٍ
وَصَوْتِ غُرابٍ یَفحَصُ الاَرْضَ بِالتُّرْب

میں نے اس سے کہا: تمھارے سامنے آنے والے جانوروں کے متعلق کیا خیال ہے اور کوے کی آواز کے متعلق جو زمین سے مٹی کرید رہا تھا۔

فَقَالَ جَرَی الطَّیْرُ السَّنِیْحُ بِبَیْنِهَا
وَنَادَی غُرَابٌ بِالفِرَاقِ وَبِالسَّلْبِ

اس نے کہا سامنے آنے والا پرندہ اس کی جدائی کا حکم لے کے چلا ہے اور کوے نے فراق اور لٹ جانے کی دھائی دی ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَاتَتْ فَقَدْ حَالَ دُونَهَا
سِوَاكَ حَلِیْلٌ بَاطِنٌ مِنْ بَنِی كَعْبِ

اگر یہ مری نہیں تو بنی کعب میں سے تمھارے سوا کوئی اور پیارا خاوند تمھاری راہ میں حائل ہو گیا ہے[26*]''۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

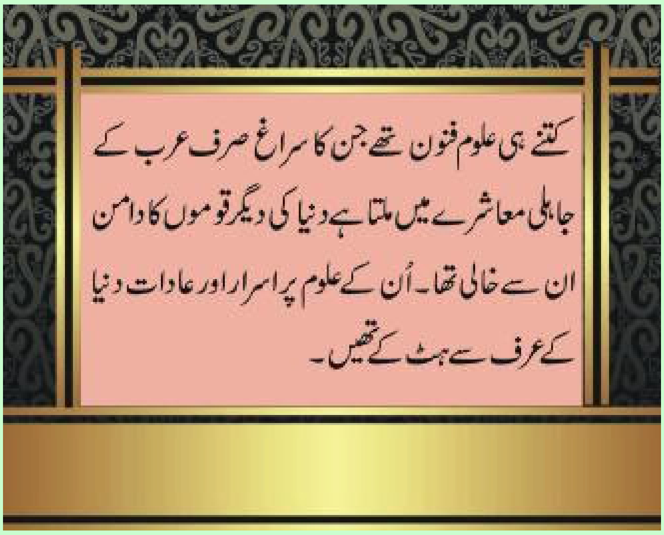

عربوں کی ایک جماعت اس فن میں مشہور تھی جنھوں نے اس فن کے خدوخال وضع کیے اور عربوں کو ان امور سے آشنا کیا جن سے وہ آگاہ نہ تھے۔ جیسا کہ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ علم رجز علم عیافہ اور اس قبیل کے کئی علوم خاص عربوں کے علوم تھے، دوسری دنیاؤں میں ان کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس فن کے ذریعے وہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے اور تمام امور جن میں وہ ردوبدل کرتے اسی فن کے ذریعے کرتے۔ پیش قدمی کرتے، خواہ پیچھے ہٹتے، امن، خوف، فراغی، تنگی، جنگ اور صلح کی حالت میں بھی اسی علم کے ذریعے تصرف کرتے۔ اگر ان کی فال کامیاب ہوتی تو لوگ ان کی تعریف کرتے اور اگر ان کی فال غلط نکلتی تب بھی لوگ ان کی ہجو سے باز ہی رہتے، جن لوگوں کی فال اکثر درست نکلا کرتی لوگ ان کی تعریف کرتے اور ان کی شہرت دور دور تک پھیل جاتی انھی لوگوں کو عائف کہا جاتا، زاجر بھی انھی کو کہتے۔ عربوں کے عائف لاتعداد ہیں اور ان کا تذکرہ بسیط مگر ہم اختصار کے ساتھ صرف چند لوگوں کے احوال پہ روشنی ڈالیں گے جو عربوں میں اپنے اس علم کی بدولت مشہور تھے۔ انھیں میں ایک جندب بن العنبر بن عمرو بن

تیم تھا۔اس کے بارے میں المفضل لکھتا ہے کہ جندب نہایت ہی بدصورت شخص تھا۔مگر بہادر تھا اور سعد بن زید مناۃ اس کا دوست تھا جو نہایت خوبصورت مگر عربوں کی روایتی بہادری سے عاری تھا۔چنانچہ ایک دن جندب اور زید مناۃ شراب پینے کے لیے بیٹھے جب ان پہ شراب کا خمار حاوی ہوا تو جندب نے مزاح کے طور پہ سعد مناۃ سے کہا اے سعد: دودھ والی اونٹنی کا دودھ پینا چاہیے اور دیر تک ہمکنار رہنا چاہیے اور خوب مزاح کرنا چاہیے کہ تمہیں جنگ کرنے، نیزوں سے لڑنے اور مضبوط سموں والے گھوڑے دوڑانے کی نسبت یہ سب زیادہ پیارا ہے۔سعد کو جندب کی یہ باتیں بری لگیں اور سعد نے کہا:

خدا کی قسم تو جھوٹ کہہ رہا ہے میں تو نیزے کی بھال کو کام میں لاتا ہوں اور بھرپور جوان اونٹ کو ذبح کرتا ہوں اور کہنے والوں کو خاموش کردیتا ہوں۔

اس پہ جندب مسکرایا اور کہا:

یادرکھ اگر تو خوف زدہ ہوا تو میرے سوا کسی اور کو آواز نہ دے گا اور فوراً مجھے ہی بلائے گا۔اس لیے کہ میں بہادر ہوں اور بڑے مشکل کاموں کو کرگذرنے والا ہوں۔شریف زادیوں کی حفاظت کرتا ہوں اور ان تمام امور کی حفاظت کرتا ہوں جن کی حفاظت کرنا مجھ پہ لازم ہے۔

اس پہ سعد کو غصہ آگیا اور اس نے یہ شعر کہے:

هَلْ يَسُوْدُ الفَتَىٰ إِذَا قُبُحَ الوَجْهُ
وَاَمْسٰى قِرَاهُ غَيْرُ عَسِّيْدٌ

جب کوئی انسان بدصورت ہو اور اس کی ضیافت بھی لوگوں کے لیے تیار نہ ہو تو کیا ایسا شخص سردار بن سکتا ہے۔

وَاِذَ النَّاسُ فِيْ النَّدِيّ رَاوَهٗ
نَا طِقًا مَالَ قَوْلَ غَيْرِ سَدِيْدٍ

اور جب لوگ اسے مجلس میں بولتا ہوا دیکھ لیں تو یہ نادرست باتیں کہے۔

اس پہ جندب نے سعد کو جواب دیا!

لَيْسَ زَيْنُ الْفَتَىٰ الجَمَالُ وَلٰكِنْ
زَيْنُهُ الضَّرْبُ بِالحُسَامِ التَّلِيْدِ
انسان کی زینت اس کی خوبصورتی میں نہیں ہوتی بلکہ مرد کا حسن تو یہ ہے کہ وہ اپنی موروثی قاطع تلوار چلائے۔

اِن يُنْلِكَ الفَتَىٰ فَزَيْنٌ وَاِلّا
رُبَمَا ضَنَّ بِالیَسِیْرِ العَتِیْدِ
اور اگر انسان تجھے کچھ عطا کرے تو یہ اس کے لیے زینت ہے ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان معمولی سی موجود چیز پہ بھی بخل کرتا ہے [27*]''۔

جندب نے پھر اسے جواب دیا، اور وہ عائف بھی تھا۔

یاد رکھ اللہ کی قسم عرینہ اور دھنیہ کی زمینوں کے درمیان تجھے زخم لگا کے قید کر لیا جائے گا اور میرے پرندوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اس وقت میرے سوا کوئی اور شخص تمھاری فریاد پہ نہ آئے گا۔

سعد نے کہا:

ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ میں بے بسی کی حالت میں تجھے پکاروں اس لیے کہ تو جھوٹا اور بزدل اور نیزوں کو ناپسند کرنے والا ہے۔ گانے والی لونڈیوں سے محبت کرنے والا ہے۔

اس پہ جندب نے خاموشی اختیار کی اور اس کی محفل سے اٹھ کر چلا گیا۔

وہ دونوں جدا ہو گئے۔ مگر زیادہ عرصہ نہ گذرا نہ تھا کہ سعد اپنے گھوڑے پہ سوار ہو کر شکار کی تلاش میں نکلا اور اس کا سامنا بنی تمیم کی ایک لونڈی سے ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عورت بنو جرہم سے تھی۔

سعد نے اس سے کہا:

تجھے برضا و رغبت مجھ کو اپنے اوپر قدرت دینی چاہیے ورنہ تجھ کو مغلوب کر کے مجبور کر دیا جائے گا۔

لونڈی مسکرائی اور اس سے کہا ذرا ٹھہر کہ انسان اپنی حماقت کی وجہ سے اس مشکیزے میں سے پینا چاہتا ہے جس کا منہ اس نے باندھا نہیں ہوتا۔

سعد سے سواری اترا اور بے باکی سے اس عورت کی طرف بڑھا۔

اس نے بغیر کسی گھبراہٹ کے اپنے ایک ہی ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے اور ان کو اس قدر دبایا کہ سعد دوہرا ہو کے رہ گیا۔

اس نے سعد کو اسی کے گھوڑے کی بھاگ سے باندھ دیا اور اپنی بکریوں سے سمیت اسے لے کر اپنے قبیلے کی طرف چل دی۔

راوی نے بیان کیا کہ پھر جندب کا اس طرف سے گذر ہوا اور اس نے وہ واقعہ دیکھا جس کا اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکا تھا۔

چنانچہ سعد نے جندب کو دیکھا تو اس کو مدد کے لیے پکارا:

اور جندب نے اس کو بنو جرہم کی اس لونڈی سے نجات دلا دی۔ پھر کہا اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ اس نے ایک عورت کو قتل کیا ہے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔

اس پہ لونڈی نے اس کو جواب دیا:

خدا کی قسم تمھاری فال جھوٹی نہیں ہوتی اور تمھارے سوا دوسرے لوگ سچے نہیں ہو سکتے۔

مرۃ الاسدی

مرہ بھی عربوں کا مشہور زاجر تھا اس کا قصہ بیان کرتے ہوئے جاحظ نے لکھا ہے کہ مرۃ الاسدی کی بیوی اپنے زمانے کی خوبصورت عورت تھی۔ مگر اس کا خاوند مرہ کئی سال سے اس کے ساتھ نہیں رہ رہا تھا بلکہ اس سے دور تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک سیاہ فام غلام کی طرف مائل ہوگئی جو اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب وہ اس کی طرف مائل ہوئی تو اس کے ضمیر نے اسے ملامت کی اور اس نے خود سے کہا اے میرے نفس، جوانی کی امنگ میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ یہ شریف زادی کو رسوا کرتی ہے اور عار کا سبب بنتی ہے لہٰذا وہ اپنے ارادے سے رک گئی۔ کچھ وقت اور گذر گیا تو ایک بار پھر اس کی خواہش نے اس پہ غلبہ پایا اور وہ اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوگئی مگر پھر خود ہی اپنے آپ سے کہنے لگی اے میرے نفس، وہ موت جو راحت دلائے رسوائی اور برائی کے ارتکاب سے بہتر ہے اس لیے تو بدی اور عار کے لباس سے پرہیز کر اندرونی لباس کی برائی سے اور بیرونی لباس کی ذلت سے پرہیز کر اس طرح اس نے پھر سے خود کو روک لیا۔ مگر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اس کی خواہش پھر سے بھڑکی اور اس نے خود سے کہا کہ ایک بار کی برائی سے گناہ لازم نہیں آتا پھر برائی کی اصلاح بھی تو کی جاسکتی ہے اور لوٹ کر آنے والے کی عزت بھی کی جاسکتی ہے اور اس بار اس نے اپنے ضمیر کو بولنے کی بھی اجازت نہ دی اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ آج کی رات اس کے گھر آئے مگر اس کو معلوم نہ تھا کہ اس کا خاوند شاید عرب کا سب سے بڑا زاجر تھا۔ حتیٰ کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی بولیاں تک جانتا تھا۔ چنانچہ جس رات اس کی بیوی نے گناہ کا ارادہ کیا اس رات جب وہ شام کا کھانے کھانے بیٹھا تو ایک کوا کہیں سے آگیا اور اس کے سامنے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ مٹی اٹھا کر اپنے سر

پہ ڈالنے لگا۔ مرہ نے قیافہ لگایا اور کوے کی حرکات سے جانا کہ اس کی بیوی نے آج تک تو اس سے بے وفائی نہیں کی مگر آج رات کو اس نے منہ کالا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ چنانچہ مرہ فوراً اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کی جانب ایڑ لگا دی۔ دوسری طرف اس کی بیوی غلام کے ساتھ ملوث ہو چکی تھی مگر اپنے اس فعل پہ نادم بھی تھی۔ چنانچہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا" **خیر قلیل و فضحت نفسی** "یعنی اس نے تھوڑی سی خوشی کے لیے خود کو برباد کرلیا ہے۔ مرہ اسی وقت گھر کے دروازے سے داخل ہوا اس نے اپنی بیوی کے یہ الفاظ سن لیے تھے۔ اس لیے غصے سے کانپ رہا تھا اس کی بیوی نے اسے دیکھا تو ششدر رہ گئی مگر اس نے خود کو سنبھالا اور اس سے پوچھا وہ کانپ کیوں رہا ہے۔ جواب میں مرہ نے کہا" **خیر قلیل المثل** " تو اس کی بیوی جان گئی کہ اس کے خاوند نے اس کی خیانت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور وہیں گر کر مر گئی اس پہ مرہ نے کہا:

لَحَی اللّٰہ رَبُّ النَّاسِ فَا قِرَمیتہ
وَاھُوَنْ بِھَا مَفْقُودَۃً حِینَ تُفْقَدُ

خدا جو لوگوں کا رب ہے فاقرہ پر جو مر چکی ہے لعنت کرے اور جب کہ یہ کھو گئی ہے تو ہمارے لیے یہ نہایت ہی ذلیل و حقیر کھو جانے والی عورت ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَعَمْرُکَ مَا تعنّتا دُنِی مِسْکُ لَوْعَۃُ
وَلَا اِنَا مِنْ وَجْدٍ عَلَیْکَ مُسھَّدُ

تمھاری جان کی قسم تمھارے عشق کی سوزش دوبارہ مجھ کو بے قرار نہ کرے گی اور نہ ہی میں تمھارے فراق میں کبھی بیدار رہوں گا [28*]"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

ابوذویب ہذلی شاعر

ابوذویبؓ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں شامل ہیں۔ابوذویبؓ کا شمار بھی عربوں کے ان لوگوں میں ہوتا تھا جو علم زجر کے ماہر جانے جاتے تھے۔ابوذویبؓ کی فال شاذ ہی غلط ہوتی تھی اور لوگ دور دور سے اپنے معاملات لے کر ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ابوذویبؓ کے حالات ہم انھی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں خبر ملی کہ نبی اکرم ﷺ شدید علیل ہیں اور اس خبر سے ہمارا دل غم سے بھر گیا اور ہم مدینے سے دور تھے۔میں نے ایک لمبی رات گذاری جس کی تاریکی کا پردہ چاک ہونے میں نہ آتا تھا۔ میں اس رات کی لمبائی کا دکھ جھیلتا رہا یہاں تک کہ جب سحر کا وقت ہوا تو میری آنکھ لگ گئی تب ایک غیبی آواز دینے والے نے مجھے آواز دی اور وہ کہہ رہا تھا۔

خَطْبٌ اَجَلُّ اَنَاخَ بِالْاِسْلَامِ
بَیْنَ النَّخِیْلِ وَمَقْعَدِ الْاٰطَامِ

ایک بہت بڑی مصیبت اسلام پہ نازل ہوگئی ہے نخلستان اور محلات کے بیٹھنے کی جگہ کے درمیان۔

قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَعُیُوْنُنَا
تَذْرِی الدُّمُوْعَ عَلَیْہِ بِالاسجام

نبی اکرم ﷺ وفات پا گئے ہیں اور ہماری آنکھیں ان پہ کثرت سے آنسو بہا رہی ہیں۔

ابوذویبؓ کہتے ہیں کہ میں گھبرا کر نیند سے اٹھا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ مجھے سعد الذابح کے سوا کوئی اور ستارہ دکھائی نہ دیا۔ اس کی تاویل میں نے یہ کی کہ عربوں میں قتل واقع ہوگا اور مجھے معلوم ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ یا تو وفات پا چکے ہیں یا اس بیماری میں ہی وفات پا جائیں گے۔ چنانچہ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور تیز تیز چل دیا۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو میں عادت کے مطابق کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا جس سے میں شگون لے سکوں۔ آخر ایک خار پشت میرے سامنے آیا جس نے ایک سانپ کو پکڑ رکھا تھا۔ سانپ خار پشت کو لپٹا جا رہا تھا اور خار پشت اسے اپنے تیز اور نوکیلے دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ آخر کو سانپ کی حرکت معدوم ہوگئی اور خار پشت نے اسے کھا لیا۔ اس امر سے میں نے فال نکالی اور خود سے کہا شہیم یعنی خار پشت اہم شے ہے اور سانپ کا اس سے لپٹنا یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صل علیہ وسلم کے بعد ان کے جانشین کے خلاف ہو کر حق سے پھر جائیں گے اور اس کے بعد میں خار پشت کے سانپ کو کھا جانے کی تاویل یہ کی کہ جو بھی نبی اکرم ﷺ کا جانشین بنے گا وہ آخر اس معاملے پہ غالب آ جائے گا۔

میں نے اپنی اونٹنی کو ایڑ لگائی اور وہ تیز دوڑنے لگی حتیٰ کہ میں غابہ پہنچا تو میں نے ایک پرندے کو اڑا کر فال لی تو اس نے مجھے آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر دی اور میرے دائیں جانب سے جانے والا کوا بھی چلایا اور یہی بات کہی۔ میں نے اپنی اونٹنی کو اور تیز کیا اور آنکھوں میں آنسوؤں کی وجہ سے مجھے راستہ صاف دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ سے ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگی جو راستے میں میرے سامنے آئیں تھیں۔ پھر میں مدینے پہنچ گیا اور وہاں لوگ اس طرح زور زور سے رو رہے تھے اور اس طرح کا شور تھا جس طرح کا شور اس وقت ہوا کرتا ہے جب حاجی حج کا احرام باندھا کرتے ہیں اور اونچی آواز میں تلبیہ کہا کرتے ہیں۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ حالانکہ میں جانتا تھا مگر میرے دل میں چور تھا اور میں وہ الفاظ نہ سننا چاہتا تھا جو میرے لیے ازحد ناگوار تھے۔ تو کسی نے کہا رسول اللہ صل

اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔

تب میں نے اپنا رخ مسجد نبوی کی طرف کیا اور مسجد خالی تھی۔ پھر میں رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کے باہر آیا اور میں نے اس دروازے کو بھی بند پایا اور کسی نے مجھ سے کہا نبی اکرم ﷺ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا ہے اور آپ کے پاس اس وقت آپ کے گھر والے ہیں۔

میں نے پوچھا لوگ کہاں ہیں؟

اس نے کہا: بنی ساعدہ کے چھپر میں ہیں اور انصار کے پاس گئے ہیں۔

میں بھی اسی طرف کو چل نکلا۔

اور وہاں میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور قریش کے لوگوں کو پایا تو میں بھی ان کے ساتھ جا کھڑا ہوا کہ میں بھی تو انھیں میں سے تھا۔ انصار میں سے سعد بن عبادہؓ تھے اور ان کے شاعر حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ تھے۔

پھر انصار نے تقریر کی اور لمبی چوڑی تقریر کی۔

پھر مہاجرین نے تقریر کی اور لمبا چوڑا جواب دیا۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی اور اس شخص کے بولنے کے کیا کہنے کہ وہ لمبی بات نہ کرتے تھے مگر انھیں اس بات کا کامل علم تھا کونسی قطعی باتیں کس کس محل پہ کہی جاتی ہیں۔ خدا کی قسم آپ نے ایسی تقریر کی کہ جو کوئی بھی اسے سن لیتا آپ کا مطیع ہو جاتا اور آپ کی طرف مائل ہو جاتا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تقریر کی جو حضرت ابوبکرؓ سے کم تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پہ بیعت کروں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھ پہ بیعت کی اور پھر تو لوگ آپ پہ ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے بھی آپ کے ہاتھ پہ خلافت کی بیعت کی۔ پھر جلد ہی حضرت ابوبکرؓ نے اس مقام کو چھوڑا اور لوگوں کے ساتھ مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ پھر لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی اور انھیں قبر میں اتارا اس دوران میں ساتھ ساتھ رہا اور ہر عمل میں خود کو شریک رکھا۔

علوم الخیل

خیل عربی میں گھوڑے کو کہتے ہیں۔یادرہے کہ عرب گھوڑے کے بغیر خود کو نامکمل خیال کرتے تھے اس لیے اہل عرب گھوڑوں کی شان اوران کے حالات کو اس حد تک جانتے تھے کہ کوئی قوم اس میدان میں ان کے مقابل نہ تھی۔گھوڑوں کے حسن وقبح کے بارے میں اہل عرب ادراک کی ان منازل میں تھے جہاں وہ اپنے اس ساتھی کے ہر انگ کو شرح وبسط کے ساتھ جانتے تھے۔وہ گھوڑوں کی بیماریوں اوران کے علاج میں پختہ کار تھے۔اس فن میں عربوں کا قدم راسخ تھا اور اس علم میں انھیں یدِطولیٰ حاصل تھا۔چنانچہ قابل اعتبار راویوں نے ان کے متعلق عجیب وغریب خبریں بیان کی ہیں جن کو سن کر کان لذت حاصل کرتے ہیں اوران کے علم کے عجائب لوگوں پہ ظاہر ہوتے ہیں۔گھوڑا انسان کا قدیمی ساتھی ہے اور انسان نے ایک طویل مدت اس جانور کی وفا کی مہک کے ساتھ گزاری ہے۔گھوڑے اپنی شکل وصورت اور جسامت کے اعتبار سے تمام جانوروں سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔وہ طبع کرم،شرافت نفسی اور علو ہمت کے اعتبار سے تمام جانوروں سے زیادہ افضل اور انسانوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان

اور گھوڑے میں کبھی اور کسی دور میں بھی کامل جدائی دیکھنے میں نہیں آئی۔اس لیے قرآن وحدیث اور اہل عرب کے جاہلی ادب میں اس جانور کا ذکر نہایت تکریم سے کیا گیا ہے۔ترتیب کے حوالے سے پہلے ہم قرآن پھر حدیث اور اس کے بعد اہل عرب کے جاہلی ادب سے مثالیں پیش کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(القران الحکیم سورۃ الانفال ۸ / آیات ۶۰)

ترجمہ:

(اور تم دشمن کے خلاف جنگ کے لیے) گھوڑوں کو باندھ رکھا کرو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرسکو"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا o فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا o فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا o فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا o فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا o

(القران الحکیم سورۃ الاعدیات ۱۰۰ / ۱،۴)

ترجمہ:

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں (پھر پتھروں پر پاؤں مار کر) ان سے آگ نکالتے ہیں، پھر صبح کے وقت غارت ڈالتے ہیں، پھر گرد اڑاتے ہیں اور دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

قرآن حکیم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے غازیوں کے ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے جو دوڑتے ہیں اور پھر ہانپتے ہیں اور " **ضبح** " اس آواز کو کہا جاتا ہے جو دوڑتے وقت گھوڑے کے سانس لینے سے پیدا ہوتی ہے۔ " **موریات** " سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو آگ نکالتے ہیں کہ " **ایراء** " سے مراد آگ نکالنے کے ہیں جیسے کہ عرب محاورے میں ہے کہ " **قَدَحَ الزَّنْدَ فَاوریٰ** (اس نے چقماق کو مار کر آگ نکالی) اور "**مغیرات**" وہ گھوڑے ہیں جن کے سوار دشمن پر غارت ڈالتے ہیں" **صبحاً**" یعنی صبح کے وقت **فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعاً** اور اس وقت وہ آگ اڑاتے ہیں" **فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا**" اور وہ صبح کے وقت دشمن کے کسی گروہ میں گھس جاتے ہیں اور غارت ڈالتے ہیں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور نبی اکرم ﷺ نے گھوڑوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

"**اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ**"

"گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر و برکت قیامت تک بندھی ہوئی ہے"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مزید ارشاد فرمایا کہ:

"**بُطُوْنُهَا کَنْزٌ وظُهُورُهَا حِرْزٌ وَاصحابُهَا مُعَانُونَ عَلَیْهَا**"

"ان کے پیٹ خزانہ ہیں، ان کی پشت محفوظ پناہ گاہ ہے اور ان کے مالکوں کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ میں ایک گھوڑا خریدنا چاہتا ہوں جسے میں اللہ کی راہ میں تیار رکھ سکوں تو نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ:

”اشتر اَدْهَمَ اَوْكُمَيْتًا اَقْرَحَ اَرْثَمَ مُحجّلاً مُطْلَقَ اليمِين فَاِنّهَا مَيَامِنُ الخَيْلِ

”سیاہ یا کمیت گھوڑا خریدو جس کی پیشانی پہ سفیدی ہو اور ناک پہ سفیدی ہو مگر دائیں ٹانگ پہ سفیدی نہ ہو کیونکہ یہی بابرکت گھوڑے ہیں“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنھوں نے گھوڑوں کو انسان کے لیے مطیع کیا اس لیے کہ اس سے قبل تو گھوڑے وحشی اور جنگلی جانور تھے۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ ”گھوڑوں پہ سواری کرو اس لیے کہ وہ تمھارے باپ اسماعیلؑ کی میراث ہیں“ چنانچہ گھوڑوں کے متعلق علامہ حلبی[29*] روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ پہ وحی نازل فرمائی کہ وہ مقام اجیاد کی طرف جائیں اور اجیاد عرب کا ایک مشہور مقام ہے جہاں قبیلہ عمالقہ کے سو بہترین آدمی قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ مقام اجیاد پہنچے اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ یہاں دُعا مانگو تمہیں خزانہ عطا کیا جائیگا۔ حضرت اسماعیلؑ نے وہ دُعا مانگی جو ان کو اللہ کی طرف سے سکھائی گئی تھی تو سرزمین عرب کا کوئی گھوڑا نہ تھا جو اِن کے حضور پیش نہ ہو گیا ہو اور سر جھکا کر خود کو ان کے حوالے نہ کر دیا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو حضرت اسماعیلؑ کے لیے ذلیل و تابع کر دیا تھا۔ اس لیے ان گھوڑوں پہ سواری کیا کرو اور انھیں چارہ کھلایا کرو کیونکہ وہ باعث خیر و برکت ہیں اور تمھارے باپ اسماعیل کی میراث ہیں۔

علامہ حافظ سیوطی نے [30*] بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب گھوڑے کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جنوب کی ہواؤں سے کہا میں تجھ سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اس کو میرے تابعداروں کے لیے عزت بنا دے اور میرے دشمنوں کے لیے ذلت کا سبب کر دے اور میری اطاعت کرنے والوں کے لیے حسن و زینت بنا دے۔ جنوب کی ہوا نے کہا جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں ضرور کیجیے اس پر قادر متعلق نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور گھوڑے کو تخلیق فرمایا پھر اس سے ارشاد فرمایا: ”کہ میں نے تجھے عربی بنا کر پیدا کیا ہے اور تیری پیشانی میں خیر و برکت جما دی ہے اور نعمتوں کو تیری پیٹھ میں جمع کر دیا

ہے اور تیرے اوپر تیرے مالک کو مہربان کر دیا ہے''۔ وہیں ایک اور روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پہ اپنی تمام مخلوقات کو پیش کیا تو انھوں نے گھوڑے کو پسند کیا اس پہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پسند کی تعریف کی اور کہا تُو نے جو چیز پسند کی ہے وہ تیرے اور تیری اولاد کے لیے قیامت تک عزت کا باعث ہوگی زمین پر جب تک تیری اولاد زندہ رہے گی یہ اس کا ساتھ دے گا چنانچہ آج تک یہ امر مصدقہ ہے کہ عربی گھوڑے ہی دنیا کے بہترین گھوڑے ہیں۔

جنگوں میں عربوں کا سب سے بڑا ساز و سامان یہی گھوڑے ہوا کرتے تھے اور انھی پر ان کی جنگوں کا دارومدار ہوتا تھا۔ کروفر کی جنگ میں انھیں کے ذریعے وہ پیچھے ہٹ کر وہ دوبارہ حملہ کرتے تھے۔

عرب جب کسی سے جنگ کے لیے نکلتے تو اپنے گھوڑوں کو آرام دینے کی خاطر ان پہ سوار نہ ہوتے بلکہ ان کی لگام تھامے اپنے اونٹ پر ہی سوار رہتے اور ان کے گھوڑے اِک احساسِ تفاخر کے ساتھ ان کے ہمراہ خراماں رہتے پھر جب وہ اپنے دشمن کے قریب پہنچتے اور ان پہ یورش کرنے کا ارادہ کرتے تو وہ اپنے اونٹوں سے اتر آتے اور اپنے گھوڑوں پہ سوار ہو جاتے۔ وہ خود کو دشمن کے تعاقب سے بھی باخبر رکھتے اور اس سے پہلے کہ دشمن ان پہ حملہ آور ہو وہ اپنے گھوڑوں پہ سوار ہو جاتے اور اپنی تلواروں کی چمک سے دشمن کو یہ پیغام دیتے کہ وہ بے خبر نہیں ہیں۔

چنانچہ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ:

النَّازِلِیْنَ بِکُلِّ مُعْتَرِكٍ

والطَّیِّبِیْنَ مَعَاقِدَ الأُزُرِ

''اور یہ لوگ ہر میدان جنگ میں اپنی سواریوں سے نیچے اتر کر لڑتے ہیں اور یہ لوگ ہر قسم کی بدکاری سے پاک ہیں''

❖❖❖❖❖❖❖

بعض اہل علم نے اس شعر کی تشریح میں کہا ہے کہ عربوں کے مابین جنگوں میں جب میدان گرم ہوتا اور جگہ تنگ ہو جاتی اور گھمسان کا رن پڑتا تو یہ لوگ دادِ شجاعت دینے کے لیے اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر آتے

پیدل لڑتے اور ایک دوسرے کو نزال نزال کہہ کر پکارتے چنانچہ۔ایک عرب شاعر ربیعہ بن مقروم الضبی کہتا ہے کہ:

وَلَقَدْ شَهِدْتُ الخَيْلَ يَوْمَ طِرَادِهَا
بِسَلِيْمِ أَوْظِفَةِ القَوَائِمِ هَيْكَلِ

''اور گھوڑ سواروں کے حملے کے دن میں بھی ایک صحیح وسالم ٹانگوں والے قوی ہیکل گھوڑے کو لے کر وہاں موجود تھا''۔

قَدَعَوْا نَزَالِ فَكُنْتَ أَوَّلَ نَازِلِ
وَعَلَامَ أَرْكَبُهُ إِذَا لَمْ أَنْزِلِ

''پھر انھوں نے ایک دوسرے کو نیچے اتر کر جنگ کرنے کے لیے پکارا تو میں پہلا شخص تھا جو گھوڑے پر سے اتر کر آیا اور اگر میں گھوڑے پر سے نہ اتر سکتا تھا تو میں اس پہ سوار ہی کیوں ہوا تھا''۔

چنانچہ ابن السید کہتا ہے کہ جنگ میں گھوڑے سے دو طرح سے اترا جاتا ہے ایک طریقہ تو وہی ہے جس کا ذکر ابھی اوپر گزرا ہے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ جنگ کی ابتدا میں ہی اونٹوں سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہو جائیں تاکہ وہ تیزی سے دشمن پہ غارت ڈال سکیں۔ایک اور مورخ ''لخمی'' کہتا ہے کہ عرب صرف غارت گری کے وقت ہی اونٹوں سے اتر کر گھوڑے پہ سوار ہوا کرتے تھے اور عربوں کے سواری سے اترنے کے متعلق ابن اسید کا خیال ہے کہ یہ صرف اونٹوں سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہونا تھا۔مگر حقیقت اس سے مختلف ہے اس لیے کہ ربیعہ کا اپنے شعروں میں '' **النازنین الخ** '' کہنے سے اسی بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ عرب خواہ گھوڑوں پہ سوار ہو کے جنگ کر رہے ہوں خواہ پیدل اس سے ان کی حالت میں

کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ یہ عرب اپنے گھوڑوں سے کودنے میں بیباک تھے کیونکہ جنگ میں مختلف لوگوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ ایسے موقع پر صرف بہادر شجاع اور قوی لوگ ہی اپنی سواریوں سے اترتے ہیں۔ شاید اسی لیے کسی موقع پر عربوں کے سردار شاعر مہلہل نے کہا تھا کہ:

لَمْ یُطِیقُوا اَنْ یَنزِلُوْا فَنَزَلْنَا
وَاَخُوالْحَرْبِ مِنْ اَطَاقَ النُّزُوْلَا

''کہ ان میں اترنے کی قدرت نہ تھی لہٰذا ہم اتر آئے اور جنگجو تو وہی ہے جو سواری سے اترنے کی طاقت رکھتا ہو''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

عرب گھوڑوں کی تربیت پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ عہد جاہلیت میں بھی اور عہد اسلام میں بھی۔ اپنے گھوڑوں سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ خود بھوکے سوئیں تو سوئیں مگر ان کا گھوڑا کسی بھی حالت میں بھوکا نہ سوتا۔ وہ اسے اپنی ذات پہ ترجیح دیتے اور اہل و اولاد سے زیادہ محبت کرتے جیسا کہ عرب کے جاہلی ادب سے واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ عربوں کا ایک شاعر جعفی اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ:

اَلْخَیْرُ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَمَاغَرَبَتْ
مُعَلَّق بِنَواصِی الخَیر مَعْقُود

جب تک سورج طلوع اور غروب ہوتا رہے گا نیکی گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں کے ساتھ لٹکی اور بندھی رہے گی''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور طفیل غنوی کہتا ہے :

وَلِلْخَيْلِ أَيَّامٌ فَمَنْ يَصْطَبِرْ لَهَا
وَيَعْرِفْ لَهَا أَيَّامَهَا الْخَيْرَ يُعْقَبِ

کہ گھوڑوں کے دن ہوتے ہیں لہٰذا جو ان دنوں میں ثابت قدمی دکھائے گا اور ان کو پہچانے گا اسے نیک انجام حاصل ہوگا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور بنی عامر کا ایک شاعر کہتا ہے کہ :

بَنِی عَامِرٍ مَاذَا أَرَى الْخَيْلَ أَصْبَحَتْ
بِطَانًا وَبَعْضُ الضُّرِّ لِلْخَيْلِ أَمْثَلُ

اے بنی عامر کیا وجہ ہے کہ میں گھوڑوں کو بڑے پیٹ والا دیکھتا ہوں اور بعض مرض ایسے ہوتے ہیں جو گھوڑوں کے لیے بہتر خیال کیے جاتے ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بَنِی عَامِرٍ إِنَّ الْخُيُولَ وِقَايَةٌ
لِأَنْفُسِكُمْ وَالْمَوْتُ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

اے بنی عامر گھوڑے تمھاری ذات کے لیے بچاؤ کا ذریعہ ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ موت کا ایک وقت متعین ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

أَهِينُوا لَهَا مَا تُكْرِمُونَ وَبَاشِرُوا
صِيَانَتَهَا وَالصَّوْنُ لِلْخَيْلِ أَجْمَلُ

جن چیزوں کی تم تعظیم کرتے ہوان کو ان گھوڑوں کے لیے ذلیل سمجھو اور ان کی حفاظت کرتے رہو کہ اپنے گھوڑے کی حفاظت کرنا ہی زیادہ مناسب ہے"۔

مَتٰی تُکرِمُوهَا یُکرِمُ المَرءُ نَفسَهٗ
وَکُلُّ امرِیءٍ مِنْ قَومِہٖ حَیثُ یُنزِلُ

جب تم ان گھوڑوں کی تعظیم کروگے تو تم اپنی ذات کی عزت کروگے پر انسان اپنی قوم میں اسی منزلت پہ ہوتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو رکھے"۔

قریش کا ایک شاعر کہتا ہے کہ :

اَتَّقِی دُونَہٗ المَنَا یا بِنَفسِیْ
وَھُوَ یَغشٰی بِنَا صُدُورَ العَوَالِیْ

میں گھوڑے کے آگے ہو کر اپنی ذات کا موت سے بچاؤ کرتا ہوں اور گھوڑا ہمیں لیکر نیزوں کی نوکوں پر چڑھ جاتا ہے"۔

فَاِذَا مِتُّ کَانَ ذَاكَ تُرَاثِیْ
وَسِخَالاً مَحمُودَةً مِنْ سِخَالِیْ

جب میں مروں گا تو یہی میرا ترکہ ہوگا اور کچھ لیلے بھی ہوں گے جو قابل تعریف ہوں گے"۔

اور ابن لبید کہتا ہے :

مَعَا قِلُنَا الَتِیُ نَاوِیُ اِلَیُهَا

بَنَاتُ الْاَعُوَجِیّةِ وَالسُیُوُفُ

ہمارے قلعے جن کے پاس ہم پناہ لیتے ہیں وہ ہماری اعوجی گھوڑیاں ہیں یا ہماری چمکدار تلواریں ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور ضُبَیعہ عبسی کہتا ہے:

جَزَی اللّٰہ الاَ غَرَّ جَزَاءِ صِدُقٍ

اِذَا مَا اُوقِدَتُ نَارُالحَرُوُبِ

خدا میرے گھوڑے اغر کو عمدہ جزا دے جب جنگوں کی آگیں بھڑکا دی جاتی ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

یَقِیُنُی بِاللَّبَسانِ وَمَنکبَیُہِ

واُحمِیُہِ بِسمُطَّرَدِ النکُعُوبِ

تو یہ گھوڑا (اغر) اپنے سینے اور دونوں کندھوں کے ذریعے مجھے دشمن کے نیزوں سے بچاتا ہے اور میں اس کو اپنے نیزے کے ذریعے دشمن کے حملے سے بچاتا ہوں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَادُ فِيهِ اِذَا هَبَّتْ شَمَالٌ
بَلِيْلٌ حَرجَفٌ عِنْدَالغُرُوْبِ

اور جب نمی والی سرد اور تند بادِ شمال سورج غروب ہونے کے وقت چلتی ہے تو میں اسے سردی سے بچانے کے لیے گرم کپڑا پہنا دیتا ہوں“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اُرَاهُ اَهْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يَسْعٰى
رِعَاءُ الحَيِّ فِي جَمْعِ الحُدُوبِ

جب قبیلے کے چرواہے دودھ دینے والی اونٹنیوں کے جمع کرنے میں لگے ہوں اس وقت میں اس گھوڑے کو اس بات کا اہل سمجھتا ہوں کہ لوگ تو دودھ دوھنے والی اونٹنیوں کو جمع کر رہے ہوتے ہیں اور مجھے یہ فکر ہوتی ہے کہ میرے گھوڑے کو سردی نہ لگ جائے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَيَخْفِقُ مَرَّةً وَيُفِيدُ اُخْرٰى
وَيُفجِعُ ذَا الضَّغائنِ بِالارِيْبِ

کبھی یہ ناکام رہتا ہے اور کبھی فائدہ پہنچاتا ہے اور کینہ وروں کو کسی ہوشیار آدمی کا قتل دکھی کر دیتا ہے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اِذَا سَمُنَ الاغرّ دَنَا لِقَاءٌ
یغُصّ الشَیْخَ بِاللَّبَنِ الحَلِیْب

اور جب اغر موٹا ہو جاتا ہے تو کوئی جنگ قریب آ جاتی ہے جس کی شدت کی وجہ سے تازہ دودھ بھی بوڑھے کے گلے سے نیچے نہیں اترتا''۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

شَدِیْدُ مُجَامِعِ الکَتِفَیْن طِرْفٌ
بَیِهِ اَثَرُ الاسِنَّۃِ کَالعُلُوْبِ

اور اس کے کندھوں کا درمیانی حصہ مضبوط ہے یہ اصیل گھوڑا ہے نیزوں کے لگے ہوئے زخم تلوار کے زخموں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

وأُکرِھُہٗ عَلَی الأَبْطَالِ حَتّٰی
یُریٰ کالارُجوَانّی المَجُوبِ

میں اسے بہادروں پر حملہ کرنے پر مجبور کرتا ہوں یہاں تک کہ یہ خون سے رنگنے کی وجہ سے پھٹے ہوئے سرخ رنگ کی طرح دکھائی دینے لگتا ہے یعنی خون میں رنگا دکھائی دیتا ہے''۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

اَلَسْتَ بِصَاحِبِی یَومَ التَقَینَا
بِسِیْفَ وَصَاحِبِی یوم الکثِیْبِ

اور جب ہم سیف کے مقام پر دشمنوں سے ملے تھے تو کیا تو اس وقت میرا ساتھی نہ تھا اور کثیب کے دن بھی''۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

بعض لوگوں نے روایت کی ہے کہ یہ اشعار شداد کے ہیں مگر ابو محمد الاعرابی کتاب الخیل میں کہتا ہے کہ ابو الندی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ اغر شداد کا گھوڑا تھا اس کے مطابق اغر ضبیعہ بن الحارث کا گھوڑا تھا اور یہ اشعار بھی اسی کے ہیں۔"

لَوْلَا اعتراضٌ فی الأغَرّ واجُوا ۃٌ
لَفَعَلْتُ فَا قِرَۃً بِجِیْش مُقیدْ

اگر میرے گھوڑے اغر میں جرأت اور دشمنوں کے سامنے آنے کی خوبی نہ ہوتی تو میں مقید کی فوج کو ناکوں چنے نہ چبوا سکتا"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

ابو محمد اعرابی کے مطابق یہاں مقید سے مراد عامر بن طفیل بن مالک الجعفری ہے۔ کیونکہ اس نے رقم کی جنگ میں عربوں کو اپنے خون کا بدلہ لینے کی اجازت دی تھی۔ عنترہ بن شداد بن معاویہ جس کا تعلق بنی مخزوم سے تھا کہتا ہے کہ اس کی والدہ ایک سیاہ حبشی عورت تھی اور عنترہ بھی سیاہ فام عربوں میں سے تھا وہ ایک معلقہ کا مصنف بھی ہے اور یہ اشعار اسی معلقہ سے متعلق ہیں۔

وَیَمْنَعُنَا مِنْ کُل ثَغْرٍ نَخَا فُہ'
اَقَبُّ کَسُرحَانِ الا بَا ءَۃِ ضَا مِر'

اور ہمیں سرحدی علاقے سے ایک ایسا گھوڑا بچاتا ہے جو دبلا پتلی کمر والا اور نیستان کے بھیڑیے کی طرح ہے"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَكُلٌّ سَبُوحٍ فِی العِنانِ کَاَنَّھَا
اِذَا اغْتُسِلَتْ بِالمَاءِ فَتْخَاءُ کَاسِرٌ

اور ہر وہ گھوڑا ہمیں بچاتا ہے جو باگ میں تیز رفتار ہے اور جب اسے پانی سے نہلایا جائے تو وہ تیزی میں نیچے اترنے والے عقاب کی طرح معلوم ہوتا ہے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تُسمِی وَتُصبِحُ فَوقَ ظَهرِ حَشِيَّةٍ
وَاَبِيتُ فَوقَ سَرَاةِ اَدْھَمَ مُلجَمٍ

اور میری محبوبہ اپنی صبح و شام گدوں پر گزار دیتی ہے مگر میں سیاہ لگام ڈالے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا رات گزار دیتا ہوں“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَحَشِيَّتِی سَرْجٌ عَلَی عَبْلِ الشَّوَی
نَھْدٍ مَرَا کِلُهُ نَبِيلِ المَحْزِمِ

اور میرا گدا وہ زین ہے جو موٹی ٹانگوں والے موٹے پہلوؤں والے اور تنگ باندھنے کی موٹی جگہ والے گھوڑے پر رکھی ہے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

هَلْ تُبلِغَنِّی دَارَھَا شَدَنِيَّةٌ
لُعِنَتْ بِمَحْرُومِ الشَّرَابِ مُصَرَّمِ

کیا مجھے محبوبہ کے گھر تک وہ شدنی اونٹنی پہنچا دے گی جسے یہ بد دعا دی گئی ہو کہ اس کا دودھ خشک ہو جائے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

خَطَّارَۃٌ غِبَّ السُّرٰی ذَیَّافَۃٌ
تَقِصُ الاکَامَ بِذَاتِ خُفٍّ مِیثَمِ

میری گھوڑی رات بھر چلنے کے بعد بھی دم ہلا ہلا کر تیز رفتاری سے چلتی ہے اور ایسی ٹانگوں سے جن میں زور سے پڑنے والے پاؤں میں ٹیلوں کو کاٹتی چلی جاتی ہے“۔

اِنِّیْ وَاِنْ قَلَّ مَا لِیْ لَا یُفَارِقُنِیْ
مِثْلُ النَّعَامَۃِ فِیْ اَوْصَالِہَا طُوْلُ

خواہ میں محتاج ہی کیوں نہ ہو جاؤں پھر بھی میرے پاس شتر مرغ کی طرح کی ایک گھوڑی رہے گی جس کے جوڑ لمبے ہوں گے“۔

تَقْرِیْبُہَا المَرَطٰی وَالجَوزُ مُعتَدِلٌ
کَاَنَّہٗ سُبَدٌ بِالْمَاءِ مَغْسُوْلٌ

اس کا پویہ دلکی کی طرح ہے، اس کا سینہ معتدل ہے اور وہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ابابیل پرندے کو پانی سے دھویا گیا ہو“۔

اَوْسَاہِمُ الْوَجْہِ لَمْ تُقْطَعْ اَبَاجِلُہٗ
یُصَانُ وَ ھُوَلِیَوْمِ الرَّوعِ مَسْبُذُوْلٌ

یا (میرے پاس) ایسا گھوڑا ہوگا جس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہوگا جس کی ٹانگوں کی رگیں کٹی ہوئی نہیں ہیں اور اسے محفوظ رکھا جاتا ہے مگر جنگ کے دن اسے فراخ دلی سے خرچ کیا

جاتا ہے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

نَمَّا رَا يْتُ قَبِيْلَةً مَسعُودَ ةً
بَا لخَيل يُسُوقُهَا الرّهانُ ويُحْلِب

جب میں نے قبیلے کو گھوڑوں سے سعادت مند پایا اور دیکھا کہ ان کی اعانت و مدد گھوڑوں کی دوڑ سے ہوئی ہے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

صَا فَيْتُ مَنهُوسَ اللّبَان كَانَهُ
بَاذِ تَرَا وحَهُ اليَدَان مُدَرُب

تو میں نے ایک ایسے گھوڑے کو منتخب کیا جس کی چھاتی پر گوشت کم تھا اور وہ سدھایا ہوا باز معلوم ہو رہا تھا جسے باری باری دونوں ہاتھوں پہ لیا جاتا ہے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَإذَا تَصفَّحَهُ الفَوَارِس مَعرضًا
فَتَقُولُ سِرْحَانُ الغَضا المُتَنَصِّبُ

اور جب گھڑسوار اسے سامنے سے آتے ہوئے غور سے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو غضا کے جنگل کا بھیڑیا ہے“۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

روایت ہے کہ عہدِ جاہلیت میں کسی بادشاہ نے ایک عرب شاہسوار سے اس کا گھوڑا طلب کیا سوار کا نام عبیدۃ بن ربیعہ تیمی تھا اور اس کی گھوڑی کا نام سکاب تھا تاہم اس سوار نے بادشاہ کو گھوڑا دینے

سے انکار کر دیا اور اس موقع پر یہ شعر کہے جس میں اہل عرب کی گھوڑوں سے گہری نسبت کا پتا چلتا ہے۔"

اَبَیْتَ اللَّعْنَ اِنَّ سَکَابِ عِلْقٌ
نَفِیْسٌ لَا یُعَارُ وَلَا یُبَاعُ

اے بادشاہ تو لعنت قبول نہ کرے اور میری سکاب نامی گھوڑی عمدہ اور محبوب ہے جسے نہ عاریتاً دیا جاسکتا ہے اور نہ بیچا جاسکتا ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

مُفَدَّاۃٌ مُکَرَّمَۃٌ عَلَیْنَا
یُجَاعُ لَھَا العِیَالُ وَلَا تُجَاعُ

اس پر ہم فدا ہوتے ہیں ہم اس کی عزت کرتے ہیں اور ہم اس کی خاطر اپنے اہل وعیال کو بھوکا رکھتے ہیں مگر اس (سکاب) کو کسی کی خاطر بھوکا نہیں رکھتے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

سَلِیلَۃٌ سَابِقَیْنَ تَنَاجَلَاھَا
اِذَا نُسِبَا یُضُمُّھُمَا الکِرَاعُ

یہ گھوڑی (سکاب) دوسبقت لے جانے والوں کی نسل سے ہے اور انھوں نے ہی اسے جنا ہے اور جب اس کا نسب بیان کیا جائے تو وہ کراع نامی نر پہ جا ٹھہرتا ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَفِیْھَا عِزَّۃٌ مِنْ غَیْرِ نَفْرٍ
یُحَیِّدُھَا اِذَا حَرَّ الْقِرَاعُ

اس میں ہمارے لیے عزت ہے اور جب جنگ زوروں پر ہو تو یہ گھوڑی بھاگتی نہیں کہ بلکہ

میدان جنگ میں مشغول رہتی ہے"۔

فَلَا تَطْمَعْ اَبَیْتَ اللَّعْنَ فِیْھَا
وَمَنْعُکَھَا بشَیً یُسْتَطَاع
خدا کرے لعنت تجھ سے دور رہے تو اس گھوڑی کو حاصل کرنے کی خواہش نہ کر اور ہم نے جو تمہیں اس بات سے روکا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ ہم میں روکنے کی طاقت پائی جاتی ہے"۔

ایک اور شاعر کہتا ہے کہ:

وَکَفِّیْ تَستَقِلُّ مَجمِلِ سَیْفِیْ
رِبِیْ مِّمنْ تَھضَّمَنِیْ امتنَاعٌ
میرا ہاتھ تلوار اٹھانے کو معمولی بات سمجھتا ہے اور مجھ میں ان لوگوں سے محفوظ رہنے کی قوت پائی جاتی ہے جو مجھ پر ظلم کرنا چاہیں"۔

وحَوْلِی مِنْ بنی قُحفان شِیْبٌ
وشُبَّا نٌ اِلَی الھَیْجا سِراعٌ
اور میرے ارد گرد بنی غفطان کے وہ بوڑھے اور نوجوان ہیں جو سرعت سے جنگ کی طرف جاتے ہیں"۔

اَذا فَزِعُوْا فَاَمْرُهُم جَمِيْعٌ

وَاِن لاقُوا فَاَيَدِيْهُمْ شُعَاعٌ

اور جب یہ خوف زدہ ہوتے ہیں تو تمام متفق ہو کر سوچتے ہیں اور جب دشمن سے جنگ میں ملتے ہیں تو ان کے ہاتھ مختلف ہوتے ہیں، یعنی وہ ہر سمت پھیل جاتے ہیں“۔

کوئی اور شاعر کہتا ہے کہ :

شَدَخَت غُرَّةُ السَّوابِقِ مِنهُمْ

فِی وُجُوهٍ مع اللِّمَام الجِعَادِ

سبقت لے جانے والے گھوڑوں کی سفیدی ان کے چہروں میں اس قدر پھیل گئی تھی کہ ان کی گھنگریالی لٹوں تک جا پہنچی تھی“۔

مِكَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدبِرٍ معاً

كَجُلْمُودِ صَخْرٍ حَطّهُ السيل مِنْ عَلِ

یہ معاً مڑ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا اور معاً سامنے آنے والا ہے اور پیٹھ دے کر مڑ جانے والا ہے اور اس کی ہر حرکت اس قدر تیز ہے کہ گویا کسی بھاری اور بڑے پتھر کو سیلاب نے بلندی سے پھینک دیا ہو [31*]“۔

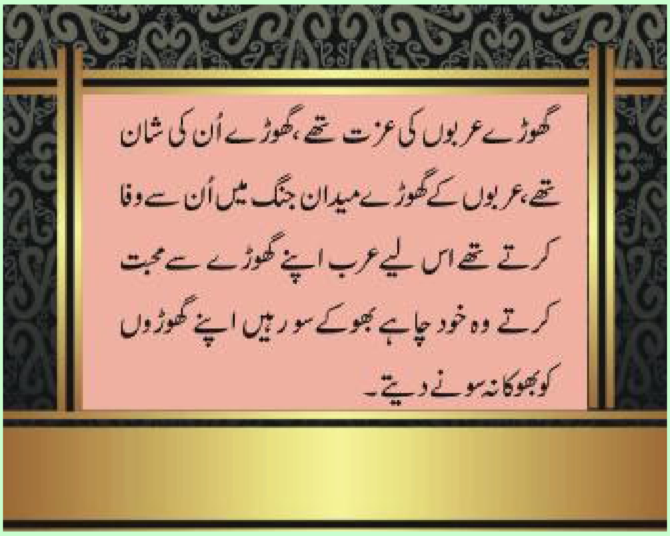

عہدِ جاہلیت کے عرب شعرا کے کلام نے ہم پہ اس بات کو واضح کیا کہ عرب گھوڑے سے کس قدر محبت کرتے تھے اور اِن کے ہاں اس جانور کی کیا قدر و منزلت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی چیز کو لگاتار کرتا رہے اور اسے چھوڑے نہیں تو اوروں کے مقابلے میں وہ اس چیز کے حالات کو بہتر جانتا اور سمجھتا ہے۔ عرب چونکہ ایک مدت مدید تک کر و فر میں آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں لگے رہے اور شاید ہمیشہ ہی اپنے دشمن کے مقابل صف آرا رہے، ان کی فوجیں آپس میں گھتم گتھا رہیں ان کی جھنڈیاں لہراتی اور جھنڈے بلند رہے۔ ان کے علم حرکت میں رہے اور فوجیں ایک دوسرے کے سینے ٹٹولتی رہیں اور ان کے نیزے ایک دوسرے کے خون کے ذائقے سے آشنا ہوتے رہے ان کے شہ سوار تیغ چلاتے رہے اور تیر اندازوں کی کمانیں مشغول رہیں ان کے گھوڑے ہنہناتے رہے اور ان کے درمیان جنگوں کی آگیں روشن رہیں۔ لہٰذا ان کے گھوڑے ہی ان کا سب سے بڑا ساز و سامان ہوتے اور حصولِ مقصد کے لیے بہت ہی کارگر آلہ ہوتے۔ بلکہ ان کے گھوڑے ان کے لیے مضبوط قلعوں کا کام دیتے اور ان کے ہمیشہ باقی رہنے

والے خزانے ثابت ہوتے ان کی بلند مقام عزت ہوتے اور پناہ گاہ بھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انھیں گھوڑوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اوصاف کے متعلق اس قدر معلومات حاصل تھیں جو دیگر اقوام کو حاصل نہ تھیں۔ اس معاملے میں وہ اوروں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اہل عرب کو گھوڑوں کی بیماریوں کے متعلق اوران کے علاج کے متعلق اس قدر ادراک حاصل تھا کہ ان معاملات میں ان کے بچے بھی دوسری اقوام کے بوڑھوں سے آگے تھے۔ اس بات کے بہت سے شواہد ان کتابوں میں موجود ہیں جو خاص انھی عنوانات پہ لکھی گئی ہیں جہاں ان کا ذکر بسیط پایا جاتا ہے۔ ہم اپنے بیان کی تائید میں صرف ایک ہی واقعہ کے بیان پہ اکتفاء کریں گے۔ ابوبکر بن درید نے روایت کی ہے کہ مجھے میرے چچا نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے کلبی سے روایت کی اور کلبی نے اپنے باپ سے سنا کہ عربوں کی پانچ لڑکیاں ایک جگہ اکٹھی ہوئیں اور انھوں نے ایک دوسرے سے اپنے اپنے باپ کے گھوڑوں کی صفات بیان کیں۔"

پہلی لڑکی نے کہا:

میرے والد کی گھوڑی گلابی رنگ کی ہے اور یہ گلابی رنگ کی گھوڑی کیا ہے، اس کا پچھلا حصہ ایسا ہے جیسے بچوں کے پھسلنے کی جگہ ہو، اس کی پیٹھ ہموار اور پیٹ وسیع ہے، اس کا نفس نشاط سے لبریز ہے اور نگاہ دور تک جاتی ہے، اس کی ٹانگیں پتھروں کو ٹھوکر لگا کر دور پھینک دیتی ہیں، اس کے ہاتھ سریع الحرکت ہیں اور جب یہ اچانک چلتی ہے تو تب بھی اس کی رفتار تیز ہی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد جب یہ رواں ہوتی ہے تو سب پہ غالب آجاتی ہے۔"

دوسری لڑکی نے کہا:

میرے والد کے گھوڑے کا نام " **لَعَّاب**" ہے اور لعاب کیا ہے؟ وہ بادل کی بوچھاڑ ہے اور جنگل ہے کہ شعلہ زن ہو، اس کے جوڑ مضبوط اور اس کی گردن اونچی ہے، اس کی پیٹھ کے مہرے ایک دوسرے کے اندر اچھی طرح دھنسے ہوئے ہیں اور اس کا سوار اصیل گھوڑے کا مالک ہے، اور اس کا شکار ہر وقت تیار اور حاضر رہتا ہے، وہ سامنے سے آئے تو تیز رفتار ہرن کی طرح ہے اور اگر مڑ کر

پیچھے کی طرف جائے تو مست شتر مرغ کی طرح دکھائی دیتا ہے اگر دلکی چلے تب بھی وہ کسی دوڑ نے والے گدھے پر غالب آئے۔"

تیسری لڑکی نے کہا:

میرے باپ کی گھوڑی " **حَذَمَہ** " ہے اور حذمہ کیا ہے؟ جب وہ تمھاری طرف چل کر آئے تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ وہ سیدھا کیا ہوا نیزہ ہے اور پیٹھ دے کر جائے تو کسی گول پتھر کی طرح دکھائی دیتی ہے اگر عرض میں دکھائی دے تو تیز رفتار مادہ بھیڑیے کی طرح معلوم ہوتی ہے اس کے پہنچے مضبوط ہیں اور گھٹنوں کے جوڑ مستحکم ہیں اس کی چال تیز اور پویہ ایسے ہے جیسے کوئی پرندہ جھپٹ کر نیچے کو آئے۔"

چوتھی لڑکی نے کہا:

کہ میرے باپ کی گھوڑی کا نام " **ضَیْـــفَّق** " ہے اور ضَیْفَّق کیا ہے؟ اس کے رخسار کی ہڈیاں کم گوشت ہیں اور باچھیں فراغ ہیں اس کی کھال ہموار ہے اور یہ بہت جسیم ہے اس کی گردن تلوار کی طرح ہے اور یہ تیزی سے کودتی ہے یہ مکڑی کی طرح تیز رفتار ہے اور خوب غبار اڑاتی ہے، اس کا پویہ بھی دوڑ کے برابر ہے اور اس کا حضر یعنی تیز خرامی میں بجلی کا سا اضطراب ہے۔"

پانچویں لڑکی نے کہا:

کہ میرے باپ کی گھوڑی " **هُذْلُول** " ہے اور ھذلول کیا ہے؟ کہ جس جانور کا یہ پیچھا کرے اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اسے کسی نے رسیوں میں جکڑ دیا ہو، اور ھذلول کا تعاقب کرنے والا یوں محسوس کرتا ہے گویا کسی نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں ہیں، ھذلول کے ہونٹ پتلے اور جوڑ مضبوط ہیں اور اس کے تنگ باندھنے کی جگہ ضخیم ہے یہ اس قدر زور سے چلتی ہے کہ زمین کو چیرتی اور پتھروں کو اڑاتی چلی جاتی ہے اس کے کندھے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں اور سموں کے اطراف اونچے ہیں اس کے بال بٹے ہوئے ہیں مگر گھنگریالے نہیں ہیں اس کی گردن ایسی نرم ہے کہ ہر طرف

کو آسانی سے مڑ جاتی ہے اور اس کے ہنہنانے کی آواز اچھی طرح سے سنائی دیتی ہے اس کی کھال صاف اور اس کی پیشانی کے بال گھنے ہیں اور ایال کافی ہیں۔‘‘

چنانچہ گھوڑوں کے متعلق ان بچیوں کے خیالات جو ابھی بلوغت کی منزل تک بھی نہ پہنچیں تھیں اور جنھوں نے کسی قسم کے بھی فنون و علم کی تحصیل نہ کی تھی کسی عجوبے سے کم نہیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی کہا فی البدیہ کہا اس لیے کوئی ماہر فن ہی اس بات کو پا سکتا ہے کہ عربوں میں گھوڑوں کے متعلق کس حد تک سوجھ بوجھ پائی جاتی تھی۔ گھوڑوں کے معاملے میں ان کی قوت فہم اور ادراک نہایت اعلیٰ سطح پہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں کس قدر ذکاوت، دقائق، حقائق سے باخبری اور شرینی گفتار کے ساتھ کس قدر فصاحت عطا کر رکھی تھی۔ چونکہ ان لڑکیوں نے گھوڑوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے جس فصاحت بیانی سے کام لیا ہے اور ان کے کلمات جن عبارات پر مشتمل ہیں ان کے معنی بہت سے لوگوں پہ آشکارا نہ ہوں گے اس لیے ان کے مبہم اور مشتبہ معانی کی وضاحت کرنا ضروری ہو گیا۔ چونکہ ان کے بیان میں گھوڑوں کے عیب و محاسن کا بسیط تذکرہ بھی موجود ہے اس لیے ہم مقدور بھر ان الفاظ کی تشریح کرتے ہیں جو عام استعمال میں نادر ہیں۔‘‘

چنانچہ پہلی لڑکی کا یہ کہنا کہ ’’ **فَرَسُ اَبِیْ وَرْدَۃٌ وَ مَا وَرْدَۃٌ** ‘‘

یہ ان کے لطیف محاورات میں سے ایک ہے عربوں کی عادت تھی جب کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کے لیے مخاطب کو شوق دلانا مقصود ہو تو وہ اجمال اور تفصیل سے کام لیتے۔ یعنی مخاطب کو کیسے معلوم ہو کہ وہ گھوڑی کیا ہے اور اس سے ان کی غرض اس گھوڑی کے اصیل اور عمدہ ہونے میں تاکید کرنا ہوتی ہے یہاں تک کہ یہ گھوڑی مخاطب کے دائرہ علم سے باہر ہو چکی ہے مقصد یہ ہے کہ اس گھوڑی کی عظمت و شان اور وہ اوصاف جو اس میں پائے جاتے ہیں اس قدر عظیم ہیں کہ ہر مخاطب کے ذہن کی رسائی سے باہر ہیں نہ کسی سامع کی معرفت وہاں تک پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کا وہم اس کا ادراک کر سکتا ہے اس گھوڑی کی حالت کا جو بھی اندازہ لگایا جائے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اس سے بھی عظیم تر ہے یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ استفہام سے کنایۃً مراد اس کا لازم ہے

یعنی یہ کہ اسے نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ اس کے حقیقی اوصاف تک کسی وہم وفہم کی رسائی ہو سکتی ہے چنانچہ ان پانچوں لڑکیوں نے بھی یہی عجیب طرزِ تخاطب اور بلند اسلوب زبان اختیار کیا ہے جو نہ صرف ان کے گھوڑوں کے علم پہ دلیل ہے بلکہ ان کی زبان دانی اور فصاحت پہ بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے اور عربوں کے اس دعوٰی کو تقویت پہنچاتا ہے کہ صرف وہی زبان دان ہیں اور باقی سب لوگ عجمی یعنی گونگے ہیں۔

"وردۃ"

پہلی لڑکی کے باپ کی گھوڑی کا نام وردہ ہے۔اس گھوڑی کا یہ نام یا تو اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کا رنگ گلابی ہے یا پھر اس لیے کہ اس کا رنگ گلاب سے مشابہت رکھتا ہے یا پھر اس لیے کہ اس کی گھوڑی گلاب کی طرح لطیف نرم ونازک اور خوبصورت ہے۔یہ عربوں کے ہاں کا عام دستور تھا کہ جس طرح وہ اپنے مخصوص اسباب وآلات کا نام آدمیوں سا رکھتے تھے یعنی اسم علم کی طرح رکھتے تھے۔تاکہ انھیں ان کی جنس کے دوسرے افراد کے مقابل امتیاز حاصل ہو سکے اور ان کی عزت میں اضافہ ہو سکے۔چنانچہ اس طرح اگر وہ اسم علم نہ رکھتے تو اصل مقصد میں ابہام کا پیدا ہونا ضروری تھا حالانکہ عربوں کی گفتار میں فصاحت وبلاغت پائی جاتی ہے گھوڑے تو ان کے ہاں ایسی چیز ہیں جن کا خیال رکھنا زیادہ مناسب اور ان میں امتیاز رکھنا بہت ضروری ہے اس لیے وہ گھوڑوں کے وہ نام رکھتے جو ان کے حالات کے مناسب تھے۔اہل عرب کے نامور اور مقبول گھوڑوں کا ذکر اپنی جگہ کیا جائے گا۔"

"ذات کفل مزحلق"

لڑکی کا ان الفاظ کا ادا کرنا اس لیے تھا کہ اس صفت کا اس گھوڑے میں پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا گھوڑا اصیل ونجیب ہے۔چنانچہ مزحلق کے معنی ایسے ہموار مقام کے ہیں کہ جو زلحوقہ کی طرح ہو اور زلحوقہ بچوں کے پھسلنے کی اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں وہ اوپر سے پھسل کر تیزی سے نیچے کی

طرف آتے ہیں۔

اس کا "**متن اخلق**" کہنا:

تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی کھال نرم و نازک ہے اور متن اس حصے کو کہتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈی اور پیٹھ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اخلق کے معنی ہیں ہموار اور صخرۃ خلقاء سے مراد وہ پتھر ہے جو اوپر سے ہموار ہو چنانچہ اس بچی نے یہ محاورہ استعمال کر کے دراصل یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے گھوڑے کی کھال نرم ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا گھوڑا عمدہ اور اصیل ہے اس کے برعکس کھال کا کھردرہ پن اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ گھوڑا اصیل اور نجیب نہیں ہے بلکہ اس کی نسل میں ملاوٹ کا عنصر پایا جاتا ہے۔"

اور اس کا "**وجوف اخوق**" کہنا:

یہ ہے کہ اس کا پیٹ وسیع ہے کیونکہ اخوق بمعنی واسع کے ہیں اور گھوڑوں میں پیٹ کا وسیع ہونا گھوڑوں کی عمدہ خصوصیت اور ان کی پسندیدہ صفات میں سے ہے گھوڑے کے پیٹ کی تنگی دوغلہ پن کی علامت ہے اور گھوڑوں کی ناپسندیدہ صفات میں شامل ہے۔ چنانچہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے ابن قریہ سے اصیل گھوڑے کی صفات کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بیان کیا کہ:

خدا امیر کی اصلاح کرے کہ:

عمدہ گھوڑا وہ ہوتا ہے جس کی تین چیزیں لمبی، تین چھوٹی، تین فراغ اور تین صاف ہوں۔"

حجاج نے اس سے کہا کہ اپنی بات کو واضح کرو؟

ابن قریہ نے جواب دیا کہ:

تین لمبی چیزیں یہ ہیں، کان، گردن اور بازو،

تین چھوٹی چیزیں یہ ہیں: دم کی ہڈی، پنڈلی اور پیٹھ،

تین فراغ چیزیں یہ ہیں: پیٹ، نتھنے اور پیشانی،

تین صاف چیزیں یہ ہیں: کھال، آنکھ اور سم،

****

لڑکی کے قول " **نفس مروح** " کے معنی یہ ہیں:

یہ بہت آسانی سے سانس لیتی ہے۔اس کا سانس بہت اچھی طرح اور خوب آتا ہے کیونکہ سانس کی تنگی اور اس کا مشکل سے آنا گھوڑوں میں عیب سمجھا جاتا ہے۔"

اس کے قول " **عین طروح** " کے معنی یہ ہیں:

کہ ان کے گھوڑے کی بینائی بہت تیز ہے اور دور دور تک کام کرتی ہے۔طروح کے معنی یہی ہیں اور یہ گھوڑوں کی صفات محمودہ میں شامل ہیں جو اس کے برعکس ہو اس کو گھوڑوں کا عیب شمار کیا جاتا ہے۔

اور اس کا " **رجل ضروح** " کہنا:

یہ ہے کہ اس کی گھوڑی چلنے میں بہت تیز ہے اور اس کی قوت کافی ہے وہ چلتے چلتے نہیں تھکتی اور اس کے راستے میں جو پتھر آجائے وہ اسے ٹھوکر مار کر دور پھینک دیتی ہے وہ دولتی بھی مارتی ہے۔"

****

اور اس کے قول " **یَدٌّ سَبُوح** " کے معنی یہ ہیں کہ:

یہ نرم رفتار سے چلتی ہے اس کی چال عمدہ ہے اور اپنے سوار کو نہیں تھکاتی بلکہ یوں چلتی ہے کہ اس کا سوار اپنے آپ کو کشتی پر سوار سمجھتا ہے جو پانی پر چل رہی ہو کہ سست رفتار گھوڑی اپنے سوار کو تھکا دیتی ہے اور مضطرب کر دیتی ہے۔"

اس کے قول " **بداھتھا اھذاب** " سے مراد یہ ہے کہ:

جب اسے ایڑ لگائی جاتی ہے تو یوں نہیں چلتی کہ پہلے آہستہ چلے پھر تیز بلکہ وہ بغیر کسی تکلف کے ابتداء ہی سے تیز چلنا شروع کر دیتی ہے اور **بداھۃ** اور **بدیھۃ** دونوں ہم معنی لفظ ہیں جس کے معنی ہیں

یکا یک یا اچانک اور **اھذاب** کے معنی سرعت کے ہیں۔"

اور اس کے قول "**عقبا غلاب**" کے معنی ہیں؛

کہ یہ مسلسل چلتی رہتی ہے اور تھکتی نہیں بلکہ یوں ہوتا ہے کہ جب اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے پتھر اڑتا ہے تو یہ پتھر کے گرنے سے پہلے ہی پتھر کے گرنے کی جگہ تک پہنچ جاتی ہے، تھکاوٹ کا نہ ہونا اصیل اور عمدہ ہونے کی علامت ہے اس کے مقابل جلدی تھک جانے والے گھوڑے کو دوغلا خیال کیا جاتا ہے "**عقب**" کے معنی لگاتار چلنے کے ہیں اور "**غلاب**" مصدر ہے اور "**غـالَبَتَہ**" سے مراد یہ ہے کہ وہ گویا پتھروں سے مقابلہ کرتی ہے اس کی تیز رفتاری اس مثال کی دلیل ہے کہ یہ اصیل نسل کی گھوڑی ہے۔ چنانچہ پہلی لڑکی نے اپنے باپ کے گھوڑے "**ورودۃ**" کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ یہ گھوڑا پر گوشت ہے اور اس کے چوتنڑ بڑے ہیں اس کی کھال نرم وملائم ہے اس کا پیٹ بڑا ہے یہ آسانی سے سانس لیتا ہے اس کی بینائی تیز ہے اور ٹانگیں مضبوط، اور اس کی چال عمدہ ہے جو اپنے سوار کو نہیں تھکاتی، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانی پہ چل رہا ہے، یہ سریع الحرکت ہے، بیدار مغز ہے، جب سوار اسے مہمیز لگاتا ہے تو یہ شروع ہی سے تیز رفتار حاصل کر لیتا ہے بایں ہمہ اسے تھکان لاحق نہیں ہوتی چاہے دن رات چلتا رہے۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو گھوڑے کی عمدگی پہ دلیل ہیں اور جو اس کے برعکس ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے کیونکہ ان کا شمار گھوڑے کے عیبوں میں کیا جاتا ہے۔"

****

دوسری لڑکی کے قول "**فرس ابی اللعاب و ما اللعاب غیبۃ سَحاب**" کی تشریح یہ ہے

کہ یہ تو بارش کی بوچھاڑ کی طرح ہے جب تیزی سے چلتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے آسمان سے بارش اتر رہی ہو اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس گھوڑی کا سوار کسی پہ چڑھائی کرتا ہے تو وہ سرسبزی اور ناز و نعمت میں ہوتا ہے کیونکہ یہ بمنزلہ برسنے والی بارش کے ہے یا یوں کہہ لیں کہ تیزی سے نیچے کو جانے اور چلنے میں بمنزلہ آسمان سے اترنے والی بارش کی طرح ہے۔

اوراس کا **"واضطرام غاب"** کہنا بھی اسی قسم کا ہے۔"

کیونکہ اضطرام کے معنی شعلہ زن کے ہوتے ہیں اور غاب غابۃ کی جمع ہے جس کے معنی گھنے جنگل کے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے باپ کی گھوڑی اتنی سرعت سے چلتی ہے جیسے جنگل میں آگ سرعت سے سفر کرتی ہے۔"

اوراس کے" **مترص الاوصال**" کہنے:

کے معنی یہ ہیں کہ ان کے گھوڑے کے اعضا مضبوط اور قوی ہیں اور چلتے ہوئے نہ اس کے اعضاء مضمحل ہوتے ہیں اور نہ گھوڑا تھکتا ہے، اسم **العذال** کے معنی یہ ہیں کہ اس کی گردن کا پچھلا حصہ جو اس کی لگام کے باندھنے کا مقام ہے بلند اور اونچا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کا گھوڑا اصیل ہے جس کی وجہ سے اس کے دماغ کا وزن زیادہ ہے اور وہ مالک کے اشاروں کو بہتر سمجھتا ہے لہٰذا جلدی سدھایا جاسکتا ہے جبکہ دوغلے گھوڑے میں اس کے برعکس اوصاف پائے جاتے ہیں۔"

اوراس کا" **مُلاحك المحاَلَ**" کہنے سے مراد یہ ہے کہ:

ان کے گھوڑے کی پیٹھ کے مہرے ایک دوسرے سے قریب ہیں اور ایک دوسرے سے ایسے ملے ہو ئے ہیں کہ ایک دوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہیں اور **مُلاحك** کے معنی **مُداحل** کے ہیں اور **مَحاَل مَحاَلَة** کی جمع ہے جس کے معنی پیٹھ کے مہرے کے ہیں اور فقار کا مفرد **فقَارَةٌ** ہے اس لیے جب تو کسی گھوڑے کے مہرے الگ الگ دیکھے تو سمجھ لے کہ وہ دوغلا ہے اور اس کی پیٹھ کمزور ہے اور وہ زیادہ سواری کا متحمل نہیں ہوسکتا اور اس گھوڑے کو دوغلا کہا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل میں ملاوٹ ہے۔"

اوراس کے قول **"فارسه مُجِيْدٌ"** کا مطلب یہ ہے کہ:

اس گھوڑے کا سوار ایک عمدہ گھوڑے کا سوار ہے اور عمدہ گھوڑے کی تعریف ابن القریہ کے قول میں اوپر گزر چکی ہے یعنی یہ کہ عمدہ گھوڑے کی تین چیزیں لمبی تین چھوٹی اور تین وسیع ہوتی ہیں۔ بعض

اوقات یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اس گھورے کے سوار کو جنگوں میں عمدہ گھوڑے کا سوار شمار کیا جاتا ہے اس بنا پر عرب اصیل گھوڑے کے سوار اور دوغلے گھوڑے کے سوار میں امتیاز روا رکھا کرتے اسی طرح جس طرح شریعت نے ان دونوں کے درمیان امتیاز روا رکھا ہے۔

اور اس کے قول " **صید عتید** " کے معنی یہ ہیں کہ:

جب یہ اپنے سوار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو زیادہ دور نہیں جاتا بلکہ وہ قریب ہی رک جاتا ہے اور اصیل گھوڑے کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو اس کے جسم کی بو سے پہچانتا ہے اور اس کی تکریم کرتا ہے اور جب کبھی اس کا سوار زخموں کی وجہ سے یا نشے کی وجہ سے اس کی پیٹھ سے گر جائے تو گھوڑا اپنے مالک کو اکیلا چھوڑ کر کبھی نہیں جاتا بلکہ اس کے پاس ہی رہتا ہے اور اس کے گرد چکر کاٹتا رہتا ہے جو اس کے نسلی اور اصیل ہونے کی نشانی ہے جب کہ دوغلا گھوڑا اپنے مالک کو تنہا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا۔"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور تیسری لڑکی نے جو یہ کہا کہ:

"**اِنْ اَقْبَلَتْ فَقَنَاۃٌ مُقَوَّمَہ** " تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ گھوڑی سیدھے نیزے کی طرح تیز رفتار ہے اس لیے کہ سیدھا نیزا آسانی اور سرعت کے ساتھ شکار کے پار نکل جاتا ہے اور بعض اوقات اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے " **دَقِیقَہ المُقَدَّم** کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور یہ وصف مادہ گھوڑی کے لیے عمدہ خیال کیا جاتا ہے، اس سے اگلے جملے کے الفاظ "**اِنْ اَدْ بَرَتْ فَاثفیۃ مُلَمْلَمَۃ**" میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور "**اَثِیفۃ** مفرد ہے **اَثَافِی** کا اور **مُلَمْلَمَۃ**" کے معنی ہیں گٹھا ہوا اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس گھوڑی کا پچھلا حصہ اور چوتڑ گول ہیں۔"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس کے قول "**جَرْیُھَا اِنْثرار وتقرِیْبُھَا فَذَیْبَۃ مَعْجَرَمۃ** " کے معنی یہ ہیں کہ:

وہ گھوڑی تیز اور خوش رفتار ہے اس کا سوار یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ پانی پہ چل رہا ہو اور رہی اس کی تقریب تو اس سے مراد گھوڑی کی ایک قسم کی چال ہے اور وہ چال ایسی ہے جیسے کوئی کسی پہ ٹوٹ پڑے اور یہ الفاظ گھوڑی کی طاقت اور تیزی پہ دلیل ہیں۔''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور چوتھی لڑکی کے قول کی تشریح یہ ہے کہ:

اس کا ''**خفیق**'' کہنا گھوڑی کی سرعت کی طرف اشارہ ہے اس لیے لفظ **خفق** سے سرعت کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔''**ذات ناهق مُعرق**'' کے معنی یہ ہیں کہ اس کے رخسار کم گوشت والے ہیں، **ناهق** گھوڑے کے رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں، **ناهقان** دونوں رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیاں، **معرق** کے معنی کم گوشت کے ہیں عرب ان صفات کو پسند کرتے ہیں اور انھیں اصالت کی دلیل خیال کرتے ہیں۔ ابو عبید کہتا ہے کہ گھوڑے کی فراغ باچھیں بھی اس کی اصالت پہ دلیل ہیں کیونکہ اس وجہ سے گھوڑے کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے اور **شدق** کے معنی جسم کے ہیں اور **اشدق** کے معنی بڑے جسم والے کے بھی ہیں۔''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور اس کا ''**ادیم مملق**'' کہنا یہ ہے کہ:

ان کی گھوڑی کی کھال نرم اور ملائم ہے **ادیم** کے معنی کھال کے ہیں اور **مملق** کے معنی ملائم کے ہیں اور یہ بھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اصیل اور عمدہ گھوڑے کی خصوصیات میں سے ہیں۔''

اور اس کا'' **دسیع منفنف** '' کہنا یہ ہے کہ:

اس کی گردن کی جڑ وسیع اور بڑی ہے اور **دسیع** وہ مقام ہے جہاں گردن کندھے سے جڑی ہوتی ہے **منفنف** کے معنی وسیع کے ہیں اور یہ لفظ **نفنف** سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں وہ ہوا جو آسمان و زمین کے درمیان ہو اگر گردن کی جڑ وسیع نہ ہو تو اسے گھوڑے کی ایک ناپسندیدہ خصلت تصور کیا جاتا ہے۔''

اور اس کا **ثِلِیلٌ مُسیّف** کہنے سے مراد یہ ہے کہ:

اس کی گردن تلوار کی طرح باریک ٹیڑھی اور لمبی ہے اور گھوڑوں کے عالموں نے اس کے پسندیدہ ہونے کی تصریح کی ہے لہٰذا **تلیل** بمعنی گردن اور **مسیف** بمعنی تلوار ہیں"۔

اور **وثابہ زلوج** کے معنی یہ ہیں کہ:

یہ گھوڑی بہت تیزی سے اچھلنے والی ہے اور **خفیانۃ رھوج** اس مکڑی کو کہتے ہیں جس میں سیاہ نقطے پائے جاتے ہیں جو اس کے بدن کے رنگ سے مختلف ہوتے ہیں اور گھوڑے کو اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے **خفیانۃ** کہا جاتا ہے کیونکہ اس مکڑی کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور جب اس کے بدن پہ وہ سیاہ نقطے نمودار ہوتے ہیں تب اس مکڑی کی رفتار بہت بڑھ جاتی ہے اور **رھج** کے معنی غبار کے ہیں کہ اگر چہ مکڑی تو غبار نہیں اڑاتی مگر گھوڑی جب رفتار حاصل کرتی ہے تو اپنے پیچھے گرد کا ایک ہالہ چھوڑ جاتی ہے۔"

اور **تقریبھا اھاج وحُضرھا ارتعاج** کے معنی یہ ہیں کہ:

اس کی کم از کم چال جو تقریب ہے بمنزلہ اثاج کے ہے جو تیز ترین دوڑ ہے یہی بات اس کے ہونٹ پتلے ہیں تاہم بعض شارحین نے اس معنی سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ **ملاغم** سے مراد انسان کے چہرے کا وہ حصہ ہے جو منہ کے اردگرد ہوتا ہے تاہم یہ دونوں تشریحات ہمارے مطلب کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔"

اور اسکا **امین المعقاقم** کہنے سے مراد یہ ہے کہ:

اس کے اعضاء اور اعضاء کے جوڑ مضبوط ہیں **عَبْلُ المَحزِم** کے معنی یہ ہیں کہ اس کے تنگ باندھنے کی جگہ موٹی ہے جو اصالت کی علامت ہے برخلاف اس کے کہ جب اس کے تنگ باندھنے کی جگہ موٹی نہ ہو بلکہ پتلی ہو تو یہ صفت ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے[32*]

مدحتِ بے مثال

متاخرین میں سے کسی نے لکھا ہے کہ عرب جس پہ مہربان ہوتے اسے گھوڑوں سے نوازتے۔ چنانچہ تاریخ عرب کے کسی صفحہ سے ایک عرب کا وہ بیان ہم تک پہنچا جس میں اس نے اپنے کسی مہربان کے بھیجے ہوئے ان گھوڑوں کی مدح کی ہے جو اسے موصول ہوئے اور اس مدح میں حسبِ دستور زبان کی فصاحت اور بلاغت کے اچھوتے پہلو محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جو گھوڑے آپ نے ہم کو انعام کی صورت عطا کیے وہ ہم تک پہنچ گئے ہیں اور یہ ایسے گھوڑے ہیں کہ بھلائی ان کی پیشانیوں میں جلوہ گر ہے اور ان کی پشت کسی قلعے کی طرح ہے کہ جنگوں میں انھی قلعوں کی بدولت سوار اپنے آپ کو بچاتا ہے اور پہچانتا ہے۔ ان میں کچھ گھوڑے تو **اشہب** یعنی بھورے رنگ کے ہیں جنھیں دن نے اپنا لباس پہنایا ہوا ہے اور رات نے اپنے ہلالوں پر سوار کر رکھا ہے۔ ان کی کھال تازگی کی وجہ سے موجزن اور خوشبو سے مہک رہی ہے۔ جو شخص سامنے سے ان کی لگام کے زیورات کو دیکھتا ہے تو وہ بے ساختہ کہنے لگتا ہے کہ فجر ثریا کو ساتھ لے کر طلوع ہوگئی ہے۔ اگر انھیں تنگ رستوں کا سامنا کرنا پڑے تو یہ گھوڑے سانپ کی طرح رینگ کر

چلتے ہیں۔اگر راستے کھلے ہوں تو کسی مست بادل کی طرح گزر جاتے ہیں۔کئی بار ایسا ہوا کہ ان کے سواروں نے ان کے چہرے کی بدولت سفید دن دیکھے ہیں اور نیزے کی نوک نے ان کی شعاعوں کے نور کی وجہ سے غبار کی تاریکیوں میں دشمنوں کے جسم کے وہ مقام دیکھے ہیں جہاں نیزے لگنے سے دشمن مرجاتا ہے۔نہ داجن (ایک گھوڑے کا نام ہے جو عرب میں مقبول تھا اس کے مالک کا نام معلوم نہیں ہوسکا) ان کے ساتھ میدان میں دوڑ سکتا ہے اور نہ غبرا (حمل بن بدر کی گھوڑی تھی) کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے غبار کی راہ پا سکے اور نہ ہی لاحق (قبیلہ غنیٰ کی نامور گھوڑی تھی) ان کے نقش قدم کی علامات تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ان کے دونوں ہاتھ ان کی نگاہ کے پڑنے کی جگہوں تک نگاہ پڑنے سے پہلے جا پہنچتے ہیں اور وہ پہلو بدل کر بھکی ہوئی بجلیوں کا تعاقب کرتے محسوس ہوتے ہیں۔اور ان میں کچھ گھوڑے سیاہ رنگ کے ہیں جن کی جلد سیاہ ہے اور ان کی لگام کا دھانہ زیور سے آراستہ ہے۔

ان کی آنکھ کسی خوبصورت عورت کی آنکھ کی سی ہے اور ان کی گردن کسی ہرن کی گردن محسوس ہوتی ہے اور رات نے اپنی سیاہ چادر انھیں پہنا رکھی ہے۔ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا سعد ستارہ طلوع کر رکھا ہے۔جو کوئی بھی ان کی سیاہ زلفوں کو دیکھتا ہے اور ان کے پاؤں اور پیشانی کی سفیدی کو دیکھتا ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ اس نے ان کو نہر خیال کرلیا ہے اور اس نہر میں گھس گیا ہے اور اس نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان اس پایاب نہر کے چھینٹوں نے ایک نقطہ ڈال دیا ہے اور ان کے پہلو نرم ہیں اور بہت جلد مڑ جاتے ہیں۔جب سامنے کی طرف آئیں تو رات معلوم ہوتی ہے اور وہ یوں گزر جاتے ہیں جیسے کہ طغیانی نے اونچی جگہ سے پتھر کو لڑھکا دیا ہو۔جب وہ گھوڑے تیر کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس سے پیشتر کہ تیر نشانے پر لگے یہ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔

اور ان میں سے کچھ سرخ رنگ کے ہیں جنھیں صبح کے شعلوں نے منقش کپڑا پہنا رکھا ہے اور شام نے اپنا سونا ان پہ چڑھایا ہوا ہے یہ اپنے پاس کی آواز دو باریک کانوں سے سنتے ہیں اور اپنے سر کے گھنے بال اپنی عقیق جیسی چمک دار آنکھوں سے ہٹاتے رہتے ہیں۔وہ اپنی لگام کا اگلا حصہ گردن کے دونوں ظروفوں کے درمیان اپنے رخساروں پر اتارتے ہیں اور انھوں نے شراب سے اس کا رنگ لیا ہے اور ہواؤں سے ان کی نرمی لی ہے۔جب یہ چلتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا بجلی چمکی ہے تیز رفتار ہوں تو شفق پہ ہلال کی طرح نمودار ہوتے ہیں اور اگر بنی وائل کی جنگ میں ان کو اس قسم کے گھوڑے مل جاتے تو ان کے ہاں وجیہ

(ایک نامی گھوڑا) جیسے گھوڑوں کی کوئی اہمیت نہ ہوتی اور نہ ہی نعامہ (ایک اور نامی گھوڑا) کو کوئی قدر و منزلت حاصل ہوتی۔ سکاب نامی گھوڑی کو عاریتاً نہ دینا کمینہ پن ہوتا اور اس کو بیچنے سے انکار کرنا بیوقوفی خیال کی جاتی۔ ان گھوڑوں کو جب تک زمین ملتی رہے یہ بھاگتے رہتے ہیں اور جب ان کا سوار ان کو لے کر سمندر کے پاس آئے تب بھی وہ بے کھٹکے اس میں کود پڑتے ہیں۔ ان گھوڑوں میں سے کچھ کمیت ہیں جو بہت توانا اور خوبصورت ہیں اور یوں چلتے ہیں کہ ان کا سوار خود کو پنگھوڑے میں پڑا ہوا خیال کرتا ہے۔ ان کی کھال کا رنگ دم الاخوین کی طرح سرخ ہے اور وہ بادشمال کی طرح تیز رفتار ہیں۔ اس لیے کسی دبلے پتلے نوجوان کے لیے ان کی پشت پہ زیادہ دیر تک قائم رہنا مشکل ہوتا ہے اور آخر کو وہ پھسل جاتا ہے۔ ان کی آواز ایسی سریلی ہے کہ ان کے منہ سے عریض اور معبد کے نغموں کی سی آوازیں آتی ہیں ان کی پشت اگرچہ چھوٹی ہے مگر قدم فراخی سے اٹھتے ہیں۔

اگر شکار کے لیے ان پہ سوار ہوا جائے تو یہ وحشی جانوروں کو بھی عاجز کر دیتے ہیں اور وہ وحشی گھنے بالوں والے جانور کو دونے سے پہلے جا دبوچتے ہیں اور اگر انھیں ساتھ لے کر کسی جنگ میں اترا جائے تو وہ اپنے سینوں کو نیزوں کے سامنے رکھتے ہیں اور تب بھی خوف ان سے دور رہتا ہے۔ وہ جنگ کی تنگی اور شدت میں سوار کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی شکایت نہیں کرتے اور انتہا تک پہنچنے سے پہلے تو انھیں باگ موڑتا ہوا نہ پائے گا اور یہی ان کے سوار کی غرض ہے جس پہ وہ پورے اترتے ہیں۔ اگر وہ ہموار میدان میں چلیں تو ایک سست انسان کی طرح اپنے سوار کو لے کر اکڑ کر چلتے ہیں اور اگر انھیں پہاڑ پر چڑھایا جائے تو یہ اس کی گھاٹیوں میں عقاب کی طرح اڑ کر جاتے ہیں اور پہاڑی رستوں میں پہاڑی بکروں کی طرح اترتے ہیں۔ جب نگاہیں انھیں دیکھنے کو اوپر کی طرف اٹھتی ہیں تو فوراً نیچے کو چلی جاتی ہیں اور جب بجلی ان کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو یہ اس سے کہتے ہیں اپنے مقام پہ ٹھہری رہ تیرا یہ مقام نہیں لہٰذا آہستہ چل۔ ان میں کچھ گھوڑے حبشی اور زرد رنگ کے ہیں اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتے ہیں اور سونے سے مشابہت کی وجہ سے دل میں اشتیاق پیدا کرتے ہیں تب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج نے اپنی شعاؤں کا جھول ان پہ ڈال رکھا ہو گویا کہ انھوں نے تاریکی سے بھاگ کر گردن پر ایال اور پاؤں پر سفیدی حاصل کر لی ہو اور ان کے چوتڑ بڑے ہونے کے باعث ان کی زینوں کے لیے زینت بنے ہوئے ہیں اور دم ایسی ہے کہ جب تو پچھلی جانب سے ان کی طرف آئے تو یہ گھوڑے کے سوراخ کو ڈھانپے رکھتی ہے اور انھیں ایسی تربیت دی

گئی ہے کہ وہ اپنے سواروں کی مرضی کو پالیتے ہیں اور ان کے سنہری رنگ اور تازگی نے ان کے بالوں کو مرصع کرنے اور لباس کو منقش کرنے سے مستغنیٰ کردیا ہے اور ان میں بجلی کی سی تیزی اور جھپٹ کرلے جانے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ان میں بادنسیم کی سی خامشی کے ساتھ گزر جانا بھی پایا جاتا ہے اور یہ بڑی لطافتوں کے مالک ہیں۔ جب دو بار دوڑنے کے بعد ان کے پہلو پسینے سے تر ہو جائیں تو ان میں ہوا کی سی سرسراہٹ پائی جاتی ہے اور تب وہ سوار کے خفیف سے اشارے پر بھی اڑنے لگتے ہیں اور اپنی تربیت کی وجہ سے اشاروں کے مواقع کو خوب جانتے ہیں۔ وہ الف وصل کی طرح سیدھے دوڑتے ہیں اور تب انھیں کسی مہمیز کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ انھیں گھوڑوں میں سے کچھ سبز رنگ کے ہیں اور باغ کے رنگ برنگ پھول اور منقش کپڑے کی تقسیم وترکیب ان سے مشابہت رکھتی ہے۔ چنانچہ دن اور رات نے انھیں وقار اور چمک دمک کے دوشالے اوڑھا دیئے ہیں اس لیے سیاہی اور سفیدی جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ان میں جمع ہو گئی ہیں۔ بیان کیا گیا ہے جب ضدین ایک جگہ پہ اکٹھی ہو جائیں تو حسن ان سے جھانکتا ہے اور ان کے خالق نے ان کو مختلف رنگوں کے زیور پہنا رکھے ہیں۔ ہواؤں اور ان کے جھونکوں نے انھیں دوڑنے کی قوت اور ہلکی چال عطا کر رکھی ہے پیش تر اس کے کہ تو ان سے مطالبہ کرے یہ تجھے مختلف چالیں چل کے دکھا دیں گے۔ چونکہ کوئی گھوڑا ان سے آگے نہیں نکل سکتا اس لیے فتح مندی کی محبت اور احساس نے انھیں اپنے خیالوں میں گم دوڑنے پہ اکسا رکھا ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ رخسار کے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کے کچھ ٹکڑے ہیں یا یہ صبح کاذب ہے جس کی سفیدی تاریکی سے ملی ہوئی ہے لہٰذا اس میں سکون پیدا ہو گیا جس کی ظلمت دن کے ساتھ خلط ملط ہو گئی ہے چونکہ جاری ہونے کا اسم پانی اور رفتار دونوں میں مشترک ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سیلاب کی طرح چلتے ہیں اور سبقت لے جانے کی وجہ سے اس مشترک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ وہ اصاف ہیں جو چمکنے والی بجلیوں اور برق رفتار گھوڑوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ مانوی مذہب کے ماننے والوں کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے کہ دن کے روشن ہوتے اور رات کی تاریکی کے درمیان برکت اور نیک بختی پیدا ہوتی ہے۔ ان میں کچھ گھوڑے چتکبرے ہیں جن کی رفتار شعلہ بار ہے اور اگر یہ کسی غایت کا قصد کریں تو ان کے اور غایت کے درمیان فضا کا وجود معدوم ہو جاتا ہے اور اگر جنگ میں سے پھیر کے لایا جائے تو ان کا

عمل ہاتھ اور باگ کی منشا کے مطابق ہوتا ہے ان کے دو متضاد رنگوں کے درمیان ایک عجیب قسم کے حسن کی موزونیت پیدا ہو گئی ہے اور انھوں نے چاندنی رات اور بے چاند کی رات دونوں حالتوں میں تاریکی کے دونوں دوشالوں کا وصف اختیار کر لیا ہے ان گھوڑوں کے کندھے تھکتے ہیں اور نہ ہی ان کا سوار فوجوں کے اطراف میں جنگ کے بیچ اپنی راہ گم کرتا ہے اور نہ ان کی چمکدار رات کو دن کے پڑوس کی وجہ سے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ تو رات کے وقت اس کے ستاروں سے راستہ دریافت کرے۔ گھوڑے تو کجا خیال بھی ان کے مقابلے میں نہیں چل سکتا اور نہ یہ رات کے وقت چلنے سے اکتاتے ہیں جب تک کہ ان سے مشابہت رکھنے والے دن اور رات دونوں اکتا جائیں اور چمکنے والی بجلیاں ان تک پہنچنے میں ان کے پاؤں کے نشان کے سوا کچھ اور نہیں پاسکتیں اور اگر بہت کوشش کریں تو ان کے دامن کو پکڑ سکتی ہیں۔ یہ بے نظیر ابلق ہیں۔

یہ ایسے اصیل گھوڑے ہیں کہ ان سے جنگ کرنے والا پلٹ کر گرتا ہے اور یہ اسے دھکیلتے چلے جاتے ہیں اور یہ گھوڑے اپنی نسل اور اصل کی بنا پر تمام اوصاف سے مزین ہیں اور چونکہ ہوائیں ان کی تیز رفتاری کا اعتراف کرنے میں جادہ انصاف پہ چلی ہیں لہٰذا اس رویے نے انھیں ان کا مقابلہ کرنے سے باز رکھا ہے۔ چنانچہ ایک غلام ان کی پشتوں کی بدولت عزت کے رتبوں تک جا پہنچتا ہے اور انھیں جنت کی سواری سمجھتا ہے کیونکہ ان گھوڑوں پہ سوار ہو کر جہاد کرنا جنت کا مہر ہے اور سواروں کو ان کی پشتوں پہ سوار ہو کے اللہ کے دشمنوں کو للکارنے کا حکم ہے۔ جہاد کرنے سے نہ گھوڑا اکتاتا ہے نہ اس کا سوار حتیٰ کہ شب وسحر وہ جہاد میں مشغول رہتے اور آج اگر زید الخیل بھی ہوتا تب بھی ان سے زیادہ جہاد نہ کرتا۔ زید الخیل نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے اور بہت جہاد کرنے والے تھے وہ عربوں کے مشہور شاعر مہلہل کے قرابت دار تھے ۔ان زمانوں میں عربوں کے پاس گھوڑے کم اور اونٹ زیادہ ہوا کرتے تھے خاص طور پہ اصیل گھوڑے تو بہت ہی کم اور کسی کسی کے پاس ہوتے اور ہر قبیلے کے پاس ایک یا دو ہی نامور گھوڑے ہوتے جو عمدہ اور اصیل ہوتے مگر زید الخیل کے پاس بہت سے گھوڑے تھے ان کا نام زید الخیل تھا مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کو زید الخیر کا نام عطا کیا۔ یہ گھوڑے ایسے آداب سے مزین ہیں جن سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ یہ نہایت معزز اصل سے ہیں اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ گھوڑے امن کے دنوں میں شکاری کی جنت اور

جنگ کے دن حملہ آور کی ڈھال ہیں اور ان کو ہدیے کے طور پہ دینے والے کے احسان کے بدلے میں اس کی تعریف اور اس کے حق میں دعا کہنا ہے۔انھیں اپنے اور اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے یعنی جہاد کی خاطر تیار کرنا ہے اور اللہ کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اس نے انھیں اپنے طرز پر سخاوت کرنے میں یکتا بنادیا ہے اور گھوڑوں کو انسان کے لیے عظیم عطیہ بنادیا ہے۔

عرب گھوڑوں کے عیب ومحاسن سے آخری حد تک آگاہ تھے، گھوڑوں کی بیماریوں اور اُن کے علاج سے وہ خوب آگاہ تھے۔گھوڑوں کی عادات وخصائل اورنسل کا بھی اُن کوخوب ادراک تھا۔

گھوڑوں کے رنگ

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کوانسان کے لیے راحت بنایا ہے وہ اس سے فوائد حاصل کرتا ہے اوراس سے محبت کرتا ہے۔کیونکہ وہ جانتا ہے کہ گھوڑا اس کا وفادار دوست ہے۔وہ اس کے اوصاف پہ نگاہ رکھتا ہے اوران کی عمدگی سے حظ حاصل کرتا ہے۔دیگر صفات کے ساتھ گھوڑوں کے رنگ بھی ان کے حسن میں نمایاں کمی بیشی کا باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ عرب گھوڑوں کے بعض رنگوں کو پسند کرتے ہیں اور بعض کو ناپسند ۔گھوڑوں کے رنگوں میں ایک رنگ کو’’ **کمیت**‘‘ کہاجاتا ہے جسے عرب سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔یہ سبزی مائل اورسرخ سے ملا ہوا رنگ ہوتا ہے۔چنانچہ جوگھوڑے کمیت ہوں عرب محاورے میں ان کو ’’**اِکمَاتَ ّیُکمِئتُ اِکمیتَاتًا**‘‘ کہاجائے گا۔بعض **اِدْھَامَّ یَدھَام ُّ ادھیمَامًا** کہتے ہیں۔ **کُمتۃ** میں دورنگ ہوتے ہیں ان میں سے کوئی گھوڑا تو کمیت **مُدمًّی** ہوتا ہے اورکوئی کمیت **احَـم ُ**۔ان میں جو گھوڑے کمیت’’**احَمَ**‘‘ ہوں ان کی کھال اورسم سخت ترین ہوتے ہیں۔بعض گھوڑے زرد رنگ کے ہوتے ہیں جنھیں **فرس اصفر** اور **فرس صفراء** کہاجاتا ہے جب تک گھوڑے کی دم اورایال زرد نہ ہوں

اس وقت تک اسے زرد نہ کہا جائے گا اور بعض گھوڑوں میں **حوۃ** رنگ پایا جاتا ہے اور **حوۃ** سیاہی مائل سبز رنگ کو کہا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض گھوڑے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں جنھیں **فراس ورد اور فرس ورد اور خیل ورد** کہتے۔ کچھ گھوڑے **دغم** ہوتے ہیں اور یہ رنگ نایاب ہے اور بہت کم پایا جاتا ہے۔ اس میں گھوڑے کا چہرہ سیاہی مائل اور ہونٹ گہرے سیاہ ہوتے ہیں اسے **فرس ادغم** اور **فرس دغماء** بھی کہتے ہیں۔ گھوڑوں کے رنگوں میں سے ایک **تنك اغراب** بھی ہوتا ہے جس میں خالص سرخ رنگ نہیں ہوتا لہٰذا جب کمر پاس والی دونوں رانوں کی جڑ سفید ہو آنکھ کے اردگرد کا حصہ اور پپوٹوں کے کنارے سفید ہوں تو اس وقت اسے **مغرب** کہیں گے اور جب آنکھ کی پتلی بھی سفید ہو تو یہ سخت قسم کا **اغراب** گنا جائے گا اور گھوڑوں کے رنگوں میں ایک رنگ **حضرۃ** بھی ہوتا ہے جس میں سبز اور مٹیالے رنگ کا ملاپ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر الجعدی کہتا ہے کہ:

وَاحْضَرُ كَالْقَهْقَرِ يَنْفُضُ رَاسهٖ
اَمَامَ رِعَالِ الْخَيْلِ وهو يُقَرِّبُ

اور وہ ایک سیاہ ٹھوس پتھر کی طرح سبز رنگ کا گھوڑا ہے جو گھوڑوں کی جماعتوں کے آگے آگے سر کو حرکت دیئے چلا جاتا ہے جب کہ یہ گھوڑے تیز دوڑ رہے ہوں۔"

ان میں سے بعض گھوڑوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور بعض کا سخت سیاہ اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا رنگ معمولی سیاہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو **حوۃ** کہا جاتا ہے اور یہ ایسا رنگ ہوتا ہے جو سخت سیاہ نہیں ہوتا جس کے ہوتے ہوئے جانور کی بغلیں اور آنکھوں کے گھیرے زرد اور بالائی حصہ سخت سیاہ ہوتا ہے۔ انھیں گھوڑوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے رنگ کو **شھبہ** کہا جاتا ہے اور یہ رنگ سفید ہوتا ہے اور جب کسی جانور میں مختلف قسم کے رنگ ہوں مگر چتکبرا رنگ نہ ہو تو اس کو **تولیع** کہا جائے گا اور گھوڑوں کے جسم پہ جو مختلف رنگوں اور مختلف

جسامت کے داغ دھبے ہوتے ہیں عربوں نے ان کے بھی نام رکھ چھوڑے ہیں جس کی بساط بھر تفصیلات یہاں درج کی جاتی ہیں اوران داغوں میں سے ایک کو **غرۃ** کہا جاتا ہے **غرۃ** اس داغ کو کہا جاتا ہے جو گھوڑے کی پیشانی پر سفید رنگ کا ہوتا ہے گھوڑے کی پیشانی پر جب یہ سفید رنگ تھوڑا ہو تو اس کو **فرحۃ** کہا جائے گا اور جب یہ سفید داغ لمبا ہو اور پیشانی پہ پھیل جائے تو اس کو **شمراخ** کہا جائے گا۔

چنانچہ ایک عرب شاعر ابن مفرع کہتا ہے کہ:

شَدَخَت غُرّۃُ السَّوابِقِ مِنھُمْ

فِی وُجُوہٍ مع اللِّمَام الجِعَادِ

سبقت لے جانے والے گھوڑوں کی سفیدی ان کے چہروں میں اس قدر پھیل گئی کہ ان کی گھنگریالی لٹوں تک جا پہنچی۔

جب گھوڑے کے ماتھے کا سامنا حصہ جہاں اسے پیار سے سہلایا جاتا ہے سفید ہو تو اس گھوڑے کو' **لَطِیْم**" کہا جائے گا اور جب کسی گھوڑے کا بالائی ہونٹ سفید ہو تو عرب اسے " **اَدْثَم**" کہا کرتے اور ایسی گھوڑی کو "**دَثْمَاء**" کہتے اور ایسی ہی بہت سی نشانیاں ہیں جنھوں نے عربوں کے گھوڑوں کو ممتاز بنا رکھا تھا جن کی تفصیل بہت طویل ہے تاہم مثال کے طور پر ہم ان نشانوں کے چند نام پیش کرتے ہیں۔"

شُعْلَۃ : جب سفید نشان دم تک پہنچ جائے۔

بَھِیْم : جس گھوڑی کا رنگ ایک ہی ہو اور اس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان نہ ہو اس کو بھیم کہا جائے گا۔

اَلمظ : اور جب گھوڑے کے ہونٹوں کے کنارے کچھ سفید ہوں تو اسے المظ کہا جائے گا۔"

لمظا : اور ایسی ہی گھوڑی کو لمظا کہا جائے گا۔

تجویف: جب گھوڑے کا پیٹ کچھ کچھ سفید ہو اور یہ داغ اوپر کی طرف چلے جائیں

تعجیب :جب پاؤں کی سفیدی اوپر کو چلی جائے اور پونچھوں کے عقب سے جہاں چند بال اگے ہوتے ہیں وہاں سفیدی آجائے اور پنڈلی کے پتلے حصے تک پہنچ جائے تو ایسے گھوڑے کو تعجیب کہیں گے۔

فرس مجبُب: ایسے نر کو فرس مجیب کہیں گے۔

مُجبّبۃ : اور گھوڑی کو مجبیہ کہیں گے۔

اَبلق : جب گھوڑے کی اگلی ٹانگوں میں سفیدی گھٹنوں سے تجاوز کر جائے تو ایسے گھوڑے کو ابلق کہا جائے گا، نر کو فرس ابنط اور مادہ کو فرس نبطا کہیں گے اور بیان کیا گیا کہ ہر رنگ میں ابلق ہوتا ہے لہٰذا گھوڑا کسی رنگ کا بھی ہو اگر اس میں سفیدی ملی ہوئی ہو تو ایسے گھوڑے کو ابلق کہیں گے۔"

اَنبط : نر ابلق کو انبط بھی کہا جاتا ہے۔

اَعصَمُ: جب گھوڑے کے صرف ایک ہاتھ میں سفیدی ہو تو اسے اعصم کہا جاتا ہے۔

اَرْجل : جب گھوڑے کا پاؤں سفید ہو تو اسے ارجل کہا جائے گا۔

تَجیْل : جب گھوڑے کے ہاتھوں اور پاؤں میں پازیب پہننے کی جگہ پہ سفیدی ہو تو ایسے گھوے کو تجیل کہا جائے گا۔

مُجَلّ ثلاث مُطلق واحدۃ : جب گھوڑے کے تین پاؤں سفید ہوں تو اس کو مجل ثلاث متعلق واحدہ کہا جائے گا۔

بہِشکالؔ : جب گھوڑے کے ایک پاؤں میں اور اسی طرف کے ایک ہاتھمیں سفیدی ہو تو اس کو بہ شکال کہا جائے گا۔

بہِشکال مُخَالِف : اور اگر کسی گھوڑے کا دائیں جانب کا پاؤں اور بائیں جانب کا ہاتھ سفید ہو تو ایسے گھوڑوں کو بہشکال مخالف کہا جائے گا[33*]۔

اور عرب شاعران گھوڑوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

شَمِيطُ الذُّنَابٰى جُوِّفَتْ وَهِىَ جَوْنَةٌ
بِنُقْبَةِ دِيبَاجٍ وَرَيْطٍ مُقَطَّعِ

اس کی دم میں سیاہی اور سفیدی ہے اور باوجود سیاہ رنگ ہونے کے مخمل کے کپڑے کے ٹکڑے اور چھوٹی سی سفید چادر کی وجہ سے اس کا پیٹ سفید معلوم ہوتا ہے"۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

كعرض الحَصَانِ الأُنْبَطِ البَطْنِ قَائماً
تَمَايَلَ عَنهُ الجُلُّ فاللَّوْنُ أَشقَر

اوررات چلنے کے لیے صبح یوں ظاہر ہوئی جیسے سفید پیٹ والا گھوڑا ہو اور جھول کے ایک طرف جھک جانے کی وجہ سے نیچے سے اس کا سرخ رنگ ظاہر ہو گیا ہو"۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عربوں میں عام گھوڑے تو بہت تھے مگر خاص گھوڑے کم کم تھے۔ نسلی اور اصیل گھوڑے صرف عرب سرداروں کے پاس تھے جن سے وہ اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتے تھے اور جان سے زیادہ حفاظت کرتے تھے۔ انھی گھوڑوں کا کچھ تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

سبقت لے جانے والے گھوڑے

دوسری اقوام کی طرح عربوں میں بھی یہ بات ظاہر تھی کہ ہر گھوڑا نہ تو اصیل ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے سبقت لے جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ سبقت لے جانے والے گھوڑے تو دراصل اس اعلیٰ خاندان سے وابستہ ہوتے ہیں جن کے آباء بھی سبقت لے جانے میں چست تھے۔ چنانچہ اہل عرب اپنے سبقت لے جانے والے گھوڑوں اور ان کی نسل سے خوب آگاہ تھے اس لیے ان کے ہاں سبقت لے جانے والے گھوڑوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ گھوڑوں کے عیب ومحاسن کو بہت دور تک جانتے تھے۔ اس لیے عرب مورخ اصمعی کہتا ہے کہ وہ گھوڑا جس کی پسلیاں سیدھی کھڑی ہوں اور پیٹ کا اوپر والا حصہ پچکا ہوا ہو وہ گھوڑا کبھی سبقت نہیں لے سکتا۔ اپنی دلیل کے استحکام کے لیے اصمعی نے ابوالنجم کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

منتفج الجوف عَرِیْضٌ کَلْکَلُہٗ

کہ اس کا پیٹ پھولا ہوا اور سینہ چوڑا ہے

ابوالنجم ہی نے بیان کیا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کا گھوڑا دوڑ میں کبھی آگے نہ نکلا تھا۔مگر اتفاق سے ایک دن اس کی گھوڑی دوسرے گھوڑوں سے جیت گئی جس پہ عبدالملک کو بے انتہا خوشی حاصل ہوئی اور اس نے کہا شعرا کو بلاؤ۔ابوالنجم نے بیان کیا کہ میں بھی اس محفل میں موجود تھا۔جب خلیفہ نے شعرا کو حکم دیا کہ اس گھوڑی اور اس کی بہن کے بارے میں اشعار کہیں تب شعرا نے کچھ توقف کیا اور ہشام بن عبدالملک سے شعر کہنے کے لیے کچھ مہلت طلب کی۔میں نے جب دیکھا کہ لوگ تاخیر کر رہے ہیں تو میں نے کہا کہ میں فوراً کچھ پیش کرسکتا ہوں۔خلیفہ میری طرف متوجہ ہوا اور خوشی سے مجھے دیکھا تو میں نے اسی وقت یہ شعر کہے!

اَشَاعَ لِلْغَرَّاءِ فِیْنَا ذِکْرَهَا
قَوَائِم عُوْجٌ اَطَعْنَ اَمْرَهَا

ٹیڑھی ٹانگوں نے جنھوں نے غرا کا حکم مانا اور عربوں میں غرا نامی گھوڑی کا نام مشہور کر دیا‘‘۔

وَمَا نَسِیْنَا بِالطَّرِیْقِ مُهْرَهَا
حَتّٰی نَقِیْسَ قَدْرَهٗ وَقَدْرَهَا

اور ہم راستے میں اس کے بچھیرے کو نہیں بھولے تاکہ ان دونوں کے اندازے کا قیاس کر سکیں‘‘۔

وَصَبْرَهٗ اِذَا عَدَا وصَبْرَهَا
وَالْمَاءُ یَعْلُو نَحْرَهٗ وَنَحْرَهَا

نیز یہ کہ اِن دونوں کے صبر کا بھی اندازہ لگالیں گے جب کہ پانی دونوں کے سینوں تک چڑھ

رہا تھا“۔

مَلْمُومَۃٌ شَدَّ المَلِیْکُ اَزْرَھَا
اَسْفَلَھَا وَ بَطْنَھَا وَظَھْرَھَا

اس کا جسم گھٹا ہوا ہے اور اللہ نے اس کو قوی بنایا تھا خواہ اس کا نچلا حصہ ہو، خواہ پیٹ، خواہ پیٹھ“۔

فَدْ کَادَ ھَادِیھا یکون شَطْرھَا

اس کی گردن اس قدر لمبی ہے کہ اس کے تمام جسم کا آدھا حصہ معلوم ہوتی ہے“۔

ابو النجم نے کہا کہ اس پہ ہشام بن عبدالملک نے حکم دیا کہ اس شاعر کوا نعام و اکرام سے نوازا جائے۔ چنانچہ اس نے میری جھولی بھردی اور میں خوشی خوشی وہاں سے چلا آیا۔ اصمعی ہی نے روایت کی ہے کہ ۱۸۵ھ جب ہارون الرشید مسلمانوں کا خلیفہ تھا تب ایک بار وہ گھوڑوں کی دوڑ دیکھنے میدان میں گیا۔ اصمعی نے بیان کیا ہے کہ میں اور کچھ دیگر لوگ بھی اس موقع پر خلیفہ کے ساتھ تھے۔ اس گھڑ دوڑ میں خلیفہ ہارون الرشید کے کچھ گھوڑے بھی دوڑ رہے تھے اور کچھ اس کے بیٹوں امین اور مامون کے گھوڑے تھے۔ ان میں کچھ گھوڑے سلیمان بن ابی جعفر المنصور کے تھے اور کچھ گھوڑے عیسیٰ بن جعفر کے تھے۔ چنانچہ جب دوڑ شروع ہوئی تو خلیفہ ہارون الرشید کا سیاہ گھوڑا الزبید سب سے آگے نکل گیا جس سے خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اس خوشی کا اثر اس کے چہرے پہ دیکھا جا سکتا تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اصمعی کو بلاؤ اور

لوگ ہر طرف سے مجھے آوازیں دینے لگے۔ میں جلدی سے آگے آیا اور باادب خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ ہارون الرشید اس وقت اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا تھا اس نے مجھے حکم دیا کہ اس گھوڑے کے سر سے لے کر سموں تک تعریف کرو۔ چنانچہ اس موقع پر میں نے ابن حرزہ کے وہ شعر پیش کیے جس میں اس نے گھوڑے کے جسم میں پرندوں کی لطافتوں کو کھوجا ہے۔ ابن حرزہ کے وہ اشعار پیش خدمت ہیں۔

وَاَقَبُّ کَا لسِّرْحَانِ تُمَّ لَه

مَا بَیْنَ هَا مَتِهٖ الی النَّسْرِ

وہ ایک ہلکے پیٹ والا بھیڑیے کی طرح کا گھوڑا ہے جس کے جسم کے تمام اعضاء سر سے لے کر پاؤں تک مکمل ہیں"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

رَحُبَتْ نَعَا مَتُه وَوَفَّرَفَرْخُه

وَتمکَّنَ الصُّرَدَانِ فِی النَّحْرِ

اس کے سر کے اوپر کی کھال فراخ اور دماغ مکمل ہے اور زبان کے نیچے کی دونوں رگیں سینے میں اپنی جگہ کو مضبوط پکڑ چکی ہیں"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَاَناف بالعُصفورِ مِنْ سَعَفٍ

هَامٍ اَشَمَّ مُوثِقِ الجَذْرِ

اور اس نے پیشانی کے پھیلے ہوئے بالوں میں ایک اونچے مضبوط جڑ والی ناک کو اونچا کیا ہوا ہے"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَازْدَ انَ بِا لِدِّ یکَیْنِ صُلْصُلُہ'

وَنَبَتَ دُ دَجَا جَتُہ' عَنِ الصُّدُرِ

اس کے ماتھے کی سفیدی کو کان کے پیچھے کی ابھری ہوئی ہڈی زینت بخش رہی ہے اور اس کی چھاتی کے اوپر سینے کا گوشت ایک طرف کو ہٹا ہوا ہے۔"

والنَّا ھِضَانِ اُمِرَّ جَلْزُھُمَا

فَکَاَ نَّمَا عَثمَا عَلٰی کَسْرِ

اور اس کے دونوں کندھوں کا گوشت خوب اچھی طرح ہٹا ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دیا گیا ہو مگر وہ پھر بھی ٹیڑھی ہی رہ گئی ہو"۔

مُسْحَنْفِرُ الجَنْبَیْنِ مُلْتَئِمٌ

مَا بَیْنَ شِیَمِتِہ الَی الغُرِّ

اس کے دونوں پہلو پھولے ہوئے ہیں اور اس کے نتھنوں سے لے کر پنڈلیوں کے گوشت تک کا حصہ معتدل ہے"۔

وصَفَتْ سُمَانَاہُ و حَافِرُہ'

واَدِیْمُہ' ومنا بَتُ ا لشعر

اور اس کا سمانی (ایک پرندے کا نام) یعنی سم اور کھال مژگان کے اگنے کی سب جگہ صاف ہیں"۔

وَسَمَا الغُرَابُ لِمَوقِعِيه مَعًا
فَاُ بِيْنَ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرٍ

اس کی چوتڑ چوٹی سے لے کر کمر کے اوپر تک تمام حصہ اونچا ہے اور صحیح طور پہ ان کے درمیان فرق کر دیا گیا ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَاكْتَنَّ دُوْنَ قَبِيحِهٖ خُطَّافُه'
وَنَاَتْ سَمَا مَتُه' عَلَى الصَّقْرِ

اس کا وہ مقام جہاں سوار کی ایڑ لگتی ہے اس کی کہنی کی ہڈی کے کنارے کے پیچھے چھپی ہوئی ہے اور اس کی گردن کا درمیانی حصہ نمدے کے پچھلے حلقے سے دور ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَتَقَدَّمَتْ عنه الفَطَاةُ لَه'
فَنَاتَ بِمُوْقِعِهَا عَنِ الحُرِّ

اس گھوڑے کا وہ مقام جہاں ردیف بیٹھتا ہے آگے کو بڑھا ہوا ہے لہٰذا اس کا موقع کان کے بیرونی حصے کی سیاہی سے دور ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وُشِمَا عَلَى نَقَوِيهِ دُوْنَ حَدَاتِه
خَرَبَستَانِ بَيْنُهمُا سَدَى الشِبْرِ

اس کی گردن کے اگلے حصے کو چھوڑ کر اس کے چوتڑوں کی دونوں ہڈیوں پر دو دائرے ہیں جن میں ایک بالشت کا فاصلہ ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

يَدَعُ الرَّضِيمَ إِذَا جَرَى فِلَقًا
بِتَوَائِمٍ كَمَوَاسِمٍ سُمْرٍ

جب یہ چلتا ہے تو اپنے سموں سے جو ٹیالے رنگ کے داغنے والے آلے کی طرح سخت ہیں پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

رُكِّبْنَ فِي مَحْصِ الشَّوَى سَبِطٍ
كَنِفَتِ الْوُثُوبِ مُشَدَّدِ الْاَسْرِ

اور یہ سم کم گوشت والی، لمبی، تیزی سے اچھلنے والی اور مضبوط بنی ہوئی ٹانگوں میں لگے ہوئے ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

قَدْ اَطْرُقُ الْحَيَّ عَلَى سَابِحٍ
اَسْطَعَ مِثْلِ الصَّدَعِ الْاَجْرَدِ

میں ایک تیز رفتار، لمبی گردن والے، چھوٹے چھوٹے بالوں والے گھوڑے پر جو بارہ سنگے کی طرح معلوم ہوتا ہو سوار ہو کر رات کے وقت قبیلے کے پاس جاتا ہوں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَمَّا اَتَيْتُ الْحَيَّ فِي مَتْنِهِ
كَاَنَّ عُرْجُونًا بِمَثْنَى يَدِي

جب میں اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر قبیلے کے پاس آیا تو یوں معلوم ہو رہا تھا کہ کھجور کا ٹیڑھا خوشہ میرے دونوں ہاتھوں میں ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَقْبَلَ یَخْتَا لُ وَفِی شَاوِدٍ
یَضْرِبُ فِی الاَقرَابَ والْاَبْعَدِ

وہ گھوڑا اکڑ کر چلتا ہوا آیا اور وہ دوڑتے ہوئے قریب وبعید سب کو مار رہا تھا‘‘۔

کَاَنَّہٗ سَکْرَانُ اَوْ عَابِسٌ
اَوابْنُ رَبٍّ حَدَثُ المَوْلِدِ

یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ گھوڑا مست ہے یا اس کے تیور چڑھے ہوئے ہیں یا یہ کسی بادشاہ کا نوخیز بیٹا ہے‘‘۔

اَمَّا اِذَا استقَبلْتَہٗ فَکَاَنَّہٗ
جِذْعٌ سمَا فَوْقَ النَّخِیْلِ مُشَذَّبٗ

جب تو اسے سامنے کی طرف سے آتا دیکھے گا تو یہ کھجور کے اس لمبے تنے کی طرح دکھائی دے گا جو دوسرے درختوں سے اونچا نظر آرہا ہو‘‘۔

وَاِذَا عَرَضْتَ لَہٗ اسْتَوَتْ اقْرَائہٗ
وَکَاَنَّہٗ مسْتَدبِراً مُنْصَوّبٗ

اور جب تو اسے عرض یعنی پہلو کی طرف سے دیکھے گا تو اس کے پہلو ایک جیسے دکھائی دیں گے اور اگر پشت کی طرف سے دیکھے گا تو یوں معلوم ہو گا کہ یہ ڈھلان کی طرف جا رہا ہے‘‘۔[*34]

عربوں کے نامور گھوڑے

عربوں میں گھوڑے بہت تھے، مگر نامور گھوڑے کم تھے، جن کا تذکرہ مورخین نے محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ عربوں کے مشہور لغت دان ابو محمد الاعرابی نے عربوں کے مشہور گھوڑوں کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے گھوڑوں کے اِن اعلیٰ خاندانوں کا نسب بھی بیان کیا ہے جن کی نسل عربوں میں پھیلی۔ انھوں نے ان گھوڑوں کے قبائل کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے عہد جاہلیت اور عہدِ اسلام میں اپنے گھوڑوں پہ فخر کیا ہے۔ نیز ان لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کے یہاں اِن گھوڑوں کی نسل چلی، عربوں کے ہاں گھوڑوں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اُن کا بچہ بچہ نہ صرف یہ کہ اپنے گھوڑوں سے واقف تھا بلکہ اس پہ فخر بھی کیا کرتا اور دوسرے قبائل کے گھوڑوں پہ اپنے قبیلے کے گھوڑوں کی فضلیت بیان کیا کرتا۔ مختلف قبائل کے گھوڑے ان قبائل کی عزت وتکریم کا باعث تھے اور اِن کے سوار اُن کو دوسرے قبائل کے حملوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ عرب شعرا کے ہاں اِن کے گھوڑوں کی عظمت اور اِن کی شان وجلالت کے بارے میں بسیط تذکرہ پایا جاتا ہے جس سے ہم یہاں مقدور بھر استفادہ کریں گے۔ انشاءاللہ

اعوج

چنانچہ محمد الاعرابی نے عرب کے نامور گھوڑوں کا تذکرہ اعوج سے شروع کیا ہے جو اہل عرب کا بہت ہی مقبول گھوڑا تھا۔عربوں کے ہاں شہرت اور نسل کے معاملے میں کوئی گھوڑا اعوج سے بڑھ کے نہ تھا۔اہل عرب کے شاعروں اور سواروں نے بھی نہ اس سے بڑھ کر کسی اور کا ذکر کیا ہے نہ اس سے زیادہ کسی اور پہ فخر کیا ہے۔اعوج بنی کندہ کا گھوڑا تھا پھر وہ بنی سلیم کے پاس چلا گیا۔پھر ان سے نکل کر بنی ہلال بن عامر بن صعصعہ کے پاس چلا گیا جس کا تذکرہ عباس بن مرداس نے کیا ہے۔جس کے مطابق یہ گھوڑا دراصل کندہ کے کسی بادشاہ کا گھوڑا تھا جس نے ''غلاف'' کی جنگ میں بنوسلیم پہ چڑھائی کی تھی۔جنھوں نے اسے قتل کر کے اس کا گھوڑا لے لیا تھا۔پھر عرب کا یہ مشہور گھوڑا بنوسلیم سے نکل کر بنی ہلال کے ہاں چلا گیا جس کا تذکرہ شعرا نے بھی کیا ہے۔''

بشر بن ابی حازم اعوج کی بیٹیوں پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وَبِكُلِّ اَجْرَدَ سَابِحٍ ذِیْ مَیْعَةٍ
مُتَمَاحِلٍ فِی آلِ اَعْوَجَ یَنْتَمِیْ

ہر چھوٹے بالوں والے، تیز رفتار، نشاط والے لمبے گھوڑے کو لے کر آیا جس کی نسبت آل اعوج کے ساتھ ہے''۔

اور طفیل بن عوف کہتا ہے:

بَنَاتُ الوَجِيْهِ وَالْغُرَابِ ولَاحِقٍ
وَاَعْوَجَ تَنْمِىْ نِسْبَةَ الْمُتَنَسِّبِ

یہ وجیہ، غراب، لاحق اور اعوج کی اولاد ہیں اور اِن کی نسبت اسی طرح بیان ہوتی ہے‘‘۔

عربوں کے مشہور مورخ اصمعی نے حبیب بن شوذب سے روایت کی ہے کہ حبیب قبیلہ نجد سے تھا اور ضریہ میں مقیم تھا۔ اس نے بیان کیا کہ وہ غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا جب اس نے پہلی بار اعوج کو دوڑتے دیکھا۔ اعوج سے مراد اعوج اکبر ہے جو بنوغنی کا گھوڑا تھا۔ جب ’’نسار‘‘ کی جنگ میں لوگوں پہ غارت ڈالی گئی تو اعوج اکبر کے مالک نے اسے ثمامہ گھاس سے باندھ رکھا تھا اور اس دن جب ابھی صبح کی سفیدی نمودار ہونے میں کچھ لمحوں کی دیر تھی تب دشمن کے گھڑسواروں نے ہم پہ حملہ بول دیا۔ تب اعوج کا مالک اچھل کر اپنے گھوڑے پہ سوار ہوا اور اس کو آواز دی وہ اس بندھن کو بھول چکا تھا جس سے گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ چنانچہ گھوڑے نے ایک جھٹکا دیا اور اس بندھن کو ساتھ ہی لے بھاگا وہ پھرکی طرح گھوما اور آواز نکالتا ہوا اپنے مالک کو لے کر یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔ گھوڑا دن بھر اپنے مالک کو لے کر دوڑتا رہا، رات کو اس نے قبا کی کچھ گھاس کھائی اور پھر دوڑنے لگا پھر چار مرحلے چلا حتیٰ کہ گھوڑا اپنے مالک کو لے کر ضریہ کے علاقے سے گزر گیا وہ اسے مقام انسر کی طرف دھکیل رہا تھا، پھر عین آیا، پھر فلجہ، پھر دفینہ، پھر قباء تب اس کا سوار اس کی پشت سے اترا کہ اسے سوار ہوئے چار دن گزر چکے تھے اور اب سوار اور اس کا گھوڑا دشمن کی پہنچ سے دور محفوظ مقام تک پہنچ چکے تھے اور گھوڑے کو قبا کی گھاس کھائے بھی چار دن گزر چکے تھے۔‘‘

اشقر

عربوں کا ایک مشہور گھوڑا اشقر تھا۔ یہ قتیبہ بن مسلم کا گھوڑا تھا اس نے یہ گھوڑا حجاج کی طرف بھیجا۔ راستے میں جوخی کے مقام پر اشقاب نامی راہزن نے راستہ روک کر یہ گھوڑا اُن سے چھین لیا۔ اس واقعہ کی روداد یوں بیان کی گئی ہے کہ حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم کو لکھا کہ خراسان میں عمدہ گھوڑے جمع ہوگئے ہیں ، ہر ضلع دار کو لکھو کہ وہ اپنے گھوڑوں کو دوڑائے اور اس دوڑ میں سبقت لے جانے والے گھوڑوں کو میری طرف روانہ کردے۔ چنانچہ قتیبہ نے ایسا ہی کیا اور اس نے اشقر اور رواسی نامی گھوڑے حجاج بن یوسف کو بھیجے۔ مگر راستے میں راہزن اشقر کو تو لے اڑے مگر رواسی بچ گئی جس کو لے کر قتیبہ کے قاصد حجاج کے پاس پہنچے۔ حجاج نے یہ گھوڑی عبدالملک کے پاس بھیج دی۔ عبدالملک نے اسے اپنے بھائی بشیر بن مروان کو تحفہ دے دیا۔ چنانچہ عبدالملک بن بشر کی گھوڑیاں رواسی کی اولاد تھیں جن کی شہرت عرب بھر میں گونجی اور وہ دوڑ میں بہت سبقت لے جانے والی گھوڑیاں تھیں۔ ابو یحیٰی نے بیان کیا کہ عربوں کی مشہور گھوڑی حمیری رواسی ہی کی اولاد سے تھی جس نے عربوں کی شہ سواری میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ وہ دوڑ میں اپنے پیچھے آنے والے گھوڑوں سے میلوں آگے نکل جایا کرتی تھی ، بعد کے دور میں اسی گھوڑی حمیرہ کی بیٹیوں نے بھی عرب بھر سے شہرت سمیٹی۔ انھی گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کا نام احزم تھا جو عسیہ بن السلمیٰ کا گھوڑا تھا۔ جب اُس نے کدید کی جنگ میں ربیعہ بن مقدم کو قتل کیا تب اس گھوڑے اور اس کے سوار کی شہرت عرب بھر میں پھیل گئی۔ ربیعہ بن مقدم کے قتل کے دن اس نے یہ شعر کہے“۔

سَائِل کِنَانَۃَ اَیْنَ فَارِسُھَا الَّذِیْ
وَرَدَ الکَدِیْدَ رَبِیعَۃ بن مُکَدَّم

ذرا بنی کنانہ سے پوچھو تو سہی کہ ان کا ربیعہ بن مقدم نامی جو کدید میں آیا تھا وہ اب کہاں ہے"۔

فَلَتُخبِرَنَّ بنو فراسٍ اَنَّہٗ
اَلْوٰی بِمُھَجَۃٖ جَرِیُ المَقْدَمِ

بنو فراس کو یہ بھی بتادو کہ ایک جرأت مندی کے ساتھ آنے والے شخص نے اس کی جان لے لی ہے"۔

لَمَّا اَطَالَ عِنَانَہٗ مُتَقَصِّداً
نَحْوِیْ قَصَرْتُ لَہٗ عِنَانَ الاَحْزَمْ

اس لیے کہ جب اس نے میری طرف آنے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کی باگ کو لمبا کیا تو میں نے احزم کی باگ کو چھوٹا کر دیا"۔

فَاَثَرتُ بَیْنَ ضُلُوعہ جَیَّاشَۃً
فَوھاءَ تَنفُثُ بالحَقِینِ وبِالدَّمِ

پھر میں نے اس کی پسلیوں کے درمیان جوش مارنے والے نیزے کے زخم کو ابھارا جس کا منہ فراخ تھا تب میں نے دیکھا کہ وہ روکے ہوئے پیشاب اور خون کو باہر پھینک رہا تھا"۔

عرب کے انھی نامور گھوڑوں میں ایک کا نام ازور تھا جس کا سوار عبداللہ بن خازم السلمی بیان کیا گیا ہے وہ اپنے گھوڑے کے متعلق کہتا ہے۔

لَعمرِیْ لَقَدْ اَنْظَرتُ بکربن وَائِل
وَخِندف حَتّٰی لَمْ اَجِدْ مُتَنَظَّرًا

اپنی جان کی قسم میں نے بکر بن وائل اور خندف کو اس قدر مہلت دی کہ اور انتظار کی گنجائش نہ رہی"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اِذَا اَکْثرُوْا یَوْماً عَلَیَّ فَرَجْتُھُمْ
بُرُمْحِیْ وَاَلْحَقْتُ الفَوَارِسَ اَزْوَرَا

جب وہ ایک دن میرے خلاف کثیر تعداد میں اکٹھے ہو کر آ گئے تو میں نے اپنے نیزے سے ان کی جماعت کو منتشر کر دیا اور گھوڑ سواروں کے ساتھ اپنے گھوڑے ازور کو جا ملایا"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اور انھی میں ایک بیضاء تھا جو کعب بن عتاب الحرث کا گھوڑا تھا جن کا ایک شاعر اس کے بارے میں کہتا ہے کہ:

لَوامکَنَتْنِیْ مِنْ بشَامَۃَ مُھْرَتِیْ
لَلَاقِیْ کَمَا لَاقِیْ فَوَارِس قَعْنَبِ

کہ اگر میری بچھیری مجھے بشامہ پہ قابو پا لینے دیتی تو اس میں بھی وہی حشر ہوتا جو قعنب کے سواروں کا ہوا تھا"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

تَمَطَّتْ بِهِ البَيْضَاءُ بَعْدَ اخْتِلاسِهِ

عَلَى دَهَشٍ وَخِلْتُنِي لَمْ أُكَذَّبِ

اور بے خبری میں اچک لینے کے بعد بیضاء اسے لے کر دور تک چگتی رہی اور میرا خیال ہے کہ مجھے جھوٹا قرار نہ دیا جائے گا“۔

البریت

عربوں کے مشہور گھوڑوں میں ایک البریت تھا جو ایاس بن قبیصہ الطائی کا گھوڑا تھا جو نعمان بن منذر کے بعد حیرہ کا بادشاہ بنا۔ کسریٰ ایران اسے بڑی برکت والا سمجھا کرتا تھا۔ جب پرویز کے عہد میں رومی نہروان کے مقام پر اترے تو ایاس ایک عرب حکمران کے طور پہ کسریٰ ایران کا حمایتی تھا اور اسی کی فوجوں کی جانبازی نے رومی افواج کا منہ موڑا تھا۔ البریت اسی کا گھوڑا تھا جس کے متعلق حارثہ بن اوث کلبی نے یہ اشعار کہے:

وَنَجَّی اِیَا سًا مِنّی سیف مُحَنَّبٌ
تَرَاہُ اِذَا مَا جَدَّتِ الخَیلُ یَلْعَبُ

ایاس کو مجھ سے کھلی ہوئی ٹانگوں والے گھوڑے نے نجات دلائی کہ جب اور گھوڑے بڑی کوشش سے چل رہے ہوں تو اسے تو کھیلتا ہوا دیکھے گا۔"

اَبو اُمِّہ البِرِیّتُ اَوھُو خَالُہ'
اِلَی کُلّ عِرقٍ صَالحٍ یَتَنَسَّبُ

اوراس کی ماں کا باپ بریت ہے یا وہ اس کا خالو گھوڑا بہرحال اس کی نسبت ہر عمدہ اور اصیل گھوڑے کی طرف ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وَنَجّی اِیَا سَا سَابحٌ ذُوعُلاَ لَۃٍ
مُلحٌ اِذَا یَعلُوا لحَزابِیّ یَغْلبُ

اَیاس کو تیز رفتار بار بار دوڑنے والے گھوڑے نے نجات دلائی جو دوسرے گھوڑے پر غالب آ جاتا ہے مگر جب سخت زمین آتی ہے تو وہ رک جاتا ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابو اُمِّہ العُریان اُوھُوَ خَالُہ'
اِلَی کُلّ عِرقٍ صَالحٍ یَتَنَسَّبُ'

اوراس کی ماں کا باپ عریان تھا یا خالو عریان تھا بہرحال یہ ہر اصیل اور عمدہ گھوڑے کی طرف منسوب ہوتا ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کَانَ استَہ' اذا خطاتُہ' رِمَا حُنَا
وَفَاتَ ا لبُریْتَ لِبدُہ' یَتَصَبَّبُ

جب ہمارے نیزے اس سے اچٹ گئے اور بریت پر سے اس کا نمدہ گر گیا تو اس کی دبر کی یہ حالت تھی کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ذُنَابِیَ حُبَارٰی اَخْطَا الصَقرُرَاْسَہ

فَجَادَتْ بِمَکْنُوْنِ مِنَ السَّلْحِ یَثْعَبُ

اوراس کی مثال ٹیٹری کی دم کی سی تھی جس کے سرکو شکرہ پکڑ نہ سکا ہوتو اپنی پوشیدہ بیٹھ کو اس کے اوپر بہادے"۔[35*]

❁❁❁❁❁❁❁❁

برخا

عربوں کے انھی گھوڑوں میں ایک برخا تھا جس نے اپنی سرعت اور روانی کی بنا پر عربوں میں شہرت حاصل کی۔ یہ عوف بن کاہن سلمٰی کا گھوڑا تھا جس کے متعلق خود اسی کے شعر پیش خدمت ہیں۔"

نَصَبْتُ لَهُ وَجْهِی وبَرخَاء جَونَة
اِذا نُصِبَتْ لِلشَرّا قُعَتْ عَلَی رِجْلٍ

میں نے اپنے چہرے اور سیاہ برخا گھوڑے کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا اور جب برخا کو جنگ کے لیے کھڑا کر دیا جائے تو وہ اپنی ٹانگوں پر سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

کَاَنّ بها کُرّاَث رَمْلِ خَمِیْلَةٍ
وَلَتْ نَسبتْهٗ الجُوزاءُ بالنَبْل والَوْبلَ

گویا وہاں گھنے درختوں والی ریت کی گندھنا بوٹی پائی جاتی ہے اور اس کی گھاس پر جوزا برج نے نرم اور زور کی بارش برسائی ہوئی ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَرَكْتُ ابنَ بَدْرٍ والسِّبَاعُ يَعُدْنَهُ
وَفِی النفس مِمَّا يَذْكُرُ النّاس عَاذِرٌ

اور میں نے ابن بدر کو اس حالت میں چھوڑا کہ پرندے اسے نوچ رہے تھے اور میرے دل میں ان باتوں کے متعلق جو لوگ کہہ رہے تھے غدر موجود تھا کہ میں نے اسے بلا سبب قتل نہ کیا تھا"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

قَصَرْتُ لَهُ مِنْ صَدْرِ جِرْوَةَ اِنَّهَا
تُصَادِمُ اَحْيَاناً وَحِيْناً تُغَادِرُ

اور میں جروہ کا سینہ اس کے سامنے تانے رکھا اور جروہ کبھی ٹکراتی اور کبھی ٹکرانا چھوڑ دیتی"۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

قَصَرْتُ لَهُ مِنْ صَدْرِهَا وكانَّهَا
عُقَابٌ تَدَلَّت مطلع الشمس كاسِرُ

میں نے گھوڑی کا سینہ تانے رکھا اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ گھوڑی مشرق کی جانب سے ان پر عقاب کی طرح ٹوٹ پڑی ہے [36*]. "۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

الحرون

انھی گھوڑوں میں ایک الحرون بن الاثانی ہے جو عربوں کے سب سے اعلیٰ گھوڑے اعوج کی نسل سے تھا۔ عرب کے ماہر انساب نے اس کا نسب یوں بیان کیا ہے ''الحرون بن الاثانی بن الخزر بن ذی الصوفۃ بن اعوج'' یہ قتیبہ بن مسلم کے باپ مسلم بن عمرو الباہلی کا گھوڑا تھا۔ اسے حرون اس لیے کہا جاتا تھا کہ یہ دوسرے گھوڑوں سے بہت آگے نکل جایا کرتا تھا۔ جب یہ دوسروں سے آگے نکل جاتا تو پھر رک جاتا کہ پیچھے آنے والے گھوڑے ان فاصلوں کو سمیٹ سکیں جو اس کی تیزی رفتاری نے ان کے درمیان ڈال دیئے تھے جب وہ اس کے قریب پہنچتے تو یہ پھر سے بھاگ نکلتا اور لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ حرون کے بارے میں کسی عرب شاعر نے کہا کہ:

اِذَا مَا قُرَیْشٌ خَلَا مُلْکُھَا

فَاِنَّ الخِلَافَۃَ فِی بَاھِلَۃ

جب قریش سے حکومت جاتی رہے گی تب خلافت قبیلے باہلہ میں ہوگی''۔

لِربّ الحَرُوْنِ اَبِیّ صالح
وَمَا تِلْکَ بالسنۃ العَادِلَہ"

اورحرون کے مالک ابوصالح کی حکومت ہوگی اور یہ کوئی عادلانہ دستورنہیں"۔

مسلم نے اس گھوڑے کو بصرہ میں ایک بدوی سے دو ہزار درھم میں خریدا تھا۔لوگ کہتے ہیں کہ جب وہ بدوی اس کو لے کر اندر آیا تو اس کی گردن میں رسی تھی اوراس کے بال اڑ رہے تھے مگر یہ مسلم کے نصیب تھے کہ وہ بیس سال تک اس گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر اسے دوڑا تا رہا مگر وہ ایک بار بھی شکست سے دوچار نہ ہوا کامیابی ہمیشہ اس کے ہمرقاب رہی۔بعد میں حجاج نے اسی گھوڑے کے ایک بیٹے بطین کو الولید بن عبدالملک کو بھیجا جس نے اپنے باپ کے نام کو زندہ رکھا اور عربوں کے اصیل گھوڑوں میں شامل رہا۔

اَغَرّ مِنْ خَیلِ بَنِیْ مَیْمُون
بَیْنَ الحُمَیلیّاتِ وَالْبَطِیْنِ

حملیات اور بطین کے درمیان یہ بنی میمون کے گھوڑوں میں سے ہے اوراس کا نام اغر ہے"۔

حزمہ

عربوں کے نامور گھوڑوں میں ایک نام حزمہ تھا۔ جس کا ذکر اصمعی نے کیا ہے کہ مجھے ایک بوڑھے شخص نے جس کا نام ابن قتب تھا نے کہا کہ ایک بدوی جو نجد کا رہنے والا ہے ولید بن عبدالملک کے پاس آیا۔ ولید نے اپنے گھوڑے دوڑنے کے لیے خوب تیار کر رکھے تھے کہ اس بدوی نے کہا' اے امیر المومنین میں اپنا گھوڑا تمھارے گھوڑوں کے ساتھ چھوڑنا چاہتا ہوں۔ ولید نے اسلیم سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ اسلیم نے جواب دیا' یہ ایک حجازی گھوڑی ہے جو اگر تمھاری تربیت میں آ جائے تو خوب نام پیدا کرے۔ اس بدوی نے کہا کہ مجھے یقین ہے میری گھوڑی تمھارے گھوڑوں پہ بھاری پڑے گی۔ پھر گھوڑوں کو چھوڑا گیا اور وہ بدوی اپنے دعویٰ میں پورا اترا اور اس کی گھوڑی حزمہ سب پہ غالب آ گئی۔ ولید نے اس بدوی سے کہا کہ یہ گھوڑی تم مجھے دے دو۔ مگر اس عرب نے کہا کہ ہم سر تو دے دیا کرتے ہیں مگر سواری نہیں دیا کرتے۔ وہ بھی حزمہ جیسی۔ اس پہ ولید بن عبدالملک مسکرایا اور وہ بدوی چلا گیا۔ تب ایک مدت بعد خلیفہ کو پتا چلا کہ حزمہ کا بدوی مالک سخت بیمار ہے تو اس نے اپنے خاص طبیبوں کو اس کے علاج کے لیے روانہ کیا مگر اس کے مرض کو افاقہ نہ ہوا۔ اس موقع پر اس بدوی نے چند شعر کہے جو وقت کی راکھ

تلے دبنے سے محفوظ رہے اور اوراق کی تہوں میں پوشیدہ تاریخ کی مسافت طے کرتے ہوئے ہم تک پہنچے
جو آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:

جَاءَ الاطِبَّاءُ مِنْ حِمْصٍ كَأنَّهُم
مِنْ اَجْلِ اَنْ لا يُدَاوُونِی مَجَانِيْن
اور حمص سے میرے لیے طبیب آئے مگر وہ میرا اعلاج نہ کر سکنے کی وجہ سے دایوانہ ہو رہے
تھے"۔

قَالَ الاطِبَاءُ ما يشفى فقلت لهم
دُخَانُ رِمثٍ مِن التَّسرِيْرِ يَشْفُنِي
طبیبوں نے پوچھا تجھے کس چیز سے شفاء ہوگی میں نے کہا تسریر کی رمث بوٹی کا دھواں مجھے شفا
یاب کرے گا"۔

وِمّا يَجُرُّ اِلَى عُمْرَان حاطبُه
من الجُنَيَنة جَزْلا غير مَمنُون
اور یہ وہ بوٹی ہے جسے لکڑ ہارا جنینہ سے نہ ختم ہونے والا ایندھن کھینچ کر آبادی کی طرف لے جاتا
ہے"۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کے بیٹے اونٹوں کی چراگاہ سے یہ بوٹی لے کر جب اس تک پہنچے تو حزمہ کا وارث مر چکا تھا۔ محمد الاعرابی نے حزمہ کے مالک کا نسب بھی بیان کیا ہے جس کے مطابق وہ الاصم حکیم بن جناب بن المنیر ی تھا اور اصم اس کا پوتا تھا جس نے اپنے دادا کی گھوڑی کی وفات پہ اس کا مرثیہ کہا جس کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

یَا حَزْمَ قَد جَدَّ الرھَا نُ با لَقَوم
لیس عَلیك الیوَمَ فِی جَرْیِ لَوْم

اے حزمہ قوم کی گھڑ دوڑ تیز ہو گئی ہے اور آج چلنے میں تجھے کوئی ملامت نہیں کر سکتا‘‘۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِن ُاَنت َ جَلَّیْت َالْوجَوہ َذا لیوم
وَالَو لَا جَزْیُ حُوْمَلَ یوم غدر

اور اگر غدر کے دن حومل نہ دوڑتا تو ہتھیار اسے اور مجھ دونوں کو پھاڑ دیتے‘‘۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَمَزَّقَنِی ُوَاِیّا ھَا السّلا َح ُ
تُشِیْب ُاِثَا بَۃ َالعَضُود لَمَّا

اور اس نے وہی جزا دی جو یعفور نامی گھوڑے نے اپنے مالک کو دی تھی جب بکھرے ہوئے بالوں والے حریص دشمن ان تک آ پہنچے تھے‘‘۔[*37]

❁❁❁❁❁❁❁❁

الحفار

عربوں کے نامور گھوڑوں میں سے ایک کا نام الحفار تھا جو جنگوں میں اپنے مالک کو اڑائے پھرتا اور کسی کے ہاتھ نہ آتا۔اس کے مالک کا نام سراقہ بن مالک الکنانی ہے جو اپنے گھوڑے کی شان میں رقمطراز ہے کہ:

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِیْ وَاحرزْتُ جَنَّتِیْ
ومثل مَشَدِّی یَوْمَ ذٰلِکَ یُذکر

میں ان کے سامنے ڈٹا رہا اور جنت کو پالیا اور اس دن جس طرح میں نے حملہ کیا اس کا چرچا عام تھا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَمَرْجِعِیْ الحَفَّارُ خَلْفَ ظُهُورِهِمْ
بِمُعْتَرِكٍ ضَنْكٍ بِهِ الضَّيمِ اعسر

اوران کے پیچھے میرا مرجع حفار تھا ایسے تنگ مقام جنگ میں جہاں کسی پر ظلم کرنا بدبختی کا سبب ہوتا ہے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلّی حُمَید وَلَمْ یَنْظُرُ فَوَارِسَہ
قَبلَ الَبَیِّنِ وا لمَغرُورُ مَغْرُوْرُ

حمید بھاگ نکلا اس نے غائرنظر ڈالنے سے پہلے اپنے سواروں کو دیکھا ہی نہ تھا اور ظاہر ہے کہ وہ ایک فریب خوردہ فریب تھا"۔

مِنْ بَعْدِ مَا اَلشَقَ الِریالَ طَعنُتہ
کَاَنَّہ بِعَصِیرُا لوَرْسِ ممکُور

اور بعدازاں اس کے نیزے کے زخم نے اس کی قمیض کو رنگ دیا تھا اور وہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے ورس کے رنگ میں ڈبو دیا گیا ہو"۔

نَجیّ ا لحسا مِیّہ الکبد ءَ مُبترك
مَنْ جَرْیِھَا وحَثِیث الرّکْضِ مَذْعُورُ

اور بڑے پیٹ والے حسامیہ گھوڑی کو گھٹنوں پر بیٹھ کر لڑنے والے نے چلنے سے نجات دلا دی اور تیز خوفزدہ گھوڑے نے بھی"۔

کَاَ نَّمَا یَلْدَغُ الافرا بَ اِذ حَمِیَتُ
مِن شَدِّھَا بِحَصَی الارْضِ الزَنَابِیُر

اور جب یہ زمین کے کنکروں پہ تیزی سے چل رہی تھی تب یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پہلوؤں کو بھڑیں ڈس رہی ہیں [38*]"۔

الحراوۃ

عربوں کے مشہور گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا حراوۃ تھا۔ یہ ریّان بن حویص العبدی کا گھوڑا تھا [39*] جسے کوئی پکڑ نہ سکتا تھا۔بعض لوگوں نے اس گھوڑے کے کسب کی بنا پر اس کا نام حرواۃ الاعزاب رکھ چھوڑا تھا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس گھوڑے کے مالک نے اسے ان نوجوانوں کے حوالے کر رکھا تھا جو کنوارے تھے۔ چنانچہ ایک کنوارہ اس پہ سوار ہو کے چھاپے مارتا اور جب وہ مالدار ہو جاتا اور شادی کے لائق مال جمع کر لیتا تو اس کو کسی اور کنوارے کے حوالے کر دیتا کہ وہ اس پہ غارت ڈالے اور خود کو شادی کے قابل بنالے۔ اس طرح وہ باری باری اسے لیتے رہتے حتیٰ کہ یہ گھوڑا ضرب المثل بن کے رہ گیا۔ چنانچہ عربوں کا مشہور شاعر لبید اس کے بارے میں کہتا ہے کہ:

لَا تَسۡقِنِیۡ بِیَدِكَ اِنۡ لَمۡ اَلۡتَمِسۡ

نِعۡمَ الضَّجُوعُ بِغَارَةٍ اَسۡرَاب

اگر میں تم سے نہ مانگوں تو مجھے اپنے ہاتھ سے پانی نہ پلا اور غارۃ اسراب کے مقام پر ضجوع کیا ہی عمدہ جگہ ہے"۔

تَھدِی اوائلَھُن کُلُّ طِمرۃٍ
جَردا ءَ مثل ھَرَواۃ الاعزاب

کم بالوں والی تیز رفتار اونٹنی جو ھرواۃ الاعزاب کی طرح ہے ان آباء کو تحفہ دیتی رہی ہے"۔

سَقَی جُدَثَ الریّان کلَّ عَیسُیَّۃٍ
مِنَ المُزُن وَکاَّف العَشّی دَلُوحُ

خدا اس قبر کو جو ریان میں واقع ہے ہر رات زور سے بہنے والے، بہت بارش برسانے والے بادل سیراب کرتے رہیں"۔

اَقَامَ لِفتیان العَشِیرۃ سَھُوۃً
لَھُم مَنکَحُ مِن جَریھَا وصَبُوحُ

اس نے قبیلے کے نوجوانوں کے لیے ایک نرم رفتار گھوڑا مقرر کر رکھا تھا جس کی رفتار ان کے لیے نکاح اور عمدہ شراب کا سبب تھی"۔

فیَا مَن رائی مثل الھَرَاوۃ مُنکحا
اِذَا بَلَّ اَعطا ف الحَسَبَا دِ جُرُوحُ

جب عمدہ گھوڑوں کے پہلو خون سے تر ہو جائیں تو اسے میں کیا کسی نے بھی ایسا گھوڑا نہ دیکھا ہوگا جو جوانوں کی شادی کرا دینے والا گھوڑا ہو"۔

وذی اِبِل لولا الھراوۃ لَم یَثُبُ

لَہٗ المالُ ما انشَقَّ الصباح یُلُوحُ

بہت سے اونٹوں والے ایسے ہیں کہ اگر ھرواۃ نہ ہوتا تو جب تک صبح پھٹ کر چمکتی رہے انھیں کبھی مال حاصل نہ ہوتا''۔[40*]

❂❂❂❂❂❂❂

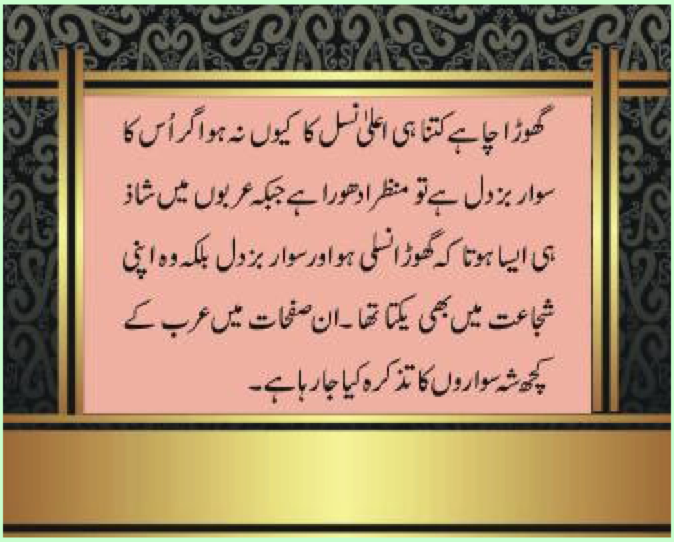

جہاں عربوں میں عمدہ گھوڑوں کی کمی نہ تھی وہیں ان میں شجاع شہ سواروں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ اس لیے کہ عرب جاہلیت کے زمانے میں حملہ کرنے پیچھے ہٹنے اور جنگ کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے عزت حاصل کرنے اور وقار بلند کرنے کی غرض سے اپنی جانوں کو سستا کر رکھا تھا۔ اگر انھیں کوئی عیب لگ جاتا یا ذلت کی کوئی بات انھیں داغدار کر دیتی تو پھر ان کے لیے زندہ رہنا دوبھر ہو جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں شہ سواروں اور جگرداروں کی کمی نہ تھی بلکہ ان کے اکثر نوجوان جنگل کا شیر ہوا کرتے۔ یہ بات کہنے والا کوئی غیر نہیں خود انھیں عربوں کا ایک سردار تھا جس کی شاعری کی اِک عالم میں دھوم تھی جس کا نام نابغہ جدی تھا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں شامل تھے اور اُن کا اصل نام قیس بن عبداللہ بن عدس بن ربعیہ بن جعدہ تھا۔ ان کی کنیت ابو لیلیٰ تھی اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت بھی کی ہے اور آپ کی مدح بھی کہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درازی عمر کی دُعا کی۔ چنانچہ نابغہ جدی کی عمر جب دو سو سال تھی تب بھی ان کے منہ سے ایک دانت تک نہ گرا تھا۔ انھوں نے دو سو بیس سال کی عمر پائی۔ وہ عرب شہ

سواروں کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

وَاِنَّا لَقَومٌ مَا نُعَوِّدُ خَيلَنَا
اِذَا مَا التَقَينَا اَنْ تَحِيدَ وَتَنفِرَا

اور ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گھوڑوں کو اس بات کا عادی نہیں بنایا کہ جب جنگ ہو تو وہ ایک طرف کو ہٹ جائیں یا میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں"۔

وَنُنكِرُ يَومَ الرَّوعِ اَلوَانَ خَيلِنَا
مِنَ الطَّعنِ حتَّى نَحسِبُ الجَونَّ اَشقَرَا

جنگ کے دن ہم اپنے گھوڑوں کے رنگوں کو نیزے کے زخموں کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے یہاں تک کہ ہم سیاہ رنگ کے گھوڑے کو سرخ رنگ کا خیال کرنے لگ جاتے ہیں"۔

وَلَيسَ بِمَعرُوفٍ لَنَا اَنْ نَرُدَّهَا
صِحَاحًا وَلَا مُستَنكِراً اَنْ تُعقَرَا

اور ہمارا یہ دستور نہیں کہ ہم انھیں صحیح وسلامت واپس لے آئیں اور نہ ان کے زخمی ہو جانے کو عجیب بات سمجھتے ہیں"۔

حَسِبنَا زَمَاناً كُلَّ بَيضَاءَ شَحمَةً
لَيَالِيَ اِذْ نَغزُو جُذَاماً وَحِميَرَا

اور ہم ایک زمانے تک غلطی سے ہر سفید چیز کو چربی سمجھتے رہے اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہم حمیر اور

جذام سے جنگ کررہے تھے“۔

اِلَی اَن لَقِینَا الحیّ بکرّ بن وائلٍ
ثَمَا نِینَ اَ لْفاً دَارِ عَیْنَ وَ حُسَّرَا

تا آنکہ ہماری جنگ قبیلہ بکر بن وائل سے ہوئی جن کی تعداد اسی ہزار تھی اور ان میں کچھ زرہ پوش تھے اور کچھ بغیر زرہ کے“۔

فَلَمَّا قَرَعْنَا النبعَ بَا لنَبْعِ بَعْضَہَ
بِبَعْضٍ اَبَتْ عِیْدَ انہ ان تکسَّرَا

پھر جب ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ نیزے ٹکرائے تو ان کی لکڑیوں نے ٹوٹنے سے انکار کر دیا“۔

سَقَیْنَا ھُم کَاسًا سَقَوْنَا بِمِثْلِھَا
وَلَکِنَنَّا کُنَّا عَلَیٰ المَوْتِ اَصْبَرَا

اور ہم نے انھیں موت کا پیالہ پلایا اور انھوں نے بھی ہمیں ایسا ہی پیالہ پلایا مگر ان کے مقابلے میں ہم مرنے کے لیے زیادہ آمادہ تھے“۔[41*]

عرب کے شہ سواروں کا تذکرہ بہت طویل ہے اس لیے ہم بساط بھر اہل عرب کے ان شہ سواروں کا احوال

بیان کریں گے جو حملہ کرنے اور حملہ سہنے میں مقبول تھے اور جن کے قدم میدان جنگ میں اس طرح جم جاتے جیسے وہ اسی میدان کا کوئی درخت ہوں۔ عرب اپنے بعض شہ سواروں کو ہزار سواروں کے برابر قرار دیتے تھے اس لیے کہ وہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں راسخ تھے اور ان کے قدم میدان میں جمے رہتے۔

حضرت زید الخیرؓ

زید الخیر عرب کا مشہور شہ سوار تھا۔"**استیعاب**" کے مصنف کے مطابق اس کا نام زید بن مہلہل بن زید بن الطائی تھا[42*]۔انھیں اللہ تعالیٰ نے ۹ ہجری میں اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔جب وہ قبیلہ طے کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔تب نبی اکرم ﷺ نے اس کا نام زید الخیل کی بجائے زید الخیر رکھا اور فرمایا۔تمھارے سوا جاہلیت میں جس کسی کا بھی ذکر مجھ سے کیا گیا اور پھر میں نے اسے عہد اسلام میں دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ اپنے تذکرے سے کم ہی ہے مگر میں نے تم میں وہ تمام اوصاف موجود پائے ہیں جن کا تذکرہ تمھاری غیر موجودگی میں کیا گیا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے اس کی تکریم کی اور انھیں بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا کے دی۔زید الخیر کی کنیت ابو منکف تھی اور زید الخیر کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے علاقے میں ایک جاگیر بھی عطا کی۔زید الخیرؓ بننے سے پہلے ان کا نام زید الخیل تھا جو انھیں اس وجہ سے عطا کیا گیا کہ ان کے پاس بہت سے اصیل گھوڑے تھے اور اِن دِنوں جب کہ عربوں کے ہاں ایک دو ہی اصیل گھوڑے ہوا کرتے تھے تب زید الخیل کے پاس بہت سے اصیل گھوڑے موجود تھے۔زید کے اپنے اشعار میں اس کے پانچ بہترین گھوڑوں کے نام ملتے جو کہ یہ ہیں ،الھطال،الکمیت ، الورد، ذوٗول اور لاحق،خود زید الخیر بھی عرب کے بہت خوبصورت جوان تھے۔وہ بہت جسیم اور بہت لمبے

تھے۔ وہ اپنے قد آور گھوڑے پر سوار ہوتے تو بھی ان کی ٹانگیں لٹکتی رہتیں اور یوں محسوس ہوتا کہ آپ کسی گدھے پہ سوار ہیں۔ زید الخیر کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام مکنف اور حریث تھے۔ دونوں نہایت پختہ مسلمان تھے وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں مرتدین کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ ان کے باپ زید الخیرؓ نہایت عمدہ شاعر تھے۔ عربوں کے فصیح و بلیغ خطیب تھے بہادر اور شریف سردار تھے۔ انھوں نے کعب بن زہیر کی ہجو بھی لکھی کیونکہ کعب نے ان پر تہمت لگائی تھی کہ انھوں نے اس کا گھوڑا چرا لیا ہے۔ ایک اور معرکہ میں انھوں نے عربوں کے سردار عامر بن طفیل کو گرفتار کر لیا تھا تاہم بعد میں اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر بطور احسان اس کو چھوڑ دیا تھا۔ بنی اسد کے ایک شخص مزید کو زید الخیرؓ کے ساتھ الجھنے کی خواہش تھی جس کا اظہار وہ گاہے بگاہے کرتا رہتا تھا۔ مگر جب اس کا سامنا زید الخیرؓ سے ہوا تو اس نے جانا کہ وہ ان سے مقابلے کا اہل نہیں۔ جب ان کا مقابلہ ہوا تو وہ زید الخیر کے نیزے کے دو وار بھی نہ سہہ سکا اور بھاگ نکلا۔

پھر قبیلہ غفطان کا ایک شخص جابر بھی ان کے سے مقابلے کی خواہش رکھتا تھا یہاں تک کہ ایک صبح زید ان کے علاقے میں جا نکلا۔ جابر کی بیوی نے انھیں دیکھا تو اپنے خاوند کو اکسایا کہ وہ جس سے مقابل ہونے کی خواہش تیرے اندر پائی جاتی ہے آج تیری دسترس میں ہے نکل اور اس کے مقابلے پہ آ۔ تب جابر زید الخیرؓ کے مقابلے پہ اترا دونوں نے اپنے نیزوں سے ایک دوسرے پہ وار کیے جو کارگر ثابت نہ ہوئے اس لیے کہ دونوں سواروں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ پھر جابر نے ایک زبردست وار زید الخیرؓ پہ کیا مگر اس کا نیزہ زید الخیرؓ کی زرہ سے کمزور ثابت ہوا اور مڑ کر ٹوٹ گیا۔ تب زیدؓ نے اس پر اپنے نیزے سے وار کیا تو وہ اچھل کر دور جا گرا اور اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ جابر کی بیوی نے اسے اٹھایا اور کہا جس کے مقابلے کی خواہش تو کرتا تھا وہ ایک پُر اعتماد شخص ہے۔ اگرچہ تو نے خوب مقابلہ کیا اس کے بعد اس سے قبل کہ زید الخیرؓ اسے قتل کرتے اور عرب میں مقابل کو قتل کرنے ہی کا رواج تھا۔ اس کی بیوی نے اپنے شوہر کی جان بخشی کی درخواست کی جسے حضرت زید الخیرؓ نے قبول کر لیا اور خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئے۔ زید الخیرؓ جب اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹے تو ان کو شدید بخار نے آ گھیرا جس کے باعث انکی موت واقع ہو گئی، اسلام لانے کے بعد وہ بہت کم عرصہ تک زندہ رہے۔

ان کے چند شعر پیش خدمت ہیں:

تَمَنّٰی مِزْیَدٌ زَیداً فَلاقٰی

اَخَا ثِقَۃٍ اِذَا اخْتَلَفَ العَوَالِیْ

مزید نے زید سے جنگ میں ملاقات کرنے کی خواہش کی پھر جب وہ اسے ملا تو ایک خود اعتماد شخص تھا جس کا مقابلہ کرنا دشوار تھا اگرچہ نیزے دونوں طرف سے ہی چلے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

کَمُنْیَۃِ جَابِرٍ اِذْ قَالَ لَیْتِنیْ

اُصَادِفُہٗ وَاُتْلِفُ بَعْضَ مَسَالِیْ

اور یہی آرزو بنو غفطان کے جابر کے سینے میں بھی لہریں لیتی تھی جب اس نے کہا کہ کاش میں زید کو پالیتا اور اس خواہش کے لیے میں اپنا مال خرچنے کو بھی تیار ہوں“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَلَاقَیْنَا فَمَا کُنَّا سَوَاءً

وَلٰکِنْ خَرَّعَنْ حَالٍ لِحَالٍ

مگر جب ہم ایک دوسرے سے ملے تو ہم برابر نہ تھے کہ وہ تو کچھ دیر بعد ہی یک دم گھوڑے کی پشت سے نیچے گر پڑا“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَلَوْلَا قَوْلُہٗ یَا زَیْدُ قَدْنِیْ

لَقَدْ قَامَتْ نُوَیْرَۃُ بِالْمَالِیْ

اگر وہ یہ نہ کہتا کہ زید: بس تو نویرہ کی بیوی کھڑی ہو کر اس کا ماتم کرنے ہی والی تھی“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

شَكَكْتُ ثِيَابَهٗ لَمَّا التقَينَا

بِمُطَّرِدِ ائمَهزَّةِ كالخِلَال

جب ہم ملے تو میں نے اس کے جسم کو مسلسل حرکت کرنے والے خلال کی طرح نیزے سے پرو دیا‘‘۔[*43]

عامر بن طفیل

عرب شہ سواروں میں ایک عامر بن طفیل بھی تھا[44*] جو جنگوں میں بہادری کے اعتبار سے عرب کے اکثر شہ سواروں سے زیادہ مشہور تھا۔اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔وہ ایک آنکھ سے کانا تھا کہ عربوں کی باہمی جنگوں میں سے کسی جنگ میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔اس کے دادا کا نام مالک بن کلاب بن عامری تھا اور وہ عرب کے مشہور شاعر حضرت لبیدؓ کا چچازاد بھائی تھا مگر اسلام کی دولت سے محروم رہا۔چونکہ اس کی بہادری کے قصے مقبول عام تھے اس لیے روم کے حکمران قیصر بھی اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔اس لیے جب بھی عربوں کا کوئی شخص قیصر روم کے دربار میں پہنچتا تو اس سے پوچھا جاتا کہ کیا تمھاری عامر بن طفیل سے کوئی رشتے داری ہے اور اگر کوئی عامر بن طفیل سے قرابت داری ظاہر کرتا تو قیصر اس کا خوب اکرام کیا کرتا۔یہاں تک کہ عقلمہ بن علاثہ جب قیصر کے دربار میں پہنچا تو قیصر نے اس سے بھی وہی سوال کیا کہ تو عامر بن طفیل کا چچازاد بھائی ہے تو اس بات پہ عقلمہ کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا میں عامر بن طفیل سے الگ اپنی شناخت رکھتا ہوں اور جہاں کہیں مجھے کسی اور کے حوالے سے جانا جائے میں وہاں رہنا پسند نہیں کرتا۔اتنا کہہ کر وہ قیصر کے دربار سے نکل آیا مگر اس کا دل غصے سے بھر چکا تھا۔چنانچہ واپس اپنے ملک آ کر اس نے عامر بن طفیل کو مفاخرت کی دعوت دے دی۔یمن کا مشہور شہ سوار عمرو بن معدیکریب کہا کرتا تھا کہ معد کے کسی پانی پر مجھے کوئی بھی عورت مل جائے تو اگر معد کے دو آزاد اور

دو غلام مجھ سے دوچار نہ ہوں تو میں اس عورت سے لطف ضرور اٹھاؤں گا۔ دو آزاد افراد سے اس کی مراد عامر بن طفیل اور عتیبہ بن الحرث ہوتی جبکہ دو غلاموں سے اس کی مراد عنترہ العبسی اور سلیک بن سلکہ سے ہے جو عرب کے شجاع شہ سوار تھے۔ الاشرم نے کہا کہ مفاخرت کا سبب یہ ہوا علقمہ بن علاثہ نے شراب پی تو حضرت عمرؓ نے اس پر شراب کی حد جاری کر دی جس پر وہ مرتد ہو کر رومیوں کے یہاں چلا گیا۔ جب وہ قیصر کے پاس گیا تو قیصر نے اِس سے اُس کا نسب دریافت کیا۔ عامر نے اِس سے اپنا نسب بیان کیا مگر قیصر اس نسب میں عامر بن طفیل کا نام نہ پا کر مایوس ہوا اور اس سے بے اعتنائی برتی۔ ادھر علاثہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ بے اعتنائی اس لیے برتی جا رہی ہے کہ اس کا عامر بن طفیل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اس نے چڑ کے ان سے کہا کیا ان کے ہاں عامر بن طفیل کے حوالے کے سوا کسی کی تکریم نہیں کی جاتی۔

پھر وہ وہاں سے مایوس ہو کر دوبارہ مدینے چلا آیا اور حضرت عمرؓ سے معافی مانگی، دوبارہ کلمہ پڑھا۔ تاہم اس کے مقابل عامر بن طفیل بدقسمت ثابت ہوا اور اسلام کی دولت سے محروم رہا۔ اس لیے جب نو ہجری میں عربوں کے بے شمار وفود دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی زندگیوں میں اجالا کر رہے تھے۔ تب بنی عامر کا وفد بھی نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور انھی میں عامر بن طفیل اور اس کا دودھ شریک بھائی ولید بن قیس بھی شامل تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی قوم کے شریر لوگ تھے اس لیے عامر بن طفیل اور اس کے بھائی نے یہ منصوبہ بنا رکھا تھا کہ ان میں سے ایک بھائی نبی اکرم ﷺ کو باتوں میں لگائے گا اور دوسرا بھائی اچانک ان پہ حملہ بول دے گا۔ مگر اللہ نے اُن کو یہ موقع نہ دیا۔ دوسری طرف عامر بن طفیل کی قوم اس سے یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ اب جب کہ تقریباً سارا عرب ہی اسلام لے آیا ہے تو اُن کو بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہونا چاہیے۔ اس لیے عامر تو بھی اسلام قبول کر لے مگر اس نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک سارا عرب اس کے پیچھے نہیں چلتا تب تک وہ اسلام قبول نہیں کرے گا اس لیے جب وہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو اس کے دماغ میں وہ شیطانی منصوبہ موجود تھا۔ عامر بن طفیل نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ اپنے بعد میری حکمرانی کا اعلان کر دیں تو وہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا یہ مطالبہ رد کر دیا تو اس نے غصے کا اظہار کیا اور اٹھتے ہوئے کہا کہ میں عنقریب آپ ﷺ کے خلاف عرب بھر کے گھڑ سواروں اور پیادوں کو لا کر کھڑا کروں گا۔ چنانچہ

جب اس نے منہ موڑا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور کہا' اے اللہ مجھے عامر بن طفیل کے شر سے محفوظ کردے۔ چنانچہ جب وہ دربارِ اقدس سے رخصت ہوئے تو عامر نے اپنے ساتھی کو ڈانٹا کہ تم نے حملہ کیوں نہ کیا حالانکہ میں نے ان کو باتوں میں مشغول کر رکھا تھا تو اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے جب بھی اس بات کا ارادہ کیا تو تُو ہی ان کے اور میرے درمیان آیا اور مجھے لگتا کہ اگر میں حملہ کروں گا تو یہ تلوار تمہیں ہی لگے گی۔

اسی حالت میں وہ دونوں اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کی گردن پر طاعون کی بیماری نازل کر دی اور وہ بے بسی اور غریب الوطنی کی حالت میں بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں مر گیا کہ اس نے اپنی اوقات سے بڑے لفظ اپنی زبان سے ادا کیے تھے اور سر سبد کائنات کا جلوہ دیکھنے کے باوجود اس کے دل میں نرمی نے راہ نہ پائی تھی اس لیے ایک عبرت ناک اور بے بسی کی موت اس کا مقدر بنی۔ اس کا ساتھی اکیلا ہی اپنے وطن میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے ماجرہ دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ اس شخص (ﷺ) نے ہم کو فلاں فلاں عبادت کرنے کا حکم دیا مگر ہم نے انکار کر دیا اور اب اگر میرا کبھی ان سے سامنا ہوا تو میں یقیناً ان کو قتل کر دوں گا اور اپنی اوقات سے بڑے یہ الفاظ کہنے کے ایک یا دو روز بعد وہ اپنا اونٹ بیچنے کو روانہ ہوا تو راستے میں آسمانی بجلی اس کو چاٹ گئی اور وہ اپنے اونٹ سمیت ہلاک ہو گیا اور صحرا کے بجھو اس کی لاش کو نوچتے رہے۔

اربد کی اس دردناک موت پہ اس کے بھائی نے مرثیہ کہا جس کے چند شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

اَخۡشَی عَلَی اَرۡبَدَ الۡحُتُوفَ وَلَا

اَرۡھَبُ یَوۡمَ لِکَرِیۡھَۃِ النَّجۡدِ

اور مجھے اربد کی موت کا ڈر تھا حالانکہ میں نوہ سماک اور نو اسد سے بھی نہیں ڈرتا''۔

فَجّعَنِی الْبَرْقُ وَالصَّوَاعِقُ بِالْفَا

رِسِ یَوْمَ الْکَرِیْھَۃِ النَّجُدِ

بجلی اور کڑک نے ایک ایسے سوار کو ہلاک کر کے مجھے مصیبت زدہ کر دیا جو جنگ کے وقت بہادر ثابت ہوتا تھا‘‘۔

ابن النباری نے ’’**المفضلیات**‘‘ کی شرح میں روایت کی ہے کہ جب عامر مر گیا تو بنی عامر نے میل در میل بت گاڑ دیئے اور یہ تمام جگہ اس کی قبر کے لیے وقف کر دی نہ کوئی جھنڈا یہاں پھیلایا جاتا اور نہ کوئی جانور چرتا اور نہ کوئی سوار یا پیادہ یہاں سے گزرتا۔ اس وقت جبار بن سلمہ بن عامر باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس اپنی قوم میں آیا تو اس نے پوچھا کہ یہ بت کیسے ہیں تو لوگوں نے جواب دیا: ہم نے انھیں عامر کی قبر پہ گاڑ دیا ہے اس پر کسی نے کہا تم نے ابوعلی کے لیے جگہ تنگ کر دی اور علی تین باتوں میں لوگوں سے منفرد اور ممتاز تھا، جب تک اونٹ کو پیاس نہ لگتی تھی اسے بھی پیاس نہ لگتی تھی جب تک ستارہ راستے سے بھٹک نہ جائے وہ راستہ نہ بھٹکتا تھا اور جب تک طغیانی بزدل نہ ہوتی وہ بزدل نہ ہوتا تھا۔ وہ جنگ اور امن کے موقعوں پر الگ الگ کنیت اختیار کرتا تھا جنگ کے موقع پر اس کی کنیت ابوعقیل ہوا کرتی اور امن کے دنوں میں وہ خود ابوعلی کہلانا پسند کرتا۔ اس نے عرب کی بہت سی جنگوں میں اپنی شجاعت اور شہ سواری کے جوہر دکھائے تھے ۔مذحج، غطفان اور خثعم دیگر کئی عرب قبائل میں اس نے کئی جنگیں لڑیں۔

عمرو بن معدیکرب

عمرو بن معدیکرب عرب کا ایک اور شجاع شہ سوار تھا جس کا نسب بتاتا ہے کہ اس کا تعلق اہل سبا کے اس خاندان سے تھا جنھوں نے سد مارب بنایا اور سرزمین یمن میں صدیوں تک خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کی۔عمرو بن معدیکرب کے نام کے کئی معنی عربوں نے روایت کیے ہیں۔جن میں ایک یہ ہے کہ یہ لفظ عدوان سے مشتق ہے اور کرب کا معنی ہوسکتا ہے کہ سخت غم کے ہوں اور یہ لفظ قارب کے ہم معنی ہو اور بعض نے کہا کہ کرب کنویں سے پانی نکالنے والے ڈول کے دونوں سروں پہ بندھی رسی کو بھی کہتے ہیں۔ابن مجنی نے کہا کہ ثعلب نے معدی الکرب کے معنی یہ کیے ہیں کہ غم اسے چھوڑ کر آگے نکل گیا۔'' **الروض الانف** '' کے مصنف امام سہیلیؒ نے معدی کرب کا مفہوم ''وجہ فلاح'' کیا ہے۔عمرو کی کنیت ابو ثور تھی۔ ابو ثور نے جاہلیت اور اس کے بعد اسلام میں کئی بار غارت گری کی اور جنگیں لڑیں۔ ''**الاستیاب**'' کا مصنف کہتا ہے کہ عمرو نو ہجری میں اور بقول واقدی دس ہجری میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بنی زبید کے وفد کے ساتھ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔عمرو بن معدیکرب ایک مدت تک مدینے میں رہنے کے بعد اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔عمرو کی قوم کا حاکم فروۃ بن مسیک تھا اور جب نبی ﷺ نے وصال فرمایا تو عرب بھر میں فتنے سر اٹھانے لگے جن میں ایک فتنہ جھوٹی نبوت کا بھی تھا۔ چنانچہ یہ عمرو بن معدیکرب [45*] اسود عنسی کے گروہ کے ساتھ ہو گیا اور مرتد ہو گیا۔پھر حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ایک لشکر ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے ترتیب دیا گیا اور حضرت خالد بن سعیدؓ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ان کا سامنا عمرو بن معدیکرب سے ہوا۔خالد نے اس کے کندھے پہ تلوار کا ایک بھرپور وار کیا اور

معدیکرب بھاگ کھڑا ہوا۔حضرت خالد نے اس کی سواری اور تلوار اپنے قبضے میں لے لی ۔ادھر معدیکرب نے دیکھا کہ اسلامی فوجوں کو خلیفہ کی کمک پہنچ گئی ہے تو اس نے پھر سے اسلام پہ قائم ہونے کا اعلان کر دیا۔عربوں کے دستور کے مطابق کسی سے امان حاصل کیے بغیر مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا تو مسلمانوں نے اسے رسیوں سے جکڑ کر ایک طرف ڈال دیا اور اسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو دیکھا تو اس سے مخاطب ہو کے کہا تجھے شرم نہیں آتی کہ آئے دن کبھی تو ہزیمت اٹھاتا ہے اور کبھی قید میں ہوتا ہے۔اگر تو اپنے دین کو مضبوط کرتا تو اللہ تعالیٰ تیرے لیے آسانی پیدا کر دیتا۔تب اس نے خلیفۃ المومنین سے معذرت کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے پھر سے رہا کر دیا۔پھر یہ اپنی قوم کی طرف چلا گیا مگر اب اس کے دل سے میل کچیل دھل چکی تھی اور اب وہ پکا مسلمان بن چکا تھا۔بہت دن اپنی قوم کے پاس گزارنے کے بعد اس کے دل میں جہاد کا شوق جاگا تو یہ اپنی سواری پہ بیٹھا اور مدینہ پہنچا۔اپنے دل کی خواہش حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کی۔اس نے کہا کہ میں عربوں کا شہ سوار تھا نہ جانے کیوں اتنا عرصہ میرے بازوؤں میں زنگ لگا رہا آپ مجھے جہاد کی اجازت دیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے شام کی طرف بھیج دیا۔وہاں ایرانیوں سے جنگ درپیش تھی ۔جنگ یرموک میں عمرو بن معدیکربؓ نے خوب دادِ شجاعت دی اور ثابت کر دیا کہ وہ واقعتاً عربوں کے بڑے شہ سوار ہیں۔جنگ یرموک میں عمرو بن معدیکربؓ کی ایک آنکھ جاتی رہی۔مگر اس کے باوجود ان کے دل میں جہاد کا شوق موجود رہا۔اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں عراق کی طرف روانہ کیا جہاں جنگ قادسیہ میں ایک بار پھر انھوں نے اپنے بازوؤں کے جوہر دکھائے اور اسلام کی سربلندی کی خاطر خوب جنگ کی ۔قادسیہ کی جنگ کو ہاتھیوں کی جنگ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں ایرانی پہلی دفعہ عربوں کے مقابل ہاتھیوں کا لشکر لے کر اترے تو عرب پریشان تھے اس عظیم الجثہ جانور کا کیا علاج کریں۔اسی دوران عمرو بن معدیکربؓ نے ایک ہاتھی کی سونڈ پہ تلوار ماری اور ہاتھیوں کا لشکر الٹے منہ پھر گیا اور اپنی ہی فوج کو روندنے لگا۔عمرو بن معدیکربؓ کے ایک ہی وار نے جنگ کا فیصلہ کر دیا اور عربوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست ہوئی ۔عمرو بن معدیکربؓ نے ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی ۔عرب دستور کے مطابق عمرو بن

معدیکربؓ بھی ایک عمدہ شاعر تھا۔اس کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

وَلَمَّا رَأیْتُ الخَیْلَ زُوراً کَأنّھَا
جَدَاوِلُ زُرْعٍ اُرْسِلَتْ فَاسْبَطَرَّتِ

جب میں نے دیکھا کہ گھڑ سواروں کے سینے نیزوں کے زخم کھا کھا کر ایک طرف ہٹ رہے ہیں حالانکہ دشمن نے اپنے گھوڑے ہم پر چھوڑ رکھے تھے اور وہ یوں معلوم ہو رہے تھے گویا کھیتوں کی نہروں کا پانی چھوڑ رکھا ہو‘‘۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَجَاشَتْ اِلَیَّ النَّفْسُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ
فَرُدَّتْ عَلَی مَکْرُوھِھَا فَاسْتَقَرَّتِ

چنانچہ پہلے پہل تو کلیجہ منہ کو آ گیا مگر پھر اسے ناپسند چیز یعنی جنگ کی طرف لوٹا دیا گیا اس پہ جی کو قرار آ گیا‘‘۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عَلَامَ تَقُولُ الرُّمحُ یثقل عَاتِقِی
اِذَا اَنَا لَمْ اَطعَنْ اِذَا الْخَیْلُ کَرَّتِ

تو یہ کس لیے کہہ رہا ہے کہ نیزے نے میرے کندھے کو بوجھل کر رکھا ہے درآنحالیکہ سواروں نے مڑ کر حملہ کیا ہے اور میں نے ابھی نیزے کو حرکت بھی نہیں دی‘‘۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

لَحَی اللّٰہُ جَرْماً کُلَّمَا ذَرَّ شَارِقٌ
وُجُوہَ کِلَابٍ ھَارَشَتْ فَازْبَارَّتِ

خدا جرم قبیلے کو رسوا کرتا رہے جب تک کہ سورج طلوع ہوتا رہے میری مراد ان کتوں کے سے چہروں والوں سے ہے جو ایک دوسرے کے طیش میں آتے ہیں اور پھر چڑھ دوڑتے ہیں"۔

فَلَمْ تُغْنِ جَرْمٌ نَهْدَهَا اِذ تَلاَقَيَا
وَلٰكِنَّ جَرْمًا فِى اللِّقَاءِ ابْذَعَرَّتِ

جرم قبیلے نے نہد قبیلے کا کچھ نہیں بگاڑا جب دونوں جنگوں میں مقابل آئے بلکہ جرم تو جنگ سے بھاگ ہی گئے"۔

ظَلَلْتُ كَأَنِّى لِلرِّمَاحِ دَرِيئَةٌ
اُقَاتِلُ عَنْ اَبْنَاءِ جَرْمٍ وَفَرَّتِ

دن بھر میری حالت یہ تھی کہ میں نیزوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا میں جرم کے بیٹوں کی طرف داری میں لڑتا رہا حالانکہ وہ خود بھاگ گئے تھے

فَلَوْاَنَّ قَوْمِىْ اَنطَقَتْنِىْ رِمَاحُهُمْ
نَطَقْتُ وَلٰكِنَّ الرِّمَاحَ اَجَرَّتِ

اگر میری قوم کے نیزے مجھے بولنے کا موقع دیتے تو میں ضرور ان کی مدح میں کچھ نہ کچھ کہتا مگر ان کے نیزوں نے تو میری زبان ہی بند کر دی تھی"۔[46*]

ربیعہ بن مقدم

ربیعہ بن مقدم کا شمار بھی عرب کے معروف شہ سواروں میں ہوتا تھا۔ربیعہ کا تعلق بنوفراس بن غنم بن مالک بن کنانہ سے تھا۔عہدِ جاہلیت میں ربیعہ بن مقدم کی قبر پہ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے جب کہ کسی اور کی قبر پہ ایسا نہ کیا جاتا تھا۔یہ اس کی عزت وتکریم کی دلیل تھی جو اس کے وارثوں کے دلوں میں نقش تھی۔بنوفراس بن کنانہ اہل عرب میں سب سے دلیر جنگجو مانے جاتے تھے ان کا ایک آدمی دیگر قبائل کے دس آدمیوں پہ بھاری تصور کیا جاتا تھا۔انھی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل کوفہ سے کہا تھا کہ جس کے پلے تم پڑ گئے وہ ناکام رہا۔خدا میرے عوض تمھیں ایسا شخص دے جو تمھارے لیے برا ہو اور تمھارے بدلے میں اللہ مجھے وہ لوگ عطا کرے جو تم سے بہتر ہوں۔اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ تم سب کے بدلے حالانکہ تم ایک لاکھ ہو میرے پاس بنوفراس کے صرف تین سو آدمی ہوں۔بعد میں بنوفراس کے کسی شاعر نے حضرت علیؓ کے اس خیال کے جواب میں کہا کہ:

هُنَالِكَ لَو دَعَوتَ اَتَاكَ مِنهُم
فَوَارِسُ مِثلُ اَرمِيَةِ الحَمِيمِ

کہ اس وقت اگر تو پکارتا تو ان میں سے سوار گرمیوں کے بادلوں کی طرح تیزی سے امڈتے۔

ایک دفعہ جب حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ربیعہ بن مقدم کی قبر کے پاس گزرے تو انھوں نے اس کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا۔صرف چند شعر پیش خدمت ہیں:

نَفَرَتْ قُلُوصِی مِنْ حِجَارَۃِ حَرَّۃٍ

بُنِیَتْ عَلَی طَلْقِ الْیَدَیْنِ وَھُوبٍ

میری اونٹنی حرہ کے ان سیاہ پتھروں سے بدک گئی جو سخی اور بہت عطیہ دینے والے کی قبر پہ رکھے ہوئے تھے‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

لَا تَنْفِرِی یَا نَاقُ مِنْہُ فَإِنَّہُ

شِرِّیْبُ خَمْرٍ مِسْعَرٌ لِحُرُوْبٍ

اے میری اونٹنی تو نہ بدک کیونکہ یہ صاحب قبر تو بہت شراب پینے والا اور جنگوں کو خوب بھڑکانے والا تھا‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

لَوْلَا السِّفَارُ وَطُوْلُ قَفْرٍ مَھْمَہٍ

لَتَرَکْتُھَا تَحْبُوْ عَلَی الْعُرْقُوْبِ

اگر سفر اور دور دراز کے چٹیل بیابان نہ ہوتے تو میں تیری کونچیں کاٹ دیتا اور تجھے گھٹنوں کے بل رینگتا چھوڑ کے چلا جاتا[47*]‘‘۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

عنترہ بن شداد العبسی

کلبی کہتا ہے کہ شداد عنترہ کا باپ نہ تھا بلکہ اس کا دادا تھا۔ مگر وہ اس کے باپ کے طور پہ مشہور ہو گیا تھا۔ کسی اور کا قول ہے کہ شداد عنترہ کا چچا تھا جس نے اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کی پرورش کی۔ چنانچہ وہ اسی کی جانب منسوب ہو گیا۔ مگر دوسرے مورخین نے مستحکم دلائل کی بنا پر اس خیال کی نفی کی ہے اور بتایا کہ اصل حقیقت یوں ہے کہ چونکہ عنترہ کے باپ نے اسے ایک مدت مدید کے بعد اپنا بیٹا تسلیم کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ عنترہ اس کی ایک سیاہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس کا نام زبیبہ تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگ لونڈی سے پیدا ہونے والے بیٹے کو غلام ہی تصور کیا کرتے تھے۔ عنترہ کی ماں کے کئی اور بیٹے بھی عنترہ ہی کی طرح غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر عنترہ شجاع اور بہادر تھا۔ اس لیے ایک دفعہ جب عنترہ اپنے باپ کی اونٹنیوں کا دودھ دھو رہا تھا۔ تب ایک عرب قبیلے نے اس کے باپ کے قبیلے یعنی بنو عبس پہ غارت ڈال دی۔ انھوں نے بنی عبس سے ان کے اموال اور عورتیں چھین لیں۔ اگرچہ بنی عبس کے لوگوں نے ہتھیار اٹھائے اور انکے مقابلے پہ جم گئے مگر غارت گر ان پہ بھاری پڑ رہے تھے۔ عنترہ چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ تب اس کے باپ نے اسے پکارا عنترہ اُٹھ اور ان لوگوں پر حملہ کر۔ اس پہ عنترہ نے جل کے جواب دیا۔ ایک غلام کیا حملہ کرے گا وہ تو بس دودھ دوھنا اور اونٹنیوں کے پستان باندھنا جانتا ہے۔ عنترہ کے باپ نے کہا: نہیں تو غلام نہیں بلکہ آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے۔ تب

عنترہ اٹھا اور سوار ہوا۔اس نے جلد ہی اپنی شجاعت اور دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ غارت گر لوٹا ہوا مال اور ان کی عورتیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اس کے باپ نے اس کو بیٹے کے طور پہ تسلیم کرلیا اور عنترہ عرب کے تین سیاہ فام غلاموں سے ایک تھا۔دوسرے کا نام خفاف تھا جس نے عہدِ نبوی پایا اور اسلام کی دولت سے اپنے دامن کو سجایا۔انھوں نے بہت سی جنگوں میں دادِ شجاعت دی۔تیسرا سیاہ فام غلام سلیک تھا جس کی تیز رفتاری کے قصے عربوں میں مقبول تھے وہ اتنا تیز دوڑتا تھا کہ گھوڑسوار اس تک نہ پہنچ سکتے اور وہ ہوا کی طرح منظر سے غائب ہوجاتا اور وہ ایک لٹیرا تھا۔

رہا عنترہ [48*] جس کا بیان یہاں مقصود ہے تو وہ عربوں کا بہادر ترین شخص تھا اور اس قدر سخی تھا کہ جو کچھ اس کے پاس ہوتا لوگوں پہ لٹا دیتا۔عنترہ نے عربوں کی بہت سی جنگوں میں حصہ لیا اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔وہ داعس اور غبرہ کی مشہور جنگوں میں بھی شامل تھا اور ان جنگوں کے تمام قابل تعریف واقعات میں اس کا نام لیا گیا۔اس نے اپنے مقابل قبائل کے اہم سرداروں کو قتل کیا جن میں ضمضم المری، ابوالحصین بن ضمضم بھی شامل تھے۔نیز اس کے بھائی اور باپ کو بھی اسی نے قتل کیا جس کا نام ھرم تھا۔ان معرکوں کا ذکر عنترہ نے اپنے اشعار میں کیا ہے:

وَلَقَدْ خَشِيْتُ بِاَنْ اَمُوتَ وَلَمْ قَدُرْ

لِلْحَرْبِ دَائِرَةٌ عَلَى ابْنِی ضَمْضَمِ

مجھے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور ضمضم کے دونوں بیٹوں پہ جنگ کی چکی ابھی نہ چلی ہو"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

الشَّاتِمِی عِرْضِیْ وَلَمْ اَشْتِمْهُمَا

وَا لنَّا ذِرَیْنِ اِذَا لَمْ اَلْقَهُمَا دَمِی

وہ دونوں مجھے برا بھلا کہتے ہیں حالانکہ میں نے ان کے خلاف اپنے لب کبھی نہ کھولے تھے اور وہ دونوں نجانے کیوں میرے خون کے پیاسے تھے حالانکہ میں کبھی ان سے ملا تک نہ تھا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِن یَفْعَلَا فَلَقَدْ ترکتُ اَبَا هُمَا
جَزَرَ السِبَاعِ وکُلِ نَسْرٍ قَشْعَمِ

اوراب اگروہ دونوں ایسا کر گزریں تو کوئی عجیب بات نہ ہوگی کیونکہ میں نے ان کے باپ کو درندوں اور بوڑھی گدھوں کی خوراک بنادیا تھا"۔

ابوعبید نے عنترہ کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ جبلہ کی مشہور عالم جنگ کے بعد جب بنوعبس نے بنو غفطان کے ہاں پناہ لی اور سارے خون بہا ادا کردیئے گئے تب عنترہ محتاج ہوگیا تھا حالانکہ وہ بہت لوٹ مار کرنے والا شخص تھا۔ مگراب بڑھاپے کی وجہ سے عاجز آ گیا تھا اس نے اپنے اچھے دنوں میں بنوغفطان کے ایک آدمی پہ احسان کیا تھا وہ اس شخص سے اس احسان کے بدلے کوئی سوال کرنے کی غرض سے روانہ ہوا مگر راستے میں ہی مر گیا۔ تاہم ایک دوسرے مورخ نے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ایک شخص الاسد الھیص نے عنترہ بن شداد کو قتل کیا تھا۔ اور مجھے یہی قول مستحکم محسوس ہوتا ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ عہدِ جاہلیت کی شاعری میں اس بات کے ثبوت دستیاب ہیں کہ عنترہ کو بنوطے نے قتل کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب کے معروف شہ سوار عام طور پہ کم ہی طبیعی موت کا شکار ہوتے تھے بلکہ وہ قتل کرتے تھے یا قتل ہو جاتے۔

چنانچہ قبیلہ طے کے الاسد نے کہا کہ:

اِنَا الاسدُ الرھیص قَتَلْتُ عمرواً
وَعَنْتَرَۃَ الفوَارِس قَدْ قَتَلْتَ

میں ہی اسد رھیص ہوں اور میں نے ہی تو عمرو اور عنترہ الفوارس کو قتل کیا تھا"۔

معاذ بن صرم الخزاعی

معاذ بن صرم الخزاعی قبیلہ خزاعہ کا مشہور شہسوار تھا۔ اس کی والدہ کا تعلق قبیلہ عک سے تھا۔ معاذ بن صرم کو اپنے ماموؤں سے بڑی محبت تھی اور وہ اکثر و بیشتر اپنے ماموؤں کے پاس ہی رہتا تھا۔ ایک بار جب یہ اپنے ماموں کے گھوڑے پہ سوار اپنی قوم کے پاس آ رہا تھا تو راستے میں اسے کسی عرب قبیلے کے ایک سوار نے روکا جس کا نام تحیش بن سودہ تھا۔ تحیش نے معاذ کو للکارا اور اس کے گھوڑے کی تعریف کی۔ ہر چند کہ خود تحیش کے پاس بھی اصیل گھوڑا تھا۔ تحیش نے معاذ سے کہا کیا وہ اس کے ساتھ اس شرط پہ گھوڑا دوڑانے کو تیار ہے کہ جو جیت جائے وہ دوسرے کا گھوڑا لے لے۔ معاذ نے اس کو منظور کر لیا انھوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ معاذ کا گھوڑا آگے نکل گیا اور وہ شرط میں تحیش کا گھوڑا جیت گیا۔ تحیش نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور اپنا گھوڑا معاذ کے حوالے کر دیا۔ تحیش نے معاذ سے کہا کہ یہ اصیل گھوڑا ہے اور اسے اصیل گھوڑوں کی طرح ہی رکھنا۔ معاذ کو تحیش کی یہ بات بری لگی اور اس نے کہا تم سمجھتے ہو کہ ہم اصیل گھوڑوں کو پالنا نہیں جانتے پھر اس نے کچھ توقف کیا اور تحیش کو چڑانے کے لیے اپنی تلوار تحیش کے گھوڑے کی کمر پہ دے ماری اور زمین گھوڑے کے خون سے رنگنے لگی۔ اس پہ تحیش نے معاذ کو طعن کیا اور کہا افسوس ہے۔ اے شخص تم پہ تم نے ایک ایسا گھوڑا گنوا دیا ہے جو تجھ سے اور تمھارے ماں باپ سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ اس بات پہ معاذ سیخ پا ہو گیا اور اس نے تحیش پہ حملہ کر دیا۔ تحیش نے مقدور بھر اس کا مقابلہ کیا مگر معاذ اس سے بہتر تھا اس لیے جلد ہی اس نے تحیش کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کے

پاس جانے کی بجائے اپنے ماموؤں کے پاس جا اترا۔ جحیش کے قبیلے کو جب اس کے قتل کی اطلاع ملی تب سے انھوں نے معاذ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا کہ عربوں کے ہاں قاتل کو معاف نہیں کیا جاتا تھا۔ پھر ایک دن ایک پہاڑ کے دامن میں جحیش کے بھائی اور اس کے ایک چچازاد نے معاذ کو گھیر لیا۔ کچھ دیر ان دونوں کے درمیان لڑائی جاری رہی مگر حقیقت میں معاذ ایک بہترین سوار اور عمدہ جنگجو تھا اس لیے اس نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور ان کے باقی ساتھی اپنی جان بچا کے بھاگ گئے۔ اس واقعہ کے متعلق معاذ بن صرم نے جو اشعار کہے ان میں سے کچھ پیش خدمت ہیں:

فَقَتَلْتُ جُحَيْشاً بَعْدَ قَتْلِ جَوَادِهٖ

وَكُنْتُ قَدِيمًا فِى الحَوَادِثِ ذَا فَتْكٖ

میں نے جحیش کے گھوڑے کو قتل کرنے کے بعد جحیش کو بھی مار ڈالا اور میں عرصہ دراز سے حادثات کے معاملے میں بہادر چلا آ رہا ہوں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

قَصَدتُّ لِعَمْرٍو بَعْدَ بَدْرٍ بِضَرْبَةٍ

فَخَرَّ صَرِيعًا مِثْلَ عَائِرَةِ النَّسْكِ

میں نے بدر کے بعد عمرو کو تلوار مارنے کا ارادہ کیا تو وہ یوں زمین پر گر پڑا جیسے ذبح کیا ہوا اونٹ گرتا ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

لِكَىْ يَعْلَمَ الاَقْوَامُ اَنِّىَ صَارِمٌ

خُزَاعَةُ اَجْدَادِى وَاَنمِى اِلَىٰ عَكِّ

تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں ایک قاطع تلوار ہوں اور خزاعہ میرے اجداد ہیں اور میری نسبت قبیلہ عک کی طرف ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فَقَدْ ذُقْتَ يَا جَحْشُ بن سَوْدَةَ ضَرْبَتِي
وَجَرَّبْتَنِي إِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلُ فِي شَكٍّ

اے جحش بن سودہ اگر تو اس سے پہلے شک میں تھا تو اب تو نے میری تلوار کا مزہ چکھ لیا ہے اور مجھے آزمالیا ہے"۔

تَرَكْتُ جُحَيْشاً ثَاوِياً ذَا نُوَائِحِ
خَضِيبَ دَمٍ جَارَاتُهُ حَوْلَهُ تَبكِي

میں نے جحیش کو مردہ چھوڑا اور نوحہ کرنے والیاں اس کا نوحہ کر رہی تھیں اس کی لاش خون سے لت پت تھی اور اس کی پڑوسنیں اس کے گرد رو رہی تھیں"۔

تَرِنُّ عَلَيْهِ أُمُّهُ بِانْتِحَابِهَا
وَتَقْشِرُ جِلْدَيْ مُحْجِرَيْهَا مِنَ الْحَكِّ

اس کی ماں روتے روتے چلانے لگتی تھی اور اپنی انکھوں کو کھجلاتی کھجلاتی چھیل ڈالتی تھی"۔

لِيَرْفَعَ أَقْوَامٌ حُلُولِي فِيهِم
وَيُزْرِي بِقَوْمٍ إِنْ تَرَكْتُهُمْ تَرْكِي

میں نے یہ فعل اس لیے کیا کہ میں جن لوگوں میں اتروں ان کو میرے اترنے سے بلندی حاصل ہو اور جن کو میں چھوڑ کر چلا جاؤں انھیں میرا چھوڑ دینا دنیا میں رسوا کردے"۔

وحصنی سَراۃُ الطِّرفِ وَالسَّیفُ مَعقِلی
وَعَطرِی غُبارُ الحَربِ لَا عَبَقُ المِسکِ

گھوڑے کی پیٹھ میرا قلعہ ہے اور تلوار میری جائے پناہ ہے، جنگ کا غبار میرا عطر ہے نہ کہ کستوری کی مہک"۔

تَتُوقُ غَدَاۃَ الرَّوعِ نَفسِی اِلَی الوَغٰی
کَتَوقِ القَطا نَسمُو اِلَی الوَشَلِ الرَّکّ

خوف کے دن میرا نفس جنگ کی خواہش کرتا ہے جس طرح بھٹ تیتر خواہش کرتے ہیں اور کم ٹپکنے والے پانی کی طرف چڑھ کر چلے جاتے ہیں

وَلَستُ بِرِعدِیدٍ اِذَا رَاعَ مُعضِلٌ
وَلَا فِی نَوَادِی القَومِ بِالضَّیِّقِ المُسکِ

جب کوئی مصیبت لوگوں کو خوف زدہ کردے تو اس وقت میں بزدلی نہیں دکھاتا اور نہ میں قوم کی مجالس میں کم عقل تصور کیا جاتا ہوں"۔

وَکَم مَلِکٍ جَدَّلتُہُ بِمُھَنَّدٍ
وَسَابِغَۃٍ بَیضَاءَ مُحکَمَۃِ السَّکّ

بہت سے بادشاہوں کو میں نے تلوار کے وار سے زمین پہ دے مارا میں نے اس وقت چمکدار وسیع اور تنگ حلقوں والی زرہ پہن رکھی ہوتی تھی [49*]"۔

پھر بہت سا وقت گزر گیا اور معاذ بن صرم اپنے ماموؤں کے پاس ہی رہتا رہا۔اب اس کے ماموؤں کے بیٹے بھی جوان ہو چکے تھے کہ ایک دن وہ اپنے نوجوان ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ شکار کو نکلا تو معاذ نے ایک خوگر پہ حملہ کیا۔تب اس کا ایک ماموں زاد اس کے سر پہ آ پہنچا اور معاذ سے کہا خوگر کو چھوڑ دے۔معاذ نے اس بات کا برا مانا اور اس سے کہا کہ مجھے تمھاری خاطر ہاتھ آیا شکار چھوڑنا منظور نہیں اور تم اپنی اوقات میں رہو۔معاذ کی اس بات اور اس کے تند لہجے نے اس کے ماموں زاد کو بھی بھڑکا دیا جس کا نام غضبان تھا اور اس نے کہا:

اے معاذ یاد رکھ:

اللہ کی قسم اگر تجھ میں کوئی خوبی ہوتی تو تُو اپنی قوم کو چھوڑ کے نہ چلا آتا اور نہ ہی تیری قوم نے کبھی تیری کمی محسوس کی ہے۔

معاذ کو اپنے ماموں زاد کے یہ الفاظ تیر کی طرح لگے اور اس کو زخمی کر گئے۔

تب اس کی زبان سے نکلا:

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا

"کہ قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا" اور اس کی زبان سے نکلے یہ لفظ عربوں کے لیے ضرب المثل بن کے رہ گئے۔عربی سے یہ محاورہ اردو زبان میں منتقل ہوا اور عام استعمال میں بولا جاتا ہے۔معاذ اسی شکار سے اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ہر چند کہ وہاں کئی دشمن اس کا انتظار کر رہے تھے۔مگر اس نے جانا کہ عزت و تکریم انسان کو اپنے ہی گھر میں حاصل ہوتی ہے اور کسی غیر کا گھر آخر ایک دن اپنا آپ دکھا کے رہتا ہے۔معاذ نے اپنی قوم کے کئی افراد کو قتل کر رکھا تھا اس لیے وہ لوگ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر قوم کے بڑے بوڑھے معاذ کو جانتے تھے کہ وہ عربوں کا ایسا شہ سوار ہے جس سے قبیلوں کو تقویت ملتی ہے۔چنانچہ انھوں نے مقتولین کے وارثوں سے کہا کہ یہ تمہارا شہ سوار ہے اسے قتل کر کے تم قبیلے کو کمزور بنا دو گے اگر تم دیت قبول کر لو تو اس سے تمہیں بھی تقویت پہنچے گی اور تمھارا قبیلہ بھی مضبوط ہو گا۔چنانچہ مقتولین کے وارثوں نے دیت قبول کر لی اور معاذ بن صرم ایک مدت تک ان کی حفاظت کرتا رہا۔جو ضرب المثل اوپر معاذ کے حوالے سے بیان ہوئی ہے اسی طرح کا بیان نبی اکرم ﷺ سے بھی منقول ہے اور عرب کے جاہلی شعرا کے ہاں بھی اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے

۔چنانچہ کسی عرب شاعر نے کہا کہ:

اِذَا شِئتَ اَنْ تُقْلٰی فَزُرْ مُتَوَاتِر
وَاِنْ شِئتَ اَنْ تَزْدَادَ حُبسّاً فَزُرْغِبّاَ

اگر تو چاہے کہ لوگ تجھ سے دشمنی رکھیں تو روزانہ ان کو ملنے کے لیے آ اور اگر تم کسی سے محبت بڑھانا چاہتے ہو تو ناغہ ڈال کے آ''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

عربوں کا ایک اور شاعر کہتا ہے کہ

عَلَیْکَ بِاغْبَابِ الزِّیَارَۃَ اِنَّھَا
اِذَا کَثُرتُ کَانَتُ اِلَی الھَجْرِ مَسْلَکا

تو وقفے کے ساتھ لوگوں سے ملنے جایا کر کیونکہ جب ملاقات زیادہ ہو جائے تو وہ جدائی کا سبب بن جاتی ہے''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَلَمْ تَرَاَنَّ القَطْرَ یُسَامَ دائِباً
وَیُسْالُ بِالاَ یَدِیْ اِذَاھُوَ اَمْسَکَ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب بارش مسلسل ہوتی رہے تو لوگ اس سے اکتا جاتے ہیں مگر جب رک جاتی ہے تو آنکھ اٹھا اٹھا کر اس کی راہ دیکھتے ہیں اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر اس کے لیے دعا کرتے ہیں[50*]'۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

الحرث بن عباد

الحرث بن عباد بن ضُبیعہ بن قیس بن ثعلبہ کا تعلق قبیلہ ربیعہ سے تھا اور الحرث کا شمار حاکموں اور شہ سواروں میں ہوتا تھا۔ الحرث بن عباد ایک شریف سردار تھا اور عربوں کی باہمی خونریزی کو پسند نہ کرتا تھا اس لیے جب بنی وائل کی جنگ ہوئی تو وہ اپنی اولاد اپنے بھائیوں اور اپنے اقارب کو ساتھ لے کر ایک طرف ہو گیا اور جنگ سے علیحدگی اختیار کی کیونکہ اس کے خیال میں جنگ کا جواز نہ بنتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کمان کی تندی کھول ڈالی اور اپنے نیزے کی بھال الگ کر دی جس سے اس کی اولاد اور اس کا قبیلہ سمجھ گیا کہ وہ اس جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہتا اس لیے انھوں نے بھی اپنے سردار کی پیروی کی اور جنگ سے ایک طرف ہٹ گئے۔ بنو کلب اور بنو وائل کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ الحرث بن عباد اپنے قبیلے کے ساتھ اس جنگ کو دیکھتا رہا مگر وہ اس میں شامل نہ ہوا۔ پھر جنگ ختم ہو گئی تب الحرث بن عباد کا بھتیجا بجیر بن عمرو بن عباد اپنے بھاگے ہوئے اونٹوں کی تلاش میں نکلا۔ ادھر مہلہل اپنے سواروں کے ساتھ بکر بن وائل پہ حملہ کرنے کے لیے گھوم رہا تھا کہ اس کا سامنا بجیر بن عمرو بن عباد سے ہوا جو اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ اسی دوران اشراف عرب کا ایک اور سردار موقعہ پر پہنچ گیا جس کا نام امراؤالقیس بن ابان بن کعب بن زہیر تھا۔ یہ بنی تغلب کا سردار تھا اور ایک عرصہ تک ان کا سپہ سالار بھی رہا تھا۔ اس نے مہلہل کو کہا کہ وہ

بجیر بن عمرو بن عباد کے قتل سے باز رہے اللہ کی قسم اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اس کے بدلے میں تیرے کئی سردار قتل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اگرچہ اہل ربیعہ اس جنگ سے علیحدہ رہے ہیں مگر وہ کمزور ہرگز نہیں۔ تاہم مہلہل نے امراؤالقیس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اسے ضرور قتل کرے گا۔ پھر اس نے اپنا نیزہ بجیر بن عمرو کے سینے میں گاڑ دیا اور اسے قتل کر دیا اور قتل کرنے کے بعد کہا کہ میں نے اسے کلیب کے جوتے کے تسمے کے بدلے قتل کیا ہے

امراؤالقیس نے مہلہل سے کہا کہ تو نے ایک ظلم کا کام کیا ہے اور اپنی اس سرکشی اور ظلم کو حقیر مت جاننا اور قبیلہ ربیعہ کی طرف سے جواب کی تیاری کر لے۔ امراؤالقیس نے مہلہل کے اس فعل اور بجیر بن عمرو بن عباد کے قتل کی خبر اس کے چچا الحرث بن عباد کو دی جو ایک متحمل مزاج انسان تھا۔ چنانچہ اپنے اس طبعی حلم ہی کی بنیاد پہ اس نے مہلہل کی طرف اپنا قاصد روانہ کیا کہ ہمارا مقتول کیا ہی اچھا ہے کہ اگر اس کے قتل کی بدولت عرب کے دو قبیلوں کے درمیان لگی ہوئی آگ بجھ جائے۔ تاہم مہلہل نے الحرث بن عباد کے قاصد سے برا سلوک کیا اور اسے کہا کہ اس نے کسی سے صلح کرنے کے لیے جبیر بن عمرو کو قتل نہیں کیا بلکہ اس نے کلیب کے جوتے کے تسمے کے بدلے میں اسے قتل کیا ہے۔ اب قبیلہ ربیعہ کی قوت برداشت ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ الحرث بن عباد نے اپنا مشہور گھوڑا نعامہ منگوایا اور اس پہ سوار ہونے سے قبل اس کی پیشانی اور دم کے بال کاٹ دیئے جس کا مقصد یہ تھا کہ اب وہ جب تک اپنے مقتول کے قتل کا بدلہ نہیں لے لیتا گھوڑے کی پشت سے نہ اترے گا۔ پھر اس موقع پر اس نے یہ شعر کہے کہ:

قَرِّبَا مَرِبطَ النَّعامَۃِ مِنّیْ

لَقِحَتْ حَرْبُ وَائِلٍ عَنْ حِیَالٍ

نعامہ باندھنے کی جگہ میرے قریب کر دو کہ وائل کی جنگ بانجھ ہونے کے بعد پھر سے حاملہ ہو گئی ہے"۔

لَا بُجَيْرٌ اَغْنٰى قَتِيلًا وَلَا رَهْطُ
كُلَيْبٍ تَزَجَرُوا عَنْ ضَلَال

نہ بجیر نے قتل ہو کے کوئی فائدہ دیا اور نہ ہی کلیب کے قبیلے نے گمراہی سے اپنے آپ کو روکا''۔

لَمْ اَكُنْ مِنْ جُنَاتِهَا عَلِمَ اللّٰهُ
وَاِنِّى لِجَمْرِهَا الْيَوْمَ صَالِى

اللہ جانتا ہے کہ میں اس جنگ کو چھیڑنے والوں میں سے نہ تھا مگر اب میں اس جنگ کی آگ کو خوب سینکوں گا (کیونکہ انھوں نے ایک بے گناہ کو قتل کیا ہے)۔''

قَرِّبَا مَرْبِطَ النَّعَامَةِ مِنِّى
اِنَّ قَتْلَ الْغُلَامِ بِالشِّسْعِ غَالِى

نعامہ کو باندھنے کی جگہ کو میرے قریب کردو، انھیں میرے جوانوں کو تسمے کے بدلے قتل کرنا بہت مہنگا پڑے گا''۔

اپنے شعر میں الحرث بن عباد نے جو یہ لفظ (لَقِحَتْ) استعمال کیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب نر اونٹ اونٹنی سے جفتی کرے مگر وہ حاملہ نہ ہو۔ اور یہ ایک مثل ہے جو اس نے بیان کی ہے۔ کیونکہ جب اونٹنی ایک بار جفتی کرنے کے باوجود حاملہ نہ ہو تو نر کے دوبارہ جفتی کرنے سے وہ یقیناً حاملہ ہو جاتی ہے اور یہاں الحرث کی مراد یہ ہے کہ وہ اس جنگ سے علیحدہ تھے مگر جب دوبارہ ان کو دعوت دی گئی تو وہ منہ موڑنے سے انکار نہ کر سکے۔ وہ جنگ کی اہمیت بیان کر رہا ہے کیونکہ جنگوں کے بیچ وہ معاملات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی توقع نہیں کی جا رہی ہوتی۔ جیسا کہ اس جنگ میں بجیر بن عمرو بن عباد کا قتل، اس کے بعد الحرث بن عباد

اپنی قوم کو لے کر دشمن کی طرف روانہ ہو گیا یہاں تک کہ بکر بن وائل کی ایک جماعت کے ساتھ جا اترا۔ بکر بن وائل کا سردار الحرث بن ھمام تھا جس نے ان کی خوب پزیرائی کی۔ چنانچہ الحرث بن ھمام نے الحرث بن عباد کو کہا کہ یہ لوگ ہماری قوم کو حقیر سمجھ رہے ہیں اور ان کے حوصلے بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ لہٰذا تم عورتوں کو ساتھ لے کر ان سے لڑو۔ الحرث بن عباد نے اس سے پوچھا کہ عورتوں کی لڑائی کیا ہوتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اپنے پیچھے اپنی عورتوں کی صف بناؤ اس سے تمہیں پیچھے ہٹنا گوارا نہ ہوگا اور تمھارے جوان خوب دل سے لڑیں گے اور ہر عورت کے گلے میں پانی کا ایک برتن لٹکا دو اور ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں دے دو اور تم اپنے مردوں کو کوئی نشان دے دو تا کہ وہ اپنے آدمیوں کی دشمن سے الگ پہچان کر سکیں۔ چنانچہ الحرث بن عباد نے اپنے جوانوں کے سر منڈوا دیئے اور دشمن کے سامنے صفیں باندھ لیں ۔جب جنگ ہوئی تو ان کی عورتوں نے ان کی فتح میں اہم کردار ادا کیا۔ اس لیے کہ جب کوئی مرد میدان میں گرتا تو عورتیں اس کی طرف لپکتیں اگر اس کے بال منڈے ہوتے تو وہ اس کو اٹھاتیں اس کو پانی پلاتیں اور اس کا حوصلہ بڑھاتیں۔ اور اگر دشمن کا کوئی آدمی ہوتا تو اس کے سر پہ لاٹھیوں سے وار کر کے اسے قتل کر دیتیں اس طرح انھوں نے دشمن کو خوب زک پہنچائی اور بنو تغلب کو ایک برے دن کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر چہ وہ طاقت اور تعداد میں بڑھے ہوئے تھے اور بکر بن وائل نے اپنے مقتول کا خوب خونبہا وصول کیا۔ اس موقع پر الحرث بن عباد نے اپنے لوگوں کو دشمن کے پیچھے جانے سے منع کر دیا۔ تو سعد بن مالک نے کسی سے کہا:

يَا بُؤسَ لِلْحَرْبِ الَّتِي

وَضَعَتْ أَرَاهِطَ فَاسْتَرَاحُوا

اس جنگ کے مصائب پہ افسوس ہے جسے کچھ لوگوں نے ترک کر دیا اور جنگ کی تکلیف سے منہ موڑا"۔

امیہ بن حرث الکنانی

امیہ بن حرثان کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سلسلہ نسب مضر تک جاتا تھا امیہ اپنی قوم کے سرداروں اور شہ سواروں میں سے تھا۔اس نے کئی ایک جنگیں لڑیں تھیں جن کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی اور چرچا عام تھا۔اس کے بیٹے کلاب بن امیہ نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پایا پھر اس نے اور اس کے باپ دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر یہ لوگ ہجرت کر کے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔مصنف الاغانی نے اپنی سند سے جو زہری تک جاتی ہے عروہ بن الزبیر سے روایت کی ہے کہ کلاب بن امیہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے دورِ خلافت میں ہجرت کر کے مدینے چلا آیا اور ایک مدت تک وہیں قیام کیا۔اس کے بعد ایک دن اس کی ملاقات طلحہ بن عبداللہؓ اور زبیر بن العوامؓ سے ہوئی تو اس نے ان سے دریافت کیا کہ ایمان لانے کے بعد کسی مسلمان کا سب سے افضل فعل کون سا ہے تو ان دونوں نے جواب دیا کہ جہاد۔اس پر حضرت امیہ بن کلابؓ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی تو انھوں نے اسے فوج کا دستہ دے کر جہاد کو روانہ کر دیا۔اس عرصہ میں امیہ بن حرثانؓ کافی بوڑھا ہو چکا تھا اور جب ایک طویل مدت تک کلابؓ جہاد میں
مصروف رہا اور امیہ کی نگاہوں سے اوجھل رہا تو اس نے اس کی جدائی میں یہ شعر کہے:

لِمَنْ شَيْخَانِ قَدْ نَشَدَا كِلَابًا
كِتَابَ اللّٰهِ لَوْ قَبِلَ الكِتَابَا

یہ دو بوڑھے والدین کس کے ہیں جنھوں نے کلاب کو کتاب اللہ کا واسطہ دے کر واپس آنے کی درخواست کی ہے اگر وہ کتاب اللہ کو قبول کر لے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

أُنَادِيهِ فَيُعْرِضُ فِي إِبَاءٍ
فَلَا وَأَبِي كِلَابٍ مَا أَصَابَا

میں اسے بلاتا ہوں مگر وہ انکار کرتے ہوئے مجھ سے اعراض کرتا ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے میری جان کی قسم وہ راستی پر نہیں ہے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

إِذَا سَجَعَتْ حَمَامَةُ بَطْنِ وَجٍّ
عَلَى بَيْضَاتِهَا دَعَوَا كِلَابًا

جب بطن وج کی کبوتری اپنے انڈوں پر بیٹھ کر گنگناتی ہے تو یہ دونوں بوڑھے کلاب کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

أَتَاهُ مُهَاجِرَانِ تَكَنَّفَاهُ
فَفَارَقَ شَيْخَهُ خَطِئًا وَخَابَا

اس کے پاس دو مہاجر آئے جنھوں نے اسے گھیرے میں لے کر پھانس لیا اور اس نے اپنے بوڑھے باپ کو چھوڑ دیا اور دونوں نے غلطی کی دونوں ہارے"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَلَا وَاَبِیْکِ ابنَۃَ العَامِرِ

یِّ لَا یَدَّعِیْ الْقَوْمُ اَنِّی اَفِرُّ

اور پوری قوم میں اس جیسا کوئی نظر نہیں آتا جو بنی عامر کے جوانوں سے بھی زیادہ حسین ہے“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تَرَكْتَ اَبَاكَ مُرْعِشَۃً یَدَاہٗ

وَاُمَّکَ لَا تُسِیْغُ لَھَا شَرَابَا

اے کلاب تو نے اپنے باپ کو ایسی حالت میں چھوڑا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں رعشہ تھا اور تمھاری والدہ تو پانی بھی نہ پی سکتی تھی“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

تُمَسَّیِّح مُھْرَہٗ شَفَقاً عَلَیْہِ

وَتَجْنُبُہُ اُبَا عِرَھَا الصِّعَابَا

اس کی والدہ شفقت کرتے ہوئے اس کی گھوڑی پہ ہاتھ پھیرتی اور اسے اپنے اکھڑ اونٹوں سے فاصلے پہ رکھتی“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَاِنَّکَ وَابْتِغَاءُ الاَجْرِ بَعْدِیْ

کَسبَاغِی الْمَاءِ یَتَّبِعُ السَّرَابَا

اور مجھے اس حالت میں چھوڑ جانے کے بعد تمھارا اللہ کے ہاں اجر چاہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سراب کے پیچھے چل رہا ہو اور تپتے صحرا میں پانی تلاش کر رہا ہو“۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

امیہ بن حرثان کے یہ اشعار حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچے مگر انھوں نے کلاب کو واپس نہ بلایا پھر امیہ بن حرثان اپنے اس غم کو لے کر ہوش و ہواس کھو بیٹھا۔ اس کے بعد ایک روز وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں انصار و مہاجرین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس نے وہیں کھڑے ہو کر یہ شعر کہے:

اَعَاذِلَ قَد عَذَلْتِ بِغَیْرِ عِلْمٍ
وَمَا تَدْرِیْنَ عَا ذِلَ مَا الاَقِیْ

اے ملامت کرنے والی تو نے مجھے ملامت کی ہے حالانکہ تجھے حالات کا پتا ہی نہیں اے ملامت کرنے والی تجھے کیا معلوم کہ میں جدائی کی مصیبت میں ہوں''۔

فَاِمَا کُنْتِ عَاذِلَتِیْ فَرُدِّیْ
کِلَاباً اِذْ تَوَجَّہَ لِلْعِرَا ق

اور اگر تجھے ملامت کرنا ہی ہے تو میرے بیٹے کلاب کی کر جو عراق جہاد کرنے کے لیے گیا ہوا ہے واپس بھیج دے''۔

وَلَمْ اَقْضِ اللُّبَانَۃَ مِنْ کِلَابٍ
غَدَاۃَ غَدٍ و آذَنَ بِا لفِراق

میں نے کلاب سے ابھی اپنی آرزو حاصل نہ کی تھی کہ دوسرے دن صبح اس نے مجھے جدائی کی خبر دے دی''۔

فَتَی الفُتیانِ فِی عُسْرٍ وَیُسْرٍ
شَدِیدُ الرُکنِ فِی یَومِ التَّلَاقِ

وہ تنگی اور فراغی کی حالتوں میں سخیوں کا سخی تھا اور جنگ کے دن مضبوط رکن والا تھا"۔

فَلَا وَ اَبِیکَ مَا بَالَیتَ وَجْدِی
وَلَا شَغَفِی عَلَیکَ وَلَا اشتِیَاقِی

اور معاملہ یہ ہے کہ میری جان کی قسم تو نے تو میرے غم کی میری محبت اور میرے اشتیاق کی ذرا پرواہ نہیں کی"۔

وَ اِبقَائِی عَلَیکَ اِذَا شَتَونَا
وَضَمّکَ تَحتَ نَحرِی وَاعتِنَاقِی

اور تُو نے تو اس بات کی بھی ذرا پرواہ نہیں کی کہ جب میں قحط سالی کے عالم میں تجھ پر کس قدر مہربان ہوتا تھا اور کس طرح تجھے چھاتی اور گلے سے لگاتا تھا"۔

فَلَو فَلَقَ الفُؤَادَ شَدِیدُ وَجدٍ
لَهَمَّ سَوَادُ قَلبِی بِانفِلَاقِ

اگر سخت غم دل کو پھاڑ سکتا تو میرا قلب تو جانے کب سے پھٹ جانے کو تیار ہے"۔

سَاَسْتَعدِی عَلَی الْفَارُوقِ رَبًّا
لَہٗ دُفِعَ الحَجِیْعُ اِلَی بُسَاق
میں عمر فاروقؓ کے خلاف اپنے رب سے فریاد کروں گا جس کی خاطر حاجی بساق تک جاتے ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَاَدْعُو اللّٰہ مُجتَہِدًا عَلَیْہِ
بِبَطْنِ الاَخْشَبَیْنِ اِلَی دُفَاق
اور ابو قیس اور احمر پہاڑ سے لے کر وادیٔ دفاق تک میں کھڑے ہو کر زور سے اپنے اللہ کو پکاروں گا"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِنِ الفَارُوْق لَمْ یَرْدُدْ کِلاَبًا
اِلَی شَیخَیْنِ ھَا مُھُمَا زَوَاقِیْ
بشرطیکہ فاروق نے کلاب کو اس کے بوڑھے والدین کی طرف نہ لوٹایا جن کے الو بھی چلا اٹھنے کو ہیں"۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

راوی کہتا ہے اس پہ حضرت عمر بن خطابؓ اور اصحاب رسول ﷺ خوب روئے اور خلیفہ وقت جناب عمر فاروقؓ نے اسی وقت اپنا قاصد سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف روانہ کیا جو کوفے میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں لکھا کہ وہ کلاب بن امیہ کو واپس مدینے بھیج دے۔ چند روز بعد جب کلاب مدینے پہنچا تو وہ حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق والدین سے ملنے سے پہلے ان کے پاس حاضر ہوا:

انھوں نے کلاب بن امیہ سے پوچھا؟

تو اپنے باپ سے کیا نیک برتاؤ کیا کرتا تھا: کلاب نے کہا کہ اس کے تمام کام میں خود کیا کرتا تھا اور جب دودھ دوہنے لگتا تو میں اپنے اونٹوں میں سے سب سے زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی کو لے لیتا اور اسے شام کو گھر واپس لاتا پھر اسے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیتا تا کہ وہ آرام سے بیٹھ جائے پھر اس کے پستانوں کو دھوتا یہاں تک وہ ٹھنڈے ہو جاتے پھر اسے دھوتا اور اپنے باپ کو تازہ دودھ پلاتا۔“

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے امیہ بن حرثان کو بلایا:

وہ لڑکھڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچا۔“

حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کیسا ہے؟

امیہ نے جواب دیا کہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں کیسا ہوں میری بینائی کمزور اور پیٹھ کبڑی ہو چکی ہے۔“

کیا تمھاری کوئی حاجت ہے؟

حضرت عمرؓ نے امیہ بن حرثان سے سوال کیا؟

اس نے کہا: ہاں۔“

میں اپنے بیٹے کلاب کو دیکھنا چاہتا ہوں اسے سینے سے لگانا چاہتا ہوں اس کو خوب سونگھنا چاہتا ہوں۔“

حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے کہا عنقریب تو اپنی مراد کو پہنچ جائے گا۔“

اس سے قبل وہ کلاب بن امیہ سے کہہ چکے تھے کہ جس طرح وہ اپنے باپ کے لیے دودھ دھویا کرتا تھا آج بھی اس طرح کرے اور دودھ میرے پاس بھیج دے۔“

جب دودھ آیا تو حضرت عمرؓ نے دودھ کا پیالہ امیہ بن حرثان کے ہاتھوں میں دے دیا۔“

امیہ نے ایک گھونٹ پیا اور پھر کچھ سوچنے لگا تب اس نے کہا خدا کی قسم مجھے اس پیالے سے کلاب کے دونوں ہاتھوں کی خوشبو آ رہی ہے:

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کلاب کا ہاتھ پکڑ کر اس کے باپ کے سامنے کر دیا جوان کے پیچھے کھڑا

تھا۔“

حضرت عمرؓ نے امیہ سے کہا یہ لو یہ تمہارا بیٹا ہے ہم نے اسے تمہاری خاطر بلایا ہے۔“

امیہ بن حرثان کی خوشی دیدنی تھی وہ آگے بڑھے اور اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا اور اسے چومنے لگے۔“

منظر اتنا رقت انگیز تھا کہ خلیفۃ المسلمین سمیت موقع پر موجود تمام لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔“

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کلاب بن امیہ کو حکم دیا کہ جب تک تمہارے ماں باپ زندہ ہیں تم نے ان کی خدمت کرنی ہے۔ان کے بعد جو تمہاری مرضی ہو کرنا۔حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا اس کے بعد کئی برس تک کلاب بن امیہ کے والدین زندہ رہے اور وہ تندہی سے ان کی خدمت کرتا رہا امیہ بن حرثان کے کچھ اور شعر پیش خدمت ہیں جو انھوں دورِ جاہلیت میں کہے تھے:

وَكَمْ مَلِكٍ جَدَّ لْتُهُ بِمُهَنَّدٍ
وَسَابِغَةٍ بَيْضَاءَ مُحْكَمَةِ السَّكِّ

اور ہم نے بہت سے بادشاہوں کو تلوار کی دھار دکھائی ہے جب ہم نے چمکدار وسیع اور تنگ حلقوں والی زرہ پہن رکھی ہو۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

أَلَا سَائِلْ هَوَازِنَ يَوْمَ لَاقَوْا
فَوَارِسَ مِنْ كِنَانَةَ مُعْلَمِينَا

اور جب قبیلہ ہوازن کی مڈبھیڑ بنی کنانہ کے ان سواروں سے ہوئی جو خاص نشان لگا کر آئے تھے اس لیے تو ان سے ذرا یہ پوچھ تو سہی کہ اس روز ان پہ کیا بیتی تھی۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَدَی شرب ٍ وَقَد ُجَا شُوْ او جُشْنَا
فَا وْعَبَ فی ا النَفِیْرِ بَنُو اَ بِیْنَا

یہ شرب کے مقام کا واقعہ ہے وہ بھی خوب جوش سے لڑے اور ہم بھی جوش سے لڑے اور ہمارے باپ کی تمام کی تمام اولاد اس جنگ کے لیے میدان میں نکل آئی تھی۔" [51*]

بشامہ بن حزن النہشلی

بشامہ بن حزن کا شمار بھی اہل عرب کے ان شہ سواروں میں کیا جاتا ہے جو ہر میدان میں گوئے سبقت لے جاچکے ہیں۔اس نے کئی جنگیں لڑیں جن کا تذکرہ مدتوں ہوتا رہا۔بشامہ کے کچھ شعر پیش کیے جارہے ہیں:

إِنَّا مُحَيُّوك يا سَلْمٰى فَحَيِّيْنَا
وَاِنْ سَقَيْتِ كِرَامِ النَّاسِ فَاسْقِيْنَا

اے سلمٰی ہم تجھے سلام کرتے ہیں تو بھی کر اور اگر تو شرفاء کو شراب پلائے تو ہمیں بھی پلانا کیونکہ ہم بھی شرفاء میں سے ہیں۔"

وَاِنْ دَعَوْتِ اِلَى جُلّٰى و مَكرُمَةٍ
يَوْمًا سَرَاةَ كِرَامِ النَّاسِ فَادْعِيْنَا

اور اگر تو کسی بہت بڑے کام اور بزرگی کے لیے کسی دن شرفاء کے سرداروں کو پلائے تو ہمیں بھی پلانا۔"

اِنَّا بَنِی نَهْشَلٍ لَا نَدَّعِیْ لِاَبٍ
عَنْہُ وَلَا هُوَ بِالْاَبْنَاءِ یَشْرِیْنَا

ہم اور میری مراد خاص طور پہ بنی نہشل سے ہے اور ہم اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور سے خود کو منسوب نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اور بیٹوں کے عوض ہمیں بیچ ڈالتا ہے۔"

اِنْ تُبْتَدَرْ غَایَةٌ یَوْماً لِمَکْرُمَةٍ
تَلْقَ السَّوَابِقَ مِنَّا وَالْمُصَلِّیْنَا

اگر ہم کسی دن بزرگی حاصل کرنے کے لیے کسی غایت کی طرف دوڑ کر جائیں تو سب سے اول اور دوسرے درجے پہ آنے والے ہمیں میں سے ہوتے ہیں اور دیگر لوگ تیسرے اور چوتھے درجے میں آئیں گے۔"

وَلَیْسَ یَهْلِکُ مِنَّا سَیِّدٌ اَبَداً
اِلَّا افْتَلَیْنَا غُلَاماً سَیِّداً فِیْنَا

اور جب کبھی ہمارا کوئی سردار مرجاتا ہے تو ہم ایک بچے کا دودھ چھڑا کر اسے سردار بنا دیتے ہیں۔"

نَکْفِیْهِ اِنْ نَحْنُ مِتْنَا اَنْ یُسَبَّ بِنَا
وَهُوَ اِذَا ذَکَرَ الْآبَاءَ یَکْفِیْنَا

اور جب ہم مرجاتے ہیں تو ہم اسے اس بات سے محفوظ رکھتے ہیں کہ کہیں اسے ہماری وجہ سے

گالی نہ دی جائے اور وہ بھی جب آباء کا ذکر آتا ہے تو ہماری عزتوں کو محفوظ رکھتا ہے۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

إِنَّا لَنُرْخِصُ يَوْمَ الرَّوْعِ أَنْفُسَنَا
وَلَوْ نُسَامُ بِهَا فِي الْأَمْنِ أُغْلِينَا

ہم جنگ کے دن اپنی جانوں کو سستا کر دیتے ہیں لیکن اگر امن کے زمانے میں ہم سے ان کا بھاؤ کیا جائے تو ہم بڑے مہنگے ہوتے ہیں۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِيضٌ مَفَارِقُنَا تَغْلِي مَرَاجِلُنَا
نَأْسُو بِأَمْوَالِنَا آثَارَ أَيْدِينَا

ہمارے سر کی مانگیں سفید اور ہماری ہنڈیاں کھولتی رہتی ہیں اور ہم اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے زخموں کا علاج اپنے ہی مال سے کرتے ہیں۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

إِنَّا لَمِنْ مَعْشَرٍ أَفْنَى أَوَائِلَهُمْ
قَوْلُ الْكُمَاةِ أَلَا أَيْنَ الْمُحَامُونَا

اور ہم تو ان لوگوں سے ہیں جن کے آباء کو بہادروں کے ان الفاظ نے کہ حمایت کرنے والے کہاں ہیں فنا کر دیا ہے۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

لَوْ كَانَ فِي الْأَلْفِ مِنَّا وَاحِدٌ فَدَعَوْا
مَنْ فَارِسٌ خَالَهُمْ إِيَّاهُ يَعْنُونَا

اگر ہزار آدمیوں میں ہمارا ایک آدمی بھی ہو اور وہ کہیں کہ شہ سوار کون ہے تو وہ یہ سمجھے گا کہ ان کی مراد اسی سے ہے۔"

اِذَا الکُمَاۃ تَنَحَّوا اَنْ یُصِیبَھُم
حَدّ الظُبَا ۃ وَصَلْنَاھَا بِاَیْدِیْنَا

جس وقت بہادر اس خوف سے کہ کہیں تلوار کی دھار انھیں نہ لگ جائے ایک طرف ہٹ جائیں تو ہم اپنے ہاتھوں سے وہاں تک پہنچا دیتے ہیں تلوار ہاتھوں پر لے لیتے ہیں اور باہر کو ہاتھ لمبے کر کے اپنی تلوار دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔"

وَلَا تَرَاھُم وَاِن جَلَّت مُصِیبَتُھُم
مَعَ البُکَاۃ عَلَی مَنْ مَاتَ یَبکُونَا

خواہ ان پر کتنی بڑی مصیبت آپڑے پھر بھی تو انھیں اپنے مردوں پر رونے والوں کے ساتھ روتا نہیں دیکھے گا۔"

وَنَرکَبُ الکُرہَ اَحیَانًا فَیَفرُجُہ
عَنَّا الحِفَاظُ وَاَسیَافٌ تُوَاتِینَا

اور ہم بعض اوقات ناپسند مقام پر چڑھ جاتے ہیں تو ہماری قوت محافظت اور موافقت کرنے والی تلواریں اس مقام کو کشادہ کر دیتی ہیں [52*]۔"

عربوں کے شہ سواروں کا تذکرہ اتنا بسیط ہے کہ ان سب کا اس مقام پہ ذکر نہیں کیا جاسکتا۔عربوں نے ان موضوعات پہ بہت سی جلیل القدر کتابیں تحریر کی ہیں[53*] جو ان کے مکمل حالات سے آگاہی بہم پہنچاتی ہیں ہم نے جتنا کافی سمجھا عرب کے ان شہ سواروں کا تذکرہ کیا اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

عربوں کے علوم ہمہ جہت تھے اور اُن کے افعال منفرد۔ ہم نے اُن کے علوم کے سلسلہ میں کچھ کو بیان کر دیا ہے کچھ کا بیان جاری ہے، ان صفحات میں اُن کے علم تاریخ کا بیان مقصود ہے۔

عربوں کا علم تاریخ

یادرہے کہ کچھ مورخوں کا یہ خیال کہ اہل عرب علومِ عالم سے نا آشنا تھے۔ یہ محض ایک عبث خیال ہے جس کی کوئی بنیاد انھوں نے پیش نہیں کی اس لیے کہ دوسرے بہت سے علوم کی طرح جن کا ذکر ابھی اوپر گزرا ہے اہل عرب علم تاریخ میں بھی ماہر تھے اور انھیں اس میں بہت سی معاصر اقوام پہ سبقت حاصل تھی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ عہدِ جاہلیت میں بھی عربوں کو لوگوں کے حالات روایت کرنے، گذشتہ صدیوں کے حالات جاننے اور گزری قوموں کے حالات معلوم کرنے اور سوانح کے علم میں دیگر امتوں پہ سبقت حاصل تھی۔ جیسا کہ ان کے اشعار، ان کی امثال اور دیگر اقوال سے پتا چلتا ہے اب اس کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ضمن میں اہل عرب کا طریق کیا تھا اور وہ واقعات اور حادثات کے مبداء کو کس طرح ضبط کرتے تھے۔ امام ابوبکر الصولی [54*] نے اپنی کتاب "**ادب الکتاب**" میں اس کا خلاصہ کیا ہے۔ چنانچہ ہر چیز کی تاریخ وہ غایت اور وقت ہے جہاں آ کر وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر نبوت اور حکومت کی تاریخ ہے۔ رہے اہل عرب تو وہ قدیم زمانوں میں ستاروں کے اعتبار سے تاریخ مرتب کیا

کرتے تھے اور یہی ان کی اصل ہے۔ اسی وجہ سے ان کے منشی لکھا کرتے کہ میں نے فلاں کے لیے اتنے ستارے مقرر کردیئے تاکہ وہ اسے قسطوں میں ادا کرسکے۔ عرب نجم سے خاص طور پہ ثریا مراد لیا کرتے تھے اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے۔“

طَلَعَ النَجْمُ غُدَيَّةٌ

فَا بْتَغَى الرَّاعِىْ كُسَيَّةٌ

کہ ثریا صبح کو طلوع ہوا تو چرواہے نے کپڑا طلب کیا۔

اس کے علاوہ ان کا طریق یہ تھا کہ عرب ہر اس سال سے تاریخ مرتب کیا کرتے تھے جس میں کوئی مشہور اور متعارف واقعہ پیش آیا ہو۔ چنانچہ انھوں نے ہاتھیوں والے سال سے تاریخ مرتب کی اور اسی سال نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ یہ واقعہ کسریٰ نوشیرواں کی حکومت کے اڑتیسویں سال پیش آیا تھا۔ اس سے قبل عربوں نے عام خنان (خنان کے سال) سے بھی تاریخ مقرر کی تھی۔ [55*] کیونکہ اس سال ان کے ہاں کثرت سے اموات ہوئیں تھیں اور یہ ان کے لیے بڑی مصیبت کا سال تھا۔ چنانچہ عربوں کا مشہور شاعر نابغہ جدی اسی سال کی نسبت کہتا ہے:

فَمَنْ يَكُ سَائِلًا عَنِّیْ فَاِنِّیْ

مِنَ الشُّبَّانِ اَيَّا م الخُنَانِ

اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں انھیں بتاؤں کہ ایام خنان کی مصیبت کے دنوں میں میں جوان تھا۔“

مَضَتْ مِائَۃٌ لِعَامٍ وُلِدتُّ فِیْہِ
وَعَشْرٌ بَعْدَ ذَاکَ وَحِجَّتَانِ

اور جس سال میں پیدا ہوا اس سے اب تک ایک سو سال اور دس سال اور پھر دو سال یعنی ایک سو بارہ سال گزر چکے ہیں۔"

قریش نے ہشام بن المغیرہ المخزومی کی بزرگی کی وجہ سے اس کی وفات سے تاریخ مقرر کی اس لیے ان کا شاعر کہتا ہے کہ:

وَاَصْبَحَ بَطْنُ مَکَّۃَ مُقْشَعِرًّا
کَاَنَّ الْاَرْضَ لَیْسَ بِھَا ھِشَامُ

تمام وادیٔ میں لرزہ پڑ گیا جیسا کہ وہاں ہشام ہی نہیں ہے۔"

امام زہریؒ اور امام شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ بنی اسحٰقؑ نے اس زمانے سے تاریخ شروع کی جو نارِ ابراہیم سے لے کر اس زمانے تک تھا جب انھوں نے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ بنو اسماعیل نے بنائے کعبہ سے لے کر معد کے منتشر ہو جانے تک کے زمانے سے تاریخ شروع کی تھی۔ جب ان کی آبادی بڑھی اور وہ اپنے ابتدائی مسکن سے دور ہونے لگے تو پھر جب کوئی قوم وہاں سے نکل کر جاتی تو اپنے نکلنے کے وقت سے تاریخ شروع کرتے، بنو اسماعیل میں سے جو لوگ تہامہ میں رہ گئے تھے وہ سعد ،نہد، جہنیہ اور بنو زید کے تہامہ سے نکلنے سے اپنی تاریخ شروع کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک چیز لے لیتے اور اس سے اپنی تاریخ شروع کر دیتے حتیٰ کہ کعب بن لوئی کی موت واقع ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے عام الفیل یعنی ہاتھیوں والے سال سے اپنی تاریخ شروع کی اور وہ اس وقت تک مروّج رہی جب تک

کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں یہ طے نہ کرلیا گیا کہ اب دنوں اور مہینوں کا حساب نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے سال سے کیا جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ ہمارے پاس آپ کی طرف سے جو چھٹیاں آتی ہیں ان پہ تاریخ نہیں ہوتی جس کی وجہ سے یہ سمجھنا دشوار ہوتا ہے کہ کس حکم پہ کب عمل کریں۔

یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے ایک دستاویز پڑھی جس کی مدت شعبان تک کی تھی تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کونسا شعبان ہے۔گذشتہ شعبان یا آئندہ شعبان پھر کسی نے کہا کہ عام الفیل سے تاریخ شروع کرو اور کسی نے کہا کہ بنی اکرم ﷺ کی بعثت سے شروع کرنی چاہیے اور کسی نے کہا کہ ہجرت کے سال سے اس کا آغاز کیا جانا چاہیے۔چنانچہ پھر سب کا سنہ ہجری پہ اتفاق ہوگیا اور مسلمانوں کے لیے ہجرت کے سال سے تاریخ مقرر کرلی گئی۔پھر انھوں نے سوچنا شروع کیا کہ اسلامی مہینے کی بندا کس مہینے سے کی جائے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ پہلا مہینہ رمضان کا ہونا چاہیے۔بعض نے کہا کہ ابتدا رجب سے کی جائے اس لیے کہ یہ ماہ حرام ہے اور عرب اس کی تعظیم بھی کرتے ہیں تاہم پھر سب کا اتفاق محرم پہ ہوا کہ اسلامی سال کی ابتدا محرم سے کی جائے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ماہ حرام ہے اور لوگ اس ماہ میں حج کر کے واپس جاتے ہیں۔

پہلے محرم کا مہینا حرام مہینوں کا آخری مہینہ تھا پھر اس کو پہلا بنا دیا گیا کیونکہ عربوں کے ہاں یہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم تو اکھٹے آتے تھے مگر رجب تنہا رہ جاتا تھا اس طرح یہ چار ماہ حرام دو سالوں میں آتے تھے مگر جب محرم کو پہلا مہینہ قرار دے لیا گیا تو پھر چاروں ماہ حرام ایک ہی سال میں آنے لگے۔امام صولی نے مزید کہا کہ میں نے ابوذکوان سے پوچھا کہ ”"**اَرَّخْتُ** اور **وَرَّخْتُ**"“ سے کیا مراد ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ ”**اَكَّدتُّ الْاَمْرَ تَاكِيداً**“ یا ”**وَكَدَّتُّهُ تُوكِيداً**“ کہ میں نے بات کی تاکید کردی ہے اور یہ بنو تمیم کا محاورہ ہے اور قرآن مجید
اسی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ :

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا۔

ترجمہ:

”اپنی قسموں یا معاہدوں کو پختہ ہونے جانے کے بعد نہ توڑا کرو“۔

(القرآن الحکیم)

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

رہا لفظ تاریخ تو یہ قیس کی لغت ہے اور اسی کو لوگ استعمال بھی کرتے ہیں۔ رہا تواریخ کا تذکرہ تو یہ بنو تمیم کے ہاں استعمال ہوتا تھا اور اسے کبھی کسی تحریر کندہ نے استعمال نہیں کیا۔ اگرچہ یہ لفظ عربوں کے استعمال میں ضرور رہا ہے۔ عربوں نے تاریخ کو ملحوظ رکھنے میں راتوں کو دنوں پہ غالب کر دیا ہے اس لیے کہ مہینے کی پہلی رات مہینے کے پہلے دن سے پہلے آتی ہے اور رات دن سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ دن رات سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ چاند راتوں کے لیے ہوتے ہیں دن کے لیے نہیں ہوتے۔ راتوں ہی میں مہینہ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں ان دونوں کا ذکر کیا ہے تو رات کا ذکر دن سے پہلے کیا مثال کے طور ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ

O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

”ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس اور ان کے ساتھ ملا کر ان کو مکمل کر دیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آگے فرمایا:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا۔

(القرآن الحکیم)۔

ترجمہ:

”اور اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں اور آٹھ منحوس دن مسلط کیے رکھا۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور فرمایا:

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ۔

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”اور وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور مزید ارشاد فرمایا کہ:

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ۔۔

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”اور اس میں کئی راتیں اور کئی دن تک امن سے چلتے رہو۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اہل عرب رات کا لفظ ان چیزوں میں استعمال کرتے تھے جن میں رات کے ساتھ دن بھی شریک ہو اور

وہاں دن کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے کیونکہ عرب رات کو تکلیف دہ سمجھتے تھے اس لیے کہتے کہ،،

اَدْرَکَنِی اللَّیْلُ بِمُوْضِعِ کَذَا

''کہ فلاں جگہ پہنچ کے مجھے رات ہوگئی''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور وہ رات کی ہیبت کی وجہ سے ایسا بولتے تھے اور نابغہ کا یہ شعر اسی کیفیت کا عکاس ہے

فَاِنَّکَ کَاللَّیْلِ الَّذِیْ ھُوَ مُدْرِکِیْ
وَاِنْ خِلْتُ اَنَّ الْمَنْتَایْ عَنْکَ وَاسِعُ

تُو تو اس رات کی طرح ہے کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا مجھے آدبوچے گی خواہ میں اپنے دل میں یہ خیال کرتا رہوں کہ میرے اور تیرے درمیان وسیع فاصلے حائل ہیں۔''

اور عرب کہا کرتے کہ:

صُمْنَا عَشْرًا مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ

''کہ ہم نے ماہ رمضان کی دس راتوں کا روزہ رکھا''

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حالانکہ روزہ تو دن کا ہوتا ہے کیونکہ اس کو بیان کرنے کا یہی طریق مروّج تھا اس لیے کہ ماہ رمضان کی ابتدا رات سے ہوتی ہے اور ابو عبیدہ کا یہ شعر بھی ان کے اسی طرز استدلال کی دلیل ہے۔

فَصَا مَتۡ ثَلَاثًا مِنۡ مَخَا فَۃِ رَبِّھَا
وَلَوۡ مَکَثَتۡ خَمۡسًا ھُنَاك لَصَلَّت

اور وہ اپنے مالک کے خوف سے تین راتیں وہاں ٹھہری رہیں اور اگر پانچ راتیں ٹھہرتیں تو پیاس کے مارے ان کی انتڑیاں خشک ہو جاتیں۔

عرب جب اپنے مہینوں کے نام بولتے تو جمادی الاول اور جمادی الآخر کے مہینے مذکر کہتے سوائے تین مہینوں کے کہ ان کے شہر کا لفظ لانا ضروری خیال کرتے۔ چنانچہ لکھتے کہ فی شہر الرمضان اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں کہ:

اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرآنُ۔

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

”اگر چہ تم جانتے ہو کہ ماہ رمضان تو وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا۔“

اور وہ کہتے کہ شہر ربیع الاول اور شہر ربیع الآخر کیونکہ ربیع تو سال کا ایک موسم ہے بہار کے دنوں کا لہٰذا اگر وہ صرف من ربیع کہتے اور اس کے ساتھ شہر کا لفظ استعمال نہ کرتے تو اس بات کا احتمال موجود رہتا کہ کوئی اسے موسم ربیع سمجھ لے چنانچہ اس ضمن میں عربوں کا ایک شاعر کہتا ہے کہ:

شَھۡرَیۡ رَبِیۡعٍ مَاتَذُوۡقُ لُبُوۡنُھُمۡ
اِلَّا حَمُوۡضاً وَخَمۡۃً وَ ذَ وِیۡلَا

کہ ربیع کے دونوں مہینوں میں ان کی دودھ دینے والی اونٹنیاں ناموافق آنے والی حمضہ بوٹی اور خشک نباتات کے سوا کچھ نہ کھاتی تھیں اور ہر وہ نباتات جو ٹوٹ کر سیاہ ہو چکی ہو ذویک کہلاتی ہے۔"

عرب مہینے کی ہر پہلی رات کو چاند دیکھ کر اللہ اکبر کہا کرتے تھے اسی طرح دیگر مہینوں کے شروع میں بھی کیا کرتے تھے اس لیے کہ جو وقت گزر گیا ہوتا اس کے گزر جانے کی وجہ سے ان کی سب سے بڑی رونق ان کی سب سے بڑی خوشی اور ان کا سب سے بڑا کاروباری زمانہ یعنی حج کا زمانہ قریب آ رہا ہوتا تھا جس سے وہ خوش ہوتے تھے اور خاص اہل مکہ بھی حج کے مہینوں اور دیگر مہینوں کی پہلی رات کو آگ جلایا کرتے جن کے قریب ان کے بچے اور غلام رات بھر کھیلا کرتے اور یہ سب زمانہ حج کے قریب ہونے کی خوشی میں کیا جاتا۔ محرم کے سوا کسی اور مہینے کے نام کے ساتھ الف اور لام نہیں لکھتے تھے اور اس لیے کہ محرم سال کا پہلا مہینہ ہے انھوں نے اس کو اسم معرفہ بنا دیا تھا گویا یوں کہا گیا کہ یہ وہ مہینا ہے جو ہمیشہ سال کے شروع میں آتا ہے جیسا کہ رات جب ابھی چل رہی ہو تو وہ اس کے لیے "لِلَیْلَةٍ خَلَت" نہیں لکھا کرتے اور نہ ہی وہ "لِلَیْلَةٍ بَقِیَت" لکھتے جب کہ رات ابھی گزر رہی ہو اور عرب مہینے کی پہلی رات کو "لَیْلَةُ الْبَراء" کہتے اس لیے کہ چاند سورج سے خلاصی پا چکا ہوتا اسے نَخِیرَة بھی کہا جاتا ہے کیونکہ چاند اس کے سامنے آ جاتا ہے یعنی رات کی ابتداء میں دکھائی دیتا ہے ایک عرب شاعر ابن عامر کہتا ہے کہ:

ثُمَّ اسْتَمَرَّ عَلَیْهَا وَاکِفٌ هَمِعٌ

فِیْ لَیْلَةٍ نَحَرَتْ شَعْبَانَ اَوْ رَجَبَا

پھر اس پر مسلسل برسنے والا بادل برستا رہا اس رات جو یا تو شعبان کی پہلی رات تھی یا رجب کی۔"

امام ابوبکر صولی نے کسی کاتب کے حوالے سے کہیں لکھا ہے کہ تاریخ یقین کا ستون ہے اور شک کو دور کرنے والی ہے اور اسی کے ذریعے حقوق معلوم کیے جاتے ہیں اور معاہدوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سرکاری چٹھیوں میں خواہ چھٹی افسر کی طرف سے ہو یا ماتحت کی طرف سے تاریخ اس کے آخر میں ضرور لکھی جاتی تھی تاہم ایک ہی مرتبہ اور مقام کے لوگ خط کے شروع میں بھی تاریخ لکھ دیا کرتے تھے۔"

اس ضمن میں عربوں کے کچھ شعر پیش خدمت ھیں

جَا رِيَةٌ فِی رَمَضَا نَ الْمَا ضِیُ
تُقَطِّيعُ الحَدِيْثَ بِا لاِيْمَاضِ

گذشتہ رمضان میں جب ہم باتیں کر رہے تھے تو ایک لڑکی نے آنکھ سے اشارہ کرکے ہماری بات کاٹ دی تھی۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَكَانَ يُوَرِّخُ عِلْمَ القُرُوْنِ
فَهَا هُوَذَا الَيَوْمَ قَدْ اُرِّخَا

وہ امتوں کی تاریخ لکھا کرتا تھا اور آج خود اس کی تاریخ لکھی گئی۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

اور عربوں کا ایک اور شاعر جس کا نام مستوغر بن ربیعہ تھا اور جو بہت دراز عمر تھا اس سے یہ اشعار مروی ہیں [55*] ۔"

وَلَقَد سَئِمتُ مِنَ الحَيَاةِ وطُولِهَا
وَازدَدتُ مِن عَدَدِ السِنِينَ سِنِينَا

میں زندگی اور زندگی کے لمبا ہونے سے اکتا گیا ہوں اور میں نے سالوں کی تعداد میں کئی سالوں کا اضافہ کرلیا ہے۔"

مِائَةٌ اَتَت مِن بَعدِهَا مِائتَانِ لِی
وَازدَدتُ مِن عَدَدِ الشُهُورِ مِئِينَا

مجھ پہ ایک سوسال گزرے اور پھر دوسوسال اور مہینوں کی تعداد میں سینکڑوں کا اضافہ کیا۔"

هَل مَا بَقِیَ اِلاَّ كَمَا قَد فَاتَنِی
يَومٌ يَكُرُّ وَلَيلَةٌ تَحدُونَا

اور جو باقی رہ گیا ہے اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے گزر چکا ہے دن بار بار آتا ہے اور رات ہمیں ہانک کرلے جاتی ہے۔"

عربوں کے اجتماعات پہ بحث کرتے ہوئے ہم نے مہینوں کے وہ نام بیان کردیئے ہیں جو عرب عاربہ کے زمانے میں مستعمل تھے اور وہ نام بھی جو عرب مستعربہ کے زمانے میں مستعمل تھے اس کے علاوہ وہ نام بھی جو وہاں رائج تھے۔اس کے بعد امام صولی نے ایام اور مہینوں کے تثنیہ اور جمع بیان کرنے کے بارے میں تفصیلاً بحث کی ہے۔ان فوائد کا بھی ذکر کیا ہے جو اس بحث سے متعلق ہیں مگر اس نے بہت سی ان تاریخوں کا ذکر نہیں کیا جن سے مختلف زمانوں کے عرب اپنی تاریخ شروع کرتے تھے۔یمن حجاز اور نجد کے لوگوں

کے یہاں ایسی بہت سی تاریخیں تھیں جو قدیم زمانوں سے ان کے ہاں متعارف چلی آئی تھیں ان کا ہر گروہ ان حادثات سے اپنی تاریخ شروع کرتا تھا جو ان کے یہاں مشاہدے میں آتے تھے۔ چنانچہ ان سب کا ذکر باعث طوالت ہوگا اس لیے ہم صرف ایک واقعہ پہ ہی مقدور بھر بحث کریں گے جو ان سب کے ہاں یکساں مشہور تھا اور جسے بہت سے قبائل نے اپنی ابتداء کا جواز بتایا ہے اور وہ ہے "**زَمنُ الفِطَحْل**" اس کی تشریح میں ائمہ لغت کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے کہا کہ یہ وہ زمانہ ہے جب ابھی انسان پیدا بھی نہ ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کا زمانہ ہے اور کسی نے کہا کہ یہ وہ زمانہ ہے جب پتھر ابھی تر تھے اور جب ہر چیز بولتی تھی۔ روبہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے یہی جواب دیا۔ صحاح میں اس کے متعلق بیان ہوا کہ جرمی نے کہا کہ میں نے ابوعبیدہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ بدوی راویات کے مطابق یہ وہی زمانہ ہے جب پتھر ابھی تر تھے۔ ابوعبیدہ نے روبۃ ابن العجاج کے یہ اشعار بھی پیش کیے ہیں کہ جب روبہ کسی چشمے پہ اترا تھا اور وہاں اس نے کسی عورت کو شادی کی دعوت دی تو اس عورت نے اس سے سوال کیا کہ تمھاری عمر کیا ہے تمھارے پاس مال کتنا ہے جس کے جواب میں روبہ نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

لَمّا ازْدَرَتْ نَقْدِی وقَلَّتْ بِلِیْ
تَا لَّقَتْ وا تَّصَلَتْ بِعُکْلِ

جب اس نے میرے پیسوں کو حقیر سمجھا اور میرے اونٹ بھی کم تھے تو وہ بگڑی اور اس نے قبیلہ عقل کو فریاد کے لیے پکارا۔"

تَاَ لُنِیْ عَنِ السِّنِیْنَ کَمْ لِیْ
فَقُلْتُ لَوْ عُمِّرت عُمْرَالحِسْلِ

وہ مجھ سے میری عمر دریافت کرتی ہے میں نے کہا اگر مجھے گوہ کے جتنی عمر دی جائے۔"

اُوْ عُمْرَ نُوْحٍ زَمَنَ الْفِطَحْلِ
وَالصَّخْرُ مُبْتَلٌّ كَطِيْنِ الْوَحْلِ

یا فطحل کے عہد سے مجھے نوح کی عمر ملتی درآنحالیکہ پتھر دلدل کی مٹی کی طرح تر تھے۔“

اَوْ اَنَّنِیْ اُوْتِيْتُ عِلْمَ الْحُكْلِ
عِلْمَ سُلَيْمَانَ كَلَامَ النَّمْلِ

یا مجھے بے زبان جانوروں کی زبان جاننے کا علم دیا جاتا میری مراد سلیمان کا علم ہے جس سے وہ چیونٹی کا کلام جان لیا کرتے تھے۔“

كُنْتُ رَهِيْنَ هَرَمٍ اَوْ قَتْلٍ

کہ جب بھی میں بڑھاپے میں مبتلا ہو جاتا یا قتل کر دیا جاتا۔“

لَوْ اَنَّنِیْ اُوْتِيْتُ عِلْمَ الْحُكْلِ
عَلِمْتُ مِنْهُ مُسْتَسَرًّا لِلدَّخْلِ

اور اگر مجھے حکل کا علم دیا جاتا تو میں اس سے باطنی عیب معلوم کر لیتا۔“

عِلْمَ سُلَيْمَانَ كَلَامَ النَّمْلِ

مَا رُدَّ أَرْوَى أَبَدًا عن عَذْلِ

جس طرح سلیمانؑ کو چیونٹیوں کے کلام کا علم تھا تو ملامت کے بعد کوئی بھی پہاڑی بکرا اپنے اصلی وطن کو کبھی نہ لوٹتا۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

امیہ بن ابی صلت جس کا شمار عرب کے داناؤں میں ہوتا تھا اور روایت کے اعتبار سے عربوں میں ممتاز مقام رکھتا تھا کہتا ہے کہ:

وَإِذْ هُمُ لَا لَبُوسَ لَهُمْ عُرَاةٌ

وَإِذْ صُمُّ الصِّلَابِ لَهُمْ رِطَابُ

جب وہ ننگے تھے اور ان کا کوئی لباس نہ تھا اور ان دنوں جب ان کے ٹھوس پتھر تر تھے۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

بِآيَةِ قَامَ يَنْطِقُ كُلُّ شَيْءٍ

وَخَانَ أَمَانَةَ الدِّيكِ الغُرَابُ

اس کی نشانی یہ ہے کہ ہر شئے بول سکتی تھی اور جب کوے نے مرغ کی امانت میں خیانت کی تھی۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

مقاتل بن سلیمان سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ وہ زمانہ جب پتھر نرم تھے اور اگر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کا نشان پتھر میں پڑ گیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں پتھر ابھی نرم تھے۔ مگر معروف مورخ امام ثعلبیؒ نے ان سب تخیلات کو عبث قرار دیا ہے اور اس کا کہنا یہ ہے کہ مقاتل نے یہ جو بات بیان کی ہے تو اس کا عندیہ ان لوگوں کے عندیے کی طرح نہیں ہے جنھوں نے پتھروں کو زمین کے اجزا قرار دیا ہے جو سخت بھی ہو جاتے ہیں اور ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور پھر پتھر بن جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نمی کے بعد یہ خشک ہو جاتے ہیں اور نرم ہونے کے بعد یہ سخت ہو جاتے ہیں اگر ان کی مراد یہ ہوتی تو ان کے لیے کہنے کی بڑی گنجائش تھی لیکن جن اوہام نے چوپایوں کو ہمارے سامنے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ یہ بولتے ہیں اور ان میں عقل تھی اور یہ کہ سعدان نامی بوٹی کی شاخیں نرم وملائم ہوتی ہیں اور کانٹے دار جھاڑی کی ٹہنیاں سرسبز اور نازک ہوتی تھیں انھی اوہام نے ان کو یہاں تک پہنچایا ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ جب انھوں نے دیکھا کہ داناؤں نے لوگوں کے خیالات کو حکمت کی طرف مائل کرنا چاہا تو انھوں نے یہ مثالیں اختیار کیں اور ان کی آرائش کے لیے قدرے ہزلیہ باتیں شامل کر لیں اور ہنسی کی باتوں میں سنجیدہ باتیں شامل کر لیں تاکہ ان کے دلوں کو ان کا برداشت کرنا گراں معلوم نہ ہو اور ان کی توجہ جلدی سے ان مثالوں کی طرف مبذول ہو جائے مگر اس سے ان لوگوں نے جن کی عقل کامل نہ تھی جانوروں کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ وہ بول سکتے ہیں لہٰذا انھوں نے قصے گھڑ کر ان میں اضافہ کر لیا کہ عربوں کے یہاں یہ بات خصوصیت سے پائی جاتی ہے کہ اسی وجہ سے تو یہ دوسری امتوں پہ فائق ہوئے کیونکہ ان میں بات کرنے کا سلیقہ پایا جاتا ہے اور انھیں گفتار میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا انھوں نے کہانیوں کو نظم کر لیا اور ان کے لیے سجع کے الگ الگ ٹکڑے بنا لیے جن میں ان کی تاریخ بکھری پڑی ہے اور اس موضوع پہ جتنا بیان مقصود تھا وہ مکمل ہوا۔

الحمد ولله

عربوں کی اکثریت اگرچہ ان پڑھ تھی تاہم ایک محدود تعداد ایسے لوگوں کی موجود تھی جو پڑھنا بھی جانتے تھے اور لکھنا بھی۔ عربوں کے فن کتابت کے متعلق ایک مطالعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

عربوں کا فن کتابت

یہ بات اگرچہ درست ہے کہ عربوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا مگر بعض مورخین کا یہ دعویٰ کہ وہ متعلق ان پڑھ تھے بالکل غلط ہے۔اس لیے کہ تاریخی شواہد اس بات کے برعکس ہیں جو بتاتے ہیں کہ عہدِ رسالت سے قبل اور عہدِ رسالت میں بھی عربوں میں کئی لوگ نہ صرف لکھنا جانتے تھے بلکہ پڑھنا بھی جانتے تھے اور عہدِ جاہلیت میں عربوں کی لکھائی کا ان کے اشعار اور زبان سے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ہم عربوں کے لکھنے اور پڑھنے کے متعلق تاریخی شواہد پہ ایک نظر ڈالیں گے مثلاً لبید بن ربیعہ کہتا ہے کہ۔

وَجَلَا السُّيُوْلُ عَنِ الطُّلُوْلِ كَاَنَّهَا
زُبُرٌ تُجِدُّ مُتُوْنَهَا اَقْلَامُهَا

طغیانیوں نے کھنڈرات کو ظاہر کر دیا ہے اور اب وہ کتابوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں جن کے متون

کی قلموں نے تجدید کردی ہو۔‘‘

اپنے اس شعر میں لبید یہ کہنا چاہتا ہے کہ ان گھروں کے کھنڈرات کو طغیانیوں نے واضح کر دیا ہے اور اب وہ مٹی میں چھپے رہنے کے بعد ظاہر ہو گئے ہیں گویا یہ گھر وہ کتابیں ہیں جن کی کتابت کی تجدید قلموں نے کر دی ہے۔ شاعر نے ان کھنڈرات کو جنھیں مٹی نے ڈھانپ رکھا تھا اور طغیانیوں نے انھیں ظاہر کر دیا ہے مٹی ہوئی لکھائی کی از سر نو تجدید کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کھنڈرات کے مٹ جانے کے بعد ظاہر ہونے کو سطروں کے مٹ جانے کے بعد ان کے ظاہر ہونے سے تشبیہ دی ہے۔

اسی ضمن میں دومۃ الجندل کا رہنے والا ایک شاعر اہل قریش پہ اپنا احسان جتاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وَلَا تَجْحَدُوْا نَعْمَاءَ بِشْرٍ عَلَيْكُ
فَقَدْ كَانَ مِيْمُوْنَ النَّقِيْبَةِ اَزْهَرَا

تم بشر کے احسان کا انکار نہ کرو کیونکہ وہ مبارک نفس والا اور روشن چہرے والا انسان ہے۔‘‘

اَتَاكُمْ بِخَطِّ الْجَزْمِ حَتّٰى حَفِظْتُمْ
مِنَ الْمَالِ مَا قَدْ كَانَ شَتّٰى مُبَعْثَرَا

وہ تمھارے پاس خط جزم لے کر آیا یہاں تک کہ تم نے تمام منتشر مال کو محفوظ کر لیا۔‘‘

وَ اَثْقَفْتُمْ مَا كَانَ بِالْمَالِ مُهْمَلاً
وَ طَا مَنْتُمُوا مَا كَانَ مِنْهُ مُنَفَّرَا

اورتم نے مال کے ذریعے اس کام کو جسے تم نے چھوڑ رکھا تھا مضبوط کرلیا اور اس میں سے جو کچھ بدکا ہوا تھا تم نے اسے ساکن کردیا۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَ اَجْرَيْتُمُ الاقَلَامَ عَودَا وَبَدْاَةً
وَضَاهَيْتُمُ كُتَّابَ كِسْرٰى وَقَيْصَرَا

اورتم نے شروع کرتے ہوئے اور لوٹتے ہوئے قلموں کو چلایا اور تم کسریٰ اور قیصر کے کاتبوں کی طرح ہو گئے۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَ اَغْنَيتُمُوا عَنْ مُسَنْدِ الحَيِّ حِمْيَرَا
وَمَا زَبَرَتْ فِي الصُّحُفِ اَقْلَامُ حِمْيَرَا

اورتم نے حمیر کو قبیلے کے خط "مسند" سے مستغنی کردیا اور ان چیزوں سے مستغنی کردیا جو حمیر کے قلموں نے صحیفوں میں لکھیں تھیں۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

جس نے سب سے پہلے ہمارے اس "خط" کو لکھا اور یہ خط جزم تھا۔ وہ مرامر بن مرّۃ اور اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ تھے۔ قاموس میں بیان کیا گیا کہ ان لوگوں کا تعلق قبیلہ طئے سے تھا جنھوں نے یہ خط حضرت ہود علیہ السلام کے کاتب وحی سے سیکھا تھا۔ پھر انھوں نے یہ خط اہل انبار کو سکھایا اور اہل انبار ہی سے کتابت عراق میں حیرہ اور دیگر شہروں تک پھیلی۔ عربوں نے بھی انھی سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا اس لیے کہ ایک دفعہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیذر کا بھائی بشر بن عبدالملک حیرہ گیا تو اس نے ان سے لکھنا اور

پڑھنا سیکھ لیا اور وہ ایک عرب سردار حرب بن امیہ کا بہت اچھا دوست بھی تھا۔ چنانچہ جب حرب بن امیہ تجارت کی غرض سے حیرہ آیا اور واپسی پہ اپنے دوست بشر بن عبدالملک کے ہاں ٹھہرا تو اس نے بھی ان سے لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا۔ پھر بشر بن مالک اپنے دوست اور عربوں کے سردار حرب بن امیہ کے ساتھ مکہ چلا آیا جہاں اس نے ابوسفیان کی بہن سے شادی کرلی جس کا نام صہبا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مکہ کے بہت سے لوگوں نے لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ پہ قرآن اترنا شروع ہوا تو اس کو لکھنے کے لیے درجنوں کاتب دستیاب تھے جنھوں نے قرآن کو لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ بشر بن عبدالملک کے مکہ آنے سے اہل قریش میں بہت کاتب اپنے فن میں پختہ ہو چکے تھے اور زبان و بیان کے رموز سے آگاہ تھے اسی بات کا ذکر اس کندی نے اپنے اشعار میں کیا جس میں اس نے عربوں پہ اپنا یہ احسان ظاہر کیا ہے کہ ہم نے تم لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربی رسم الخط کو پہلے خط جزم کہا جاتا تھا بعد میں اسی رسم الخط کو خط کوفی کہا گیا کیونکہ جب یہ خط معرض وجود میں آیا تو اس وقت ابھی شہر کوفہ کا نام ونشان تک نہ تھا اور اس کو خط جزم کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اسے خط حمیری سے اخذ کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں عربوں نے بیش بہا مباحث کیے جن کو بہت سی کتابوں میں مدون کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر صولی نے "**ادب الکتاب**" میں اس معاملے سے مفصل بحث کی ہے جس میں ان اقوال کا خلاصہ نقل کردیا گیا ہے اور وہ سب اقوال نقل کردیے ہیں جو تحقیق شدہ ہیں۔ امام سیوطیؒ نے "**المزھر**" میں ان معاملات کا تذکرہ کیا ہے اور دیگر بہت سے اہل علم نے ان امور کا احاطہ کیا ہے جن میں علامہ ابن خلدون بھی شامل ہیں انھوں نے اپنے مقدمے میں ایک مفید فصل تحریر کی ہے جو ہمارے مقصد سے تعلق رکھتی جسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے:

"عربوں میں کتابت نہایت نایاب چیز تھی اور یہ کہ بیشتر عرب امی تھے۔ بالخصوص بادیہ نشین عرب اور ان میں سے جو لوگ پڑھنا یا لکھنا جانتے تھے ان کا خط ناقص تھا اور پڑھائی میں بھی

ان کو مہارت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ فن کتابت ان فنون میں سے ہے جو آبادانی کے تابع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خط جزم عربی عہد تبابعہ میں مضبوطی پختگی اور عمدگی میں پوری حد تک پہنچ چکا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا تمدن فارغ البالی اور کمال تک پہنچ چکے تھے اور اسی خط کو خط حمیری کہا گیا اور یہی رسم تحریر ان سے حیرہ اور عراق کے دیگر علاقوں تک منتقل ہوئی کیونکہ وہاں خاندانی عصبیت میں تبابعہ کے رشتے داروں یعنی خاندان منذر کی حکومت تھی اور آلِ منذر عراق میں عربی حکومت کی تجدید کرنے والے تھے مگر ان کا خط اس قدر عمدہ نہ تھا جس قدر کی تبابعہ کا تھا۔ چونکہ دونوں حکومتوں میں تفاوت پایا جاتا تھا وہاں کا تمدن اور صنائع وغیرہ درجہ کمال تک نہ پہنچے تھے پھر اہل طائف اور اہل مکہ یعنی قریش نے یہ علم حیرہ کے لوگوں ہی سے سیکھا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص نے اہل حیرہ سے یہ علم عربوں تک منتقل کیا وہ حرب بن امیہ تھا جس نے اسلم بن سدرہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا یہ ایک ممکن قول ہے اور ان لوگوں کے خیال سے زیادہ قریب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے عراق کے باشندوں میں سے ایاد نامی ایک شخص سے یہ فن سیکھا تھا کیونکہ ان کا ایک شاعر امیہ بن ابی صلت الثقفی کہتا ہے کہ:

قَوْمِیْ اِیَادٌ لَوْ اَنَّھُمْ اَمَمٌ
اَوْلَوْ اَقَامُوْا فَتَھْزَلُ النَّعَمُ

میری قوم ایاد ہے کاش وہ مجھ سے قریب ہوتے یا اگر وہ وہاں قیام کرتے تو ان کے جانور لاغر ہو جاتے۔"

قَوْمٌ لَهُمْ سَاحَةُ الْعِرَاقِ اِذَا
سَارُوْا جَمِیْعًا وَالْخَطُّ وَالْقَلَمُ

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ اکٹھے ہو کر نکلتے ہیں تو تمام عراق کا میدان اور خط اور قلم انھیں کا ہوتا ہے۔

مگر یہ قول بعید از قیاس ہے کیونکہ قوم ایاد اگرچہ عراق کے میدان میں جا کے اترے تھے مگر پھر بھی وہ اپنی بدویت پر قائم رہے تھے اور لکھنا پڑھنا شہروں کی صنعت ہے غالبًا شاعر کی مراد یہاں یہ ہے کہ شہری علاقوں اور شہری ماحول کے قریب ہونے کی وجہ سے ایاد بمقابلہ دیگر عرب قبائل کے خط و قلم سے زیادہ قریب تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اہل حجاز نے اس فن کو اہل حیرہ سے لیا ہے زیادہ قرین حقیقت ہے اور اصل بات ہے بھی یہی کہ قریش نے کتابت کا علم اہل حیرہ سے اور اہل حیرہ نے تبابعہ سے لیا تھا۔ حمیر کی لکھائی کو مسند کہا جاتا تھا اور اس کے حروف باہم ملے ہوئے تھے۔ اہل حمیر اپنا یہ علم کسی دوسرے کو منتقل کرنے پہ آسانی سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ مضر نے بھی عربی کا لکھنا حمیر سے سیکھا مگر وہ اچھا لکھنا نہ جانتے تھے کیونکہ جو صنعت بدویوں میں چلی جاتی ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے اور صنعت کے طریقے مضبوط نہیں ہوتے اور نہ اس میں پختگی یا خوبصورتی پائی جاتی ہے اس لیے کہ صحرا نشینی اور صنعت میں بہت بعد پایا جاتا ہے اور بدوی بالعموم اس سے مستغنیٰ ہوتے ہیں۔ عربوں کی کتابت بھی بدوی طرز کی تھی ظاہر ہے کہ مضر بادیہ نشینی میں زیادہ راسخ ہو چکے تھے اور وہ اہل یمن، اہل عراق اور اہل شام و مصر کے مقابلے میں شہریت سے زیادہ دور تھے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں عربی خط غایت درجہ کی مضبوطی پختگی اور عمدگی تک پہنچنا تو درکنار متوسط درجے تک بھی نہ پہنچا تھا اس لیے کہ عرب اس وقت بادیہ نشین تھے اور صنائع کو ان سے بعد تھا۔ اس کے بعد علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یاد رکھیں کہ لکھائی میں جہاں تک عربوں کا سوال ہے تو ان کے خیال میں یہ کوئی کمال کی بات نہ تھی کیونکہ لکھائی تو من جملہ شہری اور معاشی صنعتوں میں سے ہے اور کسی صنعت میں کمال ایک

اضافی امر ہے کمال متعلق نہیں، کیونکہ اس کا نقص دین یا اخلاق کے ضمن میں کسی انسان کے لیے نقص کا باعث نہیں اور اس کا اثر صرف اسباب معاش پہ پڑتا ہے اور معافی الضمیر پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کا اثر آبادی اور آبادی پر تعاون کے مطابق ہوتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ امی تھے اور یہ بات آپ ﷺ کے حق میں باعث کمال سمجھی جاتی تھی اور آپ ﷺ کے رتبے کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی آپ ﷺ کی شرافت کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ آپ ان علمی صنعتوں سے پاک تھے جو معاش اور تمام آبادی کے اسباب ہیں یہ آپ ﷺ کے لیے کمال کی بات تھی مگر امیؐ ہونا دوسرے لوگوں کے لیے کمال کی بات نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تعلقات منقطع کر کے خاص اللہ ہی کے لیے ہو لیے اور ہم تمام صنعتوں کی طرح یہاں تک کہ علوم اصطلاعیہ میں بھی ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور یہ بات انبیاء کی صفات میں شامل ہوتی ہے کہ وہ ان تمام امور سے منزہ ہوں مگر اس کے برعکس اسی نبی کے امتی کے لیے علم کی صفات کو فرض قرار دے دیا گیا جس میں تمام علوم شامل ہیں چاہے وہ علم کتابت ہو یا صنعت و حرفت کے علوم ہوں [57*]''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربوں کے نزدیک بہترین کلام وہ تھا جو مختصر الفاظ اور مختصر عبارت میں وسیع مفاہیم کو ادا کرنے والا ہو ان کے یہاں بلاغت کا دارومدار اسی پہ تھا۔ چونکہ باہمی خط و خطابت قوموں کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے مگر اس لیے کہ کتابت تمام عربوں میں مروّج نہ تھی اس لیے کہ اس زمانے میں وہ شہریت کے مقابل بدویت سے زیادہ قریب تھے اسی لیے ان میں کتابت کے پھیل جانے سے پہلے ان کے درمیان باہمی مراسلت تحریری طور پہ کم ہی ہوتی تھی اہل عرب اپنے قاصد کو بھیج کر مراسلہ وغیرہ سے مستغنیٰ ہو جاتے تھے کیونکہ انھیں اپنے قاصد کی بلاغت پہ بھرپورا اعتبار ہوتا تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ ان کے مقاصد کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے یہاں تک اگر وہ کسی پیغام کو دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتے تو وہ اپنے پیغام کو معمے کی صورت بنا دیتے جسے دوسرا سمجھ لیتا۔ بعض اوقات اہل عرب شعر لکھتے جس سے ان کا مقصد ادا ہو جاتا کیونکہ اس زمانے میں شعر ہی عربوں کا دیوان تھا اور انھوں نے اپنے اشعار کا اس قدر ذخیرہ

ضرور چھوڑا ہے جسے تھوڑا خیال نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ "**مروج الذھب**" میں سابور ذوالاکتاف اور عراق پر عربوں کے غلبے کے تذکرے کے ضمن میں مرقوم ہے کہ جو لوگ عراق پر غلبہ پا چکے تھے ان میں ایاد بن نزار کی اولاد کا قبیلہ متحد اور طاقتور قبیلہ تھا اور انھیں علاقے پر چھا جانے کی وجہ سے طبق کہا جاتا تھا۔ اِن دِنوں اُن کا بادشاہ الحرث بن الاغر الایادی تھا۔ جب شاہ پور کی عمر سولہ سال کی ہوئی تو اس نے اپنے بہادر شہ سواروں کو ان کی طرف روانہ کیا مگر قبیلہ ایاد اس سے بے خبر تھا۔ ادھر شاہ پور کے قید خانے میں بنوایاد کا ایک شخص قید تھا جس کا نام لقیط تھا۔ اس نے اپنی قوم کو متنبّہ کرنے کے لیے کچھ اشعار لکھ کر بھیجے تا کہ اس کا قبیلہ حملہ آوروں سے ہوشیار ہو جائے اور وہ اشعار یہ ہیں:

سَلَامٌ فِی الصَّحِیْفَۃِ مِنْ لَقِیطٍ
عَلٰی مَنْ فِی الْجَزِیْرَۃِ مِنْ اِیَادِ

لقیط کی طرف سے اس صحیفے میں قبیلہ ایاد کے ان لوگوں پہ سلام ہو دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں آباد ہیں۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

بِاَنَّ اللَّیْثَ یَاتِیْکُمْ دِلَاقًا
فَلَا یَحْسِبکُمْ شَوْكُ الْقَتَادِ

کہ شیر تمھارے پاس تیزی سے پہنچنے والا ہے لہٰذا تمھیں ان کو روکنے کے لیے قتادہ جھاڑی کے کانٹوں کو کافی نہ سمجھنا چاہیے۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اَتَاکُمْ مِنْھُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا
یَجُرُّوْنَ الْکَتَائِبَ کَالْجَرَادِ

تمارے پاس ان میں سے ستر ہزار فوجی پہنچنے والے ہیں جو مکڑی کی طرح پاؤں گھسیٹتے ہوں گے۔“

✿✿✿✿✿✿✿✿

عَلَىٰ خَيْلٍ سَتَاتِيكُم فَهٰذَا
اَوَانُ هَلَاكِكُمْ كَهَلَاكِ عَادٍ

اور عنقریب جب یہ سوار تم تک پہنچے گے تو قوم عاد کی طرح یہ تم پہ ہلاکت کا وقت ہوگا۔“

✿✿✿✿✿✿✿✿

مگر بنوایاد نے اپنے اس آدمی کے پیغام کو سمجھنے کے باوجود کوتاہی اور لاپرواہی کا رویہ اختیار کیا اور اپنی عیاشیوں میں مگن رہے۔ حالانکہ شاہ پور کے فوجی دستے عراق کی جانب یورش کرنے جا رہے تھے اور سوادِ عراق پہ غارت ڈال رہے تھے اور جب شاہ ایران نے بنوایاد پہ چڑھائی کا ارادہ کیا اور اپنی تیاری مکمل کر لی۔ تب لقیط نے ایک بار پھر کچھ اشعار اپنی قوم کو لکھے تا کہ وہ پیش آمدہ تباہی سے محفوظ رہیں۔ مگر اس زمانے میں شاید وہ لکھے ہوئے پیغام کی اہمیت کو ارادتاً نظر انداز کرتے تھے اس لیے ایک بار پھر انھوں نے اپنے اس مخلص دوست کی پکار پہ کان نہ دھرے اور شاہ پور کی فوجیں ان کے سر پہ آ پہنچیں۔ دوسری بار اس نے جو شعر اپنے قبیلے کو ارسال کیے تھے ان میں سے کچھ شعر پیش خدمت ہیں:

يَا دَارَ عَبْلَةَ مِنْ تَذَكَارِهَا الجَزَعَا
هَيَّجْتَ لِيَ الهَمَّ وَالْاَحْزَانَ وَالْوَجَعَا

وائے محبوبہ عبلہ کا گھر کہ اس نے مجھے غم و بے قراری کی یاد دلا دی ہے ہائے تو نے میرے غم اور درد کو بھڑکا دیا ہے۔“

✿✿✿✿✿✿✿✿

اَبۡلِغۡ اِیَادًا وَ حَلِّلۡ فِیۡ سَرَاتِہِمِ
اِنِّیۡ اَرَی الرَّاْیَ اِنۡ لَمۡ اُعۡصَ قَدۡ نَصَعَا

اور قبیلہ ایاد کو میرا پیغام پہنچانا اور ان کے سرداروں کے خیمے میں جا کر اترنا کہ میرے خیال میں میری رائے خلوص والی ہے بشرطیکہ یہ لوگ میری نافرمانی نہ کریں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

اَنۡ لَا تَخَانُوۡنَ قَوۡمًا لَا اَبَا لَکُمۡ
مَشَّوۡا اِلَیۡکُمۡ کَاَمۡثَالِ الدَّبٰی سَرَعَا

تمہارا باپ نہ رہے کیا تم ان لوگوں سے نہیں ڈرتے جو بڑی تیزی سے مکڑی کی طرح تمہاری طرف آ رہے ہیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

لَوۡ اَنَّ جَمۡعَہُمۡ رَامُوۡا بِہَدَّتِہِمۡ
شُمَّ الشَّمَارِیۡخِ مِنۡ ثَہۡلَانَ لَا نۡصَدَعَا

اگر ان کی جمعیت اپنے تباہ کن حملے سے ثہلان پہاڑ کی بلند چوٹیوں کا ارادہ کرلے تو وہ بھی پھٹ جائیں گے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَقَلِّدُوۡا اَمۡرَکُمۡ لِلّٰہِ دَرُّکُمۡ
رَحۡبَ الذِّرَاعِ بِاَمۡرِ الۡحَرۡبِ مُضۡطَلِعَا

خدا تمہارا بھلا کرے تم جنگ کی بھاگ دوڑ ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دو جو قوی ہو اور جنگ کے معاملات پہ قدرت رکھتا ہو۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

پھر شاہ پور نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا قتل عام کیا اور ان میں سے صرف چند لوگ اپنی جان بچا کر بھاگ سکے جو روم کے زیر اثر علاقوں کی طرف کوچ کر گئے اس کے بعد شاہ پور نے عربوں کے کندھے جوڑوں سے اکھاڑ دیئے اسی وجہ سے بعد میں اس کو شاہ پور ذوالاکتاف بھی کہا گیا۔ عربوں کی لکھنے اور پڑھنے سے متعلق عادات کے متعلق مورخین نے صحیفہ متلمس کا مشہور واقعہ بھی پیش کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے متلمس دراصل عربوں کا ایک شاعر تھا اور اس کا بھانجا طرفہ بن العبد بھی عربوں کا معروف شاعر تھا۔ وہ دونوں یمن کے حاکم عمرو کے پاس پہنچے اور اس کے ہاں ہی رہنے لگے۔ عمرو کبھی کبھی ان سے شعر سن لیا کرتا اور کبھی کبھی ان کو اپنے ساتھ شکار پہ بھی لے جایا کرتا۔ مگر اکثر یوں ہوتا کہ عمرو شراب کے نشے میں پڑا رہتا اور اس کے دربان متلمس اور اس کے بھانجے کو اس تک نہ پہنچنے دیتے اور وہ اس کے دروازے ہی پہ بیٹھے رہتے عمرو کے اس برتاؤ سے تنگ آ کر ایک دن طرفہ نے یہ شعر کہے:

فَلَيْتَ لَنَا مَكَانَ المَلِكِ عَمْرُو
رَغُوثاً حَوْلَ قُبَّتِنَا تَخُورُ

کاش عمرو بادشاہ کی بجائے ہمارے پاس بچے کو دودھ پلانے والی ایک گائے ہوتی جو ہمارے خیمے کے گرد آواز نکالتی رہتی۔''

لَعَمْرُكَ إِنَّ قَابُوسَ بَنَ هِنْدٍ
لَيَخْلِطُ مُلْكَهُ نُوكٌ كَثِيرٌ

اور تمھاری جان کی قسم کہ قابوس بن ہند کی حکومت میں بہت سی حماقت ملی ہوئی ہے۔''

وَلَا خَيْرَ فِيْهِ غَيْرَ اَنَّ لَهٗ غِنًى
وَاَنَّ لَهٗ كَشْحًا اِذَا قَامَ اَهْضَمَا

اس میں کوئی اچھی بات نہیں پائی جاتی البتہ یہ مالدار ہے اور یہ کہ جب یہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی کمر پتلی ہوتی ہے۔"

تَظَلُّ نِسَاءُ الْحَيِّ يَعْكُفْنَ حَوْلَهٗ
يَقُلْنَ عَسِيْبٌ مِنْ سَرَارَةِ مَلْهَمَا

قبیلے کی عورتیں دن بھر اس کے گرد بیٹھی رہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ملہم مقام کی بہترین کھجور کی یہ ٹہنی ہے۔"

مورخین نے اس واقعہ کے بارے میں مزید لکھا کہ بادشاہ کے کسی درباری نے یہ شعر سن لیے اور بادشاہ نے ان دونوں کے قتل کا ارادہ کر لیا مگر وہ جانتا تھا کہ اگر قتل سے بیشتر ان عرب شاعروں کو اس کے ارادوں کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اس کی ایسی ہجو کہیں گے جسے عرب مدتوں یاد رکھیں گے اس لیے وہ براہ راست ان کے قتل سے ڈرا اور ان کو قتل کرانے کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے متلمس اور طرفہ کو طلب کیا اور کہا کہ تمہیں ہمارے ہاں ٹھہرے ہوئے بہت دن ہونے کو آئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر کی یاد بھی ستاتی ہوگی اور حقیقت بھی یہی تھی اس نے انھیں دو خط دیئے جو سربمہر تھے اور کہا کہ میرے بحرین کے گورنر کے پاس چلے جاؤ وہ تمہیں انعام واکرام سے نوازے گا اس کے بعد تم اپنے وطن کو روانہ ہو جانا۔ دونوں عرب شاعر بادشاہ کی اس عنایت سے بہت خوش ہوئے ایک تو ان کو بادشاہ کی بے اعتنائی سے نجات مل رہی تھی تو دوسری طرف وہ انعام واکرام سے لدے

اپنے گھروں کو لوٹنے والے تھے اس لیے وہ خوشی خوشی بادشاہ سے رخصت ہوئے راستے میں انھوں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو گندگی پھیر رہا تھا کھجوریں کھا رہا تھا اور ناخنوں سے اپنے سر کی جوئیں مار رہا تھا متلمس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں نے آج تک اس جیسا غلیظ اور احمق بوڑھا نہیں دیکھا، بوڑھے نے اس کی بات سن لی اور اس کے جواب میں کہا:

اے سوار تو نے مجھ میں ایسی کون سی حماقت دیکھی ہے جو تو ایسا کہہ رہا ہے حالانکہ میں ایک پلید چیز کو نکال رہا ہوں اور ایک پاک چیز کو داخل کر رہا ہوں اور اپنے ایک دشمن کو کچل رہا ہوں۔"

پھر اس نے کچھ توقف کیا اور ان کی طرف دیکھا اور کہا:

یقیناً مجھ سے بے وقوف تو وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھ میں اپنی موت اٹھائے پھر رہا ہے اور اس کو کچھ خبر ہی نہیں۔"

اور بوڑھے کی نظر اس کے ہاتھوں میں دبے اس خط پہ تھی جو انھیں عمرو نے دیا تھا اس پہ ملتمس کو کچھ شک گزرا اسی وقت وہاں سے ایک نوجوان گزرا متلمس نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا؟

کیا وہ پڑھنا جانتا ہے:

نوجوان نے کہا ہاں میں پڑھ سکتا ہوں۔"

تب متلمس نے اس خط کی مہر توڑی اور اسے نوجوان کے حوالے کر دیا:

نوجوان نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔"

جب یہ عرب شاعر تمھارے پاس آئے تو اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دینا پھر اس کو خوب تڑپنے دینا۔"

جب یہ خوب تڑپ لے تو اس کو زندہ دفن کر دینا۔"

متلمس نے طرفہ سے کہا یقیناً تمھارے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا ہوگا لہٰذا تو بھی اپنا صحیفہ اس نوجوان سے پڑھا لے۔"

مگر طرفہ نے انکار کیا اور کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا عمرو میرے ساتھ اتنے برے سلوک کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

تب متلمس نے تو اپنا صحیفہ حیرہ کے دریا میں پھینک دیا اور یہ شعر کہے:

فَذَاقَتْ بِهَا فِی الیَمِّ مِنْ جَنْبِ کَافِرٍ
کَذَالِکَ اَقْنُو کُلَّ قِطٍّ مُضَلِّلٍ
میں نے اس صحیفے کو سمندر کی ایک طرف موجوں میں پھینک دیا ہے اور میں ہر گمراہ کن انعامی دستاویز کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁

رَضِیْتُ لَهَا بِالْمَاءِ لَمَّا رَاَیْتُهَا
یَجُوْلُ بِهَا التَّیَّارُ فِیْ کُلِّ جَدْوَلٍ
جب میں نے اسے دیکھا تو میں اسے پانی میں پھینکنے پر راضی ہو گیا اور موجیں اسے لیے ہوئے بل کھا رہی تھیں۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁

اس کے بعد متلمس تو ہشام کے پاس چلا گیا مگر طرفہ اس کے سمجھانے کے باوجود بحرین کے گورنر کے پاس جا پہنچا اس نے عمرو کا صحیفہ اسے دیا اور انعام واکرام کا انتظار کرنے لگا تب گورنر نے اپنے کارندوں کے کان میں کچھ کہا اور انھوں نے طرفہ کے قریب آ کر اس کو جکڑ لیا اس کے بعد انھوں نے تیز دھار آلے سے اس کی الکحلان کی رگیں کاٹ دیں جن سے خون بہہ بہہ کر اس کے ارد گرد کو سرخ کر رہا تھا حتیٰ کہ اس کا سارا خون بہہ گیا اور وہ مر گیا۔ تاہم مرنے سے پہلے جو شعر اس زبان پہ تھے مورخین نے اسے محفوظ رکھا جو پیش خدمت ہیں۔''

اَبَا مُنْذِرٍ اَنَسْتُ غُرُوْراً صَحِیْفَتِیْ
وَلَمْ اُعْطِکُمْ بِالطَّوْعِ مَالِیْ وَلَا عِرْضِیْ
اے ابو منذر میرا صحیفہ تو ایک دھوکہ تھا مگر میں نے اپنی مرضی سے تو اپنا مال اور اپنی عزت تمھیں

نہیں دی تھی۔“

اَبَا مُنْذِرٍ اَفْنَیْتَ فَاسْتَبْقِ بَعْضَنَا
حَنَانَیْکَ بَعْضُ الشَّرِّ اَھْوَنُ مِنْ بَعْض

اے ابومنذر: تو نے ہمیں فنا کر دیا ہے کچھ لوگوں کو تو زندہ رہنے دو اور مہربانی پہ مہربانی کیے جاؤ
کیونکہ بعض شر بعض دوسرے شر کے مقابلے میں کم تر ہوتے ہیں۔“

پھر جب عربوں کے ہاں اسلوب تحریر کسی حد تک پختہ ہوا تو ان کے ہاں خط وخطابت کے اصول بدل گئے اور اب وہ اپنے مکتوب کا آغاز اپنے جھوٹے خداؤں کے نام سے کرنے لگے۔ چنانچہ وہ اپنے خطوں کا آغاز لات اور عزی کے نام سے کرتے اور اس کے بعد اپنا مقصد بیان کرتے۔ امام صولی نے **”ادب الکتاب“** میں لکھا ہے کہ عہدِ جاہلیت میں قریش اپنے وثیقہ کا آغاز ”باسمک اللّٰھم“ سے کیا کرتے تھے پھر اسلام کا دور آیا تو ابتداء میں نبی اکرم ﷺ بھی اپنے مکتوب میں یہی الفاظ لکھا کرتے تھے پھر سورۃ ہود کی یہ آیت نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىھَا وَمُرْسٰھَا

اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا دونوں اللہ کے نام کے ساتھ ہیں

تب نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اب ان کے مکتوب کے آغاز میں بسم اللہ لکھا جائے اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل ہوئیں۔“

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو نام بھی تم پکارو گے تو اللہ کے سب نام اچھے ہیں۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ اپنے خطوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن لکھنا شروع کر دیا تا آنکہ سورۃ نمل کی یہ آیت نازل ہوئی۔“

اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرَّحِیْمِ O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”یہ چھٹی سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع کی گئی ہے۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چنانچہ اب مسلمانوں نے اپنے خط کا آغاز بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے کرنا شروع کیا اور پھر ان کے اس اسلوب میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور آج پندرہ سو سال بعد بھی جب کوئی مسلمان اپنی کسی تحریر کا آغاز کرتا ہے تو وہ انھیں مبارک الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ مورخین میں سے امام صولی کے علاوہ امام مسعودی اور الکلبی نے بھی عربوں کی کتابت کے مراحل کو کچھ اسی انداز سے بیان کیا ہے۔ امام کلبی نے لکھا ہے کہ اہل قریش ابتدا میں اپنی تحریر کا آغاز بسمک الھم سے کیا کرتے اور جس شخص نے سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال کیا وہ امیہ بن ابی صلت الثقفی تھا۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے امام موصوف نے ایک طویل قصہ بیان کیا ہے جس کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کر رہے ہیں اور ان میں سے بعض وہ لوگ تھے

جو بسم اللہ کے بعد " **مِن فُلانٍ الی فلان** "لکھا کرتے تھے پھر سلام لکھتے پھر اُمّا بعد لاتے اور اس کے بعد نہایت مختصر عبارت میں اپنا مفہوم بیان کرتے اس طرز کی ابتدا کس نے کی اس میں اختلاف ہے امام صولی نے اس اختلاف سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے ان کے علاوہ ابو حاتم نے المعمرین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عربوں سے قس بن ساعدہ پہلا شخص تھا جو اہل جاہلیت میں سب سے پہلے قیامت پہ ایمان لایا اور یہی ان کا پہلا شخص تھا جس نے اما بعد کہا اور یہی ان کا پہلا شخص تھا جس نے اپنے عصا پہ ٹیک لگا کے خطبہ دیا اور اسی نے سب سے پہلے الی فلاں بن فلاں لکھا، تاہم امام صولی نے ابو حاتم کی اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ عربوں کا پہلا شخص جس نے اما بعد کہا وہ کعب بن لوئی تھا۔ چنانچہ عربوں کا ایک شاعر کہتا ہے کہ:

بِاسْمِ الَّذِی اُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِہِ السُّوَرُ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَمَّا بَعْدُ یا عُمَرُ

میں اس خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کی طرف سے سورتیں نازل ہوئیں اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے حمد باری کے بعد اے عمر:

❁❁❁❁❁❁❁❁

فَاِنْ رَضِیْتَ بِمَا تَاتِیْ وَمَا تَذَرُ
فَکُنْ عَلٰی حذَرٍ قَدْ یَنْفَعُ الْحَذَرُ

اگر تو اپنے افعال پر جو تو کرتا ہے اور ان فعال پر جن کو تو ترک کر دیتا ہے خوش ہے تو ہوشیار رہ کیونکہ ہوشیار رہنے ہی میں فائدہ ہوتا ہے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

عہدِ جاہلیت میں عربوں کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کوئی چٹھی نثر میں لکھتے تو اس میں سجع کا التزام نہ کرتے

بلکہ کلام کو آزاد چھوڑ دیتے ۔کاہنوں کے سوا عربوں میں کوئی بھی سجع کا التزام نہ کرتا تھا۔عام عرب تو خطبوں اور وصیتوں میں بھی بہت کم سجع کو استعمال کرتے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب اپنی فطرت کے موافق آسان چیز کی طرف مائل ہوتے اور ہر وہ فعل یا قول جس میں تکلف پایا جاتا ہو اس سے نفرت کرتے۔چونکہ سجع کے الفاظ میں تکلف پایا جاتا ہے اس لیے طبائع اس سے نفرت کرتی ہیں اور کان اسے ناپسند کرتے ہیں ۔اہل عرب کے ہاں جس قدر سجع پسند کیا جاتا اس کی مقدار بس اسی قدر ہے جس قدر کہ منقش کپڑے پہ نقش ونگار یا چہرے پہ خال۔یاد رہے کہ اگر کسی چہرے پہ ایک آدھ خال تو وہ اس کا حسن تصور کیا جائے گا اور اگر خال زیادہ ہو جائیں وہ قبائح میں شامل ہو جائے گا اور حسن کی تمام رونق کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کو جو خط ارسال کیا اس کو قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

”شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے سلیمانؑ بن داوٗدؑ کی طرف سے ذی شرح کی بیٹی بلقیس اور اس کی قوم کی طرف میرا پیغام یہ ہے کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

جب یہ چٹھی ملکہ بلقیس کے پاس پہنچی اور وہ اس کے مضمون پہ مطلع ہوئی تو اس نے اس چٹھی کو کریم کہا کیونکہ اس پر مہر لگی ہوئی تھی اور حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

”چھٹی کی بزرگی یہی ہے کہ اس پہ مہر لگی ہو ئی ہو“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابن المقفع سے مروی ہے کہ جس نے اپنے بھائی کی طرف کوئی خط لکھا اور اس پہ اپنی مہر نہیں لگائی تو سمجھ لو کہ اس نے اپنے بھائی کو حقیر جانا ہے۔ خط وخطابت میں عربوں کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے خط پہ مہر لگاتے ۔چنانچہ بادشاہوں اور دیگر لوگوں کی طرف جو خطوط نبی اکرم ﷺ نے ارسال فرمائے وہ بھی اسی طرز پہ تھے۔ پھر صدر اول اور صدر ثانی کے لوگوں کا بھی یہی اسلوب رہا اور اسی طرح چلتا آیا تا آنکہ یہ طرز بدل گیا اور پر تکلف الفاظ اور طریقوں نے اس کی جگہ لے لی جن سے طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ جیسا کہ انشاء کی کتابوں میں مذکور ہے اور عربوں کا طریقہ کس قدر سادہ آسان شریں اور لطیف تھا۔ بعض عرب خاص طور پہ نجد کے رہنے والے آج بھی اپنے اسلاف کے طریقے پہ کار بند ہیں۔ امام صولی نے ” **ادب الکتاب** “میں عربوں کے علوم وفنون سے بحث کرتے ہوئے ان کی خط و کتابت اور مراسلت میں متاخرین کی عادات کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے ان کے بہت سے پہلوؤں پہ روشنی ڈالی ہے۔

بشمول اس کے کہ وہ لوگ اپنے بادشاہوں سے کس طرح مخاطب ہوتے تھے اور بادشاہ اپنی رعایا کو کس طرح خطاب کرتے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ ایک دوسرے سے کس طرح مخاطب ہوتے تھے وغیرہ۔ اس نے ان کے شاہی فیصلے ،شاہی منشور، سندیں، عہد نامے، تقرر نامے اور ان کے قاضیوں کے فیصلوں کو بھی درج کیا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے ایک الگ باب عربوں کی خط وخطابت کے بارے میں باندھا ہے اور عربوں کی ان عادات رسومات اور طریقوں کا ذکر بھی کیا جس کے وہ ان زمانوں میں پابند تھے۔ عربوں کے ان طریقوں سے کچھ تو آج تک بھی باقی ہیں مثلاً کاغذ کے حاشیے سے بسم اللہ کی ابتدا کرنا، پھر اس کے نیچے سلام لکھنا اور اس کے بعد دعائیہ کلمات تحریر کرنا اور اس کا اختتام بھی دعائیہ کلام سے کرنا اور یہ وہ طریقے ہیں جو بڑے بڑے اسلامی کاتبوں کے ہاں صدیوں مروّج رہے اور بغیر کسی بڑی تبدیلی کے آج تک مروّج ہیں۔ اردو زبان میں عربی کے یہ تمام اسلوب بعینہٖ ہی منتقل ہوئے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ آج ہم کو لکھنے اور پڑھنے کے لیے جو وسائل دستیاب ہیں عربوں کے عہد میں اس کا کوئی تصور موجود نہ تھا اور وہ

سفید کاغذ جو آج ہم تحریر کے لیے استعمال کرتے ہیں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔عربوں کا ہاں کاغذ ۱۲۰ھ میں نمودار ہوا۔ایک معروف قول کے مطابق اس کے موجد بھی عرب ہی ہیں اگرچہ اس ضمن میں دوسرے کئی اقوال بھی موجود ہیں۔چنانچہ اس زمانے میں ہر وہ چیز جس پہ لکھا جاسکے ان کے نزدیک کاغذ تھی۔وہ کھجور کے خشک پتوں، درختوں کی پتلی جھلی جانوروں کی بڑی ہڈیوں، کپڑے اور خشک چمڑے پہ لکھا کرتے تھے اور یہی بالعموم ان کا کاغذ ہوتا۔ ابتدائے اسلام میں ان کا اسلوب یہی تھا چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالطُّوْرِ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

"قسم ہے طور اور پھیلائی ہوئی جھلی پر لکھی ہوئی کتاب کی"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اس کے علاوہ قرآن حکیم میں قرطاس، مھرق، صحیفہ، صحف اور اسفار کا ذکر بھی اسی ضمن میں آیا ہے جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ عرب قرطاس کو جانتے تھے اور اس کا ان کے یہاں عام استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب ان کا کوئی ڈیرہ ویران ہوتا اور اس پہ تند ہوائیں چلتی اور وہ زمین بن جاتا تو اسے مھرق سے تشبیہ دیتے۔چنانچہ عربوں کے مشہور شاعر اعشیٰ نے اس تشبیہ کو اپنے اشعار میں یوں استعمال کیا ہے۔"

سَلَا دَارَ لَيْلَىٰ هلْ تُبِيْنُ فتَنْطِق

وَاَنّٰى تَرُدُّ القَوْلَ بَيْضَاءُ سملق

لیلی کے گھر سے پوچھو کیا یہ وضاحت کرے گا کیا یہ بولے گا بھلا کوئی سفید چٹیل میدان کیسے بول سکتا ہے۔"

وَاَنّٰی تَرُدُّ الْقَوْلَ دَارٌ کَاَنَّھَا
لِطُوْلِ بِلاَھَا وَالتَّقَادُمِ مُھْرَقُ

وہ گھربات کا جواب کیسے دے سکتا ہے جوایک عرصے سے بوسیدہ ہو پرانا ہوجانے کی وجہ سے کسی کاغذ کی طرح معلوم ہورہا ہو۔''

عربوں کے ایک اور شاعر ابونواس نے قرطاس کو سفید اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ :

یَقَقٌ کَقِرْطَاسِ الْوَلِیْدِ ھِجَانُ
اونٹنی کے یہ بچے کاغذ کی طرح سفید اور اصیل ہیں

فِیْ یَدَیْہِ مِنَ الْقَرَاطِیْسِ کَالْمُزْ
نِ جَادَتْ بِوَاکِفٍ مِدْرَارٍ

اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذ ہیں جو اس بادل کی طرح ہیں جو موسلا دھار بارش برسائے۔''

کَالْمُلاَءِ الرَّحِیْضِ کَالْبِیْضِ بِیْضِ
الْھِنْدِ کَالْبَیْضِ کَالْمِیَاءِ الْجَوَارِیْ

یا وہ دھلی ہوئی دو تہی چادر کی طرح سفید ہے اور تلواروں یعنی ہندی تلواروں کی طرح ہے یا انڈے کی طرح ہے (مراد اس کا سفید رنگ ہے) یا جاری پانیوں کی طرح ہے۔''

كَالسَّرَابِ الزَّقْرَاقِ فِیْ عُفْوَانِ
الصَّیْفِ نِصْفَ النَّهَارِ فِیْ اَیَّار

یا یہ اس سراب کی طرح ہے جو مئی کے مہینے میں ابتدائے موسم گرما میں دوپہر کے وقت متحرک ہو۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

مَا تُبَالِی اَجَلْتَ عَیْنَکَ فِیْہِ
حِیْنَ یُطْوَی اَمْ فِی خُصُورِ الْعَذَارِیْ

اور جب اس کاغذ کو لپیٹا جاتا ہے تو تجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو اس کاغذ پر نظر دوڑا رہا ہے یا کنواری لڑکیوں کی کمر کو دیکھ رہا ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

یَسْبَحُ الْخَطُّ فِیْہِ عَفْوًا فَمَا
یَکْبُوْ بِوَعْثٍ فِیہ ولا بِخَبَار

اور اس کاغذ پہ تحریر خود بخود تیر رہی ہوتی ہے وہ نہ اس کاغذ کی دشوار گزار جگہ پر اور نہ نرم جگہ پر ٹھوکر کھاتی ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

علوم العرب کے ضمن میں اب ہم عربوں کے اُن قدیم ملاحوں کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے اول اول عربوں میں سمندری سفر کو رواج دیا جو بعد میں دنیا سے اُن کے تجارتی روابط کا باعث بنا۔

عربوں کی جہاز رانی

یاد رہے کہ عرب ایک جزیرہ نما ہے جس کے تین اطراف میں پانی ہے اور سمندروں نے اس خطہ زمین کو کسی قوس کی طرح گھیر رکھا ہے۔ اس لیے یہ ایک یقینی امر ہے کہ عربوں کے لوگ ان ساحلوں پہ بھی آباد تھے جو اس سرزمین سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے بہت سے لوگ بحر قلزم کے ساحل پہ آباد تھے۔ کچھ لوگ جنوب کی طرف کے ساحلوں یعنی بحر ہند کے کناروں پہ آباد تھے جو بحر قلزم سے ملا ہوا ہے اور مشرقی جانب خلیج فارس پہ بھی ان کی آبادیاں موجود تھیں جو بحر ہند سے شروع ہو کر شمال کی طرف بحرین کے علاقے تک چلی گئیں تھیں۔ عربوں کے ان ساحلوں پہ ان کے بہت سے ملک آباد تھے اور اب بھی آباد ہیں۔ مگر اس زمانے میں جس کا تذکرہ یہاں مقصود ہے عربوں کی متمدن آبادیوں میں یمن، حجاز، عمان اور بحرین وغیرہ شامل ہیں جن کی تفصیل بہت زیادہ ہے مگر یہ امر مسلمہ ہے کہ ان ملکوں کے رہنے والے سب لوگ عرب تھے اور ان کے تجارتی روابط دور دور تک پھیلے ہوئے ممالک کے ساتھ موجود تھے جن میں حبشہ، روم ہند اور دیگر ممالک کی تجارتی منڈیاں شامل تھیں۔ بلکہ بعض مورخین کے مطابق تو اہل عرب کی تجارت مصر سے

لے کر چین کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ لہٰذا عربوں کا شمار ان لوگوں میں کیا جاسکتا ہے جن میں بحری سفر مروّج تھے جس کے نتیجے میں لازم تھا کہ وہ سمندر کے سفر اور اس سفر کے ساتھ منسلک مشکلات اور ضروریات سے آگاہ ہوں۔ نیز ان امور کو کام میں لانا جانتے ہوں جو سمندروں کے سفر میں مدد دے سکیں اور ان فنون سے آگاہ ہوں جن کا تعلق جہاز رانی سے تھا۔

چنانچہ مورخین نے اس امر پہ لمبی بحثیں کی ہیں اور قرآن وحدیث بھی اس تذکرے سے خالی نہیں۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ عرب سمندر کا سفر کیا کرتے تھے اور جہاز انھیں لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ سفر بحر کی ایک کیفیت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔"

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ O

القرآن الحکیم (سورۃ نور ۲۴/ آیات ۴۰)

ترجمہ:

"یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں اور چھا رہی ہوتی ہے اس پہ موج اس کے اوپر موج اور اس کے اوپر بادل (تہہ در تہہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔"

احادیث پاک میں بھی ایسا ذکر موجود ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عرب جہاز رانی کا علم رکھتے تھے اور سمندری سفر کے ماہر تھے۔ دورِ جاہلیت کے شعرا کے ہاں بھی اس امر کا بسیط تذکرہ پایا جاتا ہے جس سے امرِ مذکور پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ عربوں کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے کہ:

مَلَائْنَا الْبَرَّ حَتّٰی ضَاقَ عَنَّا
وَمَاءُ الْبَحْرِ نَعْلَاُہٗ سَفِیْنًا

ہم نے خشکی کو بھر دیا ہے یہاں تک کہ یہ ہماری وجہ سے تنگ ہوگئی اب ہم سمندر کو کشتیوں سے بھر رہے ہیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

اِذَا بَلَغَ الْفِطَامَ لَنَا صَبِیٌّ
تَخِرُّ لَہٗ الْجَبَابِرُ سَاجِدِیْنَا

اور جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو بڑے بڑے جابر بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور طرفہ بن العبد کے شعر ہیں کہ:

کَاَنَّ حُدُوْجَ الْمَالِکِیَّۃِ غُدْوَۃً
خَلَایَا سَفِیْنٍ بِالنَّوَاصِفِ مِنْ دَدِ

صبح کے وقت قبیلہ مالک کے ہودے یوں معلوم ہو رہے تھے جیسے وادیٔ دد کے کھلے میدان میں بڑی بڑی کشتیاں آ گئی ہوں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁

عَدَوْلِيَةٌ اَوْ مَنْ سَفِيْنِ ابْنِ يَا مِنْ
يَجُوْرُ بِهَا المَلاَّحُ طَوْرًا وَيَهْتَدِىْ

یہ عدولی کشتیاں ہیں یا ابن یامن کی بنائی ہوئی ہیں جنھیں لے کر ملاح کبھی راستے سے ہٹ جاتا ہےاور کبھی سیدھے راستے پر چلتا ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

يَشُقُّ حُبَابَ المَاءِ حَيْزُوْمُهَا بِهَا
كَمَا قَسَّمَ التُّرْبَ المُفَايِلُ بِالْيَدِ

اور ان کشتیوں کا سینہ پانی کی موجوں کو سمندروں میں اس طرح چیرتا ہے جس طرح مٹی ڈھیروں کے ساتھ کھیلنے والا پھرتی سے ہاتھوں کو تقسیم کرتا ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

مُعَبَّدَةُ السَّفَائِنِ ذَاتُ دُسْرٍ
مُضَبَّرَةٌ جَوَانِبُهَا رِدَاحٌ

اوراس کے تختوں پر تارکول لگا ہوا ہے اور یہ میخوں والی کشتی ہے اوراس کے اطراف سب اکھٹے ہوئے ہیں اور یہ وسیع ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

يَكُبُّ الخَلِيَّةَ ذَاتَ القِلَاعِ
وَقَدْ كَادَ جُوْجُؤُهَا يَنْحَطِمُ

یہ بادبانوں والی بڑی کشتی کو اوندھے منہ گرادیتا ہے جب کہ اس کا سینہ ٹوٹنے کو ہوتا ہے۔“

❁❁❁❁❁❁❁❁

وَجَا رِیَۃٍ قَعَدتُّ عَلٰی صَلَاھَا

اُدَارِیُ صَدْرَھَا بِالقَیْقَلَانِ

میں کشتی کی پشت کے درمیان بیٹھا تھا اور میں اس کے سینے کو ایک لکڑی کے ساتھ دھکیل رہا تھا۔“

❂❂❂❂❂❂❂❂

مِثْلُ الفُرَاتِیِّ اِذَا مَا طَمَا

یَقْذِفُ بِالبُوْصِیِّ والمَاھِرِ

فرات کے پانی کی طرح کہ جب پانی چڑھ جاتا ہے تو کشتی اور ماہر تیراک کو بھی دے مارتا ہے [*59]۔“

❂❂❂❂❂❂❂❂

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے جہاز رانی کا علم ایک وسیع علم ہے جو بہت سی باتیں جاننے پر موقوف ہے۔جن میں سمندروں کے مزاج سے ہم آہنگی کا ہونا سرفہرست ہے اور یہ کہ انسان کو سمتوں کے جاننے کا مکمل ادراک حاصل ہو، وہ ستاروں کے مقام کا تعین کرنا جانتا ہوتا کہ وہ اپنی منزل کی جانب رواں رہ سکے۔مورخین نے بیان ہے کیا کہ عرب ماہر جہاز راں تھے اور لوگ دور دراز کی مہموں پر روانہ ہونے کے لیے ان سے معاونت حاصل کرتے رہے ہیں اس لیے بہت سے عرب ان سمندری راستوں سے آگاہ تھے جن کا علم کم لوگوں کو تھا۔اس کے علاوہ وہ سمندر کے اندر ابھرے ہوئے جزیروں اور ہواؤں کی سمتوں کا بھی وافر علم رکھتے تھے جس کی بنا پہ ان کو بہترین جہاز راں قرار دیا جاسکتا ہے۔وہ سمندروں کے ان دور دراز مقامات سے بھی آگاہ تھے جس کی راہنمائی میں انسان دور دراز کی بندرگاہوں تک سفر کرنے پہ قدرت حاصل کرتا ہے۔اس کے علاوہ وہ بارش برسانے والی ہواؤں اور اپنے جلو میں طوفان چھپانے والی ہواؤں کے مزاج

سے بھی خوب واقف تھے۔ان کی بحری تجارت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اس کے ساتھ ساتھ وہ کشتی سازی کے فن میں بھی مشتاق تھے۔چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ اس ضمن میں لکھتا ہے کہ اہل عرب علم ہندسہ سے پوری طرح واقف تھے جس کو کشتی بنانے کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔کشتی کا ڈھانچہ مچھلی کے پیٹ کی شکل کا بنایا جاتا ہے تا کہ وہ پانی کو آسانی سے کاٹ سکے۔تاہم ابن خلدونؒ نے کہا کہ ظاہر بات ہے کہ بعد کے زمانوں میں اس صنعت نے بہت ترقی کی اور حیرت انگیز جہاز بنائے۔اہل عرب جب دورِ جاہلیت میں اپنی زندگیاں بسر کررہے تھے اس وقت بھی جہاز رانی کی صنعت اس حد تک بہر حال متمدن ہوچکی تھی جس کی بنا پہ وہ دور دراز ملکوں کا سفر کرنے پہ قدرت رکھ سکتے تھے۔اسلام آنے کے بعد بھی عربوں نے بہت سے بحری سفر کیے ہیں اور دور دور تک اسلام کے پیغام کو پہنچایا ہے۔قبط نما جس سے سمندر میں جہاز راں سمتوں کا تعین کرتے ہیں عربوں ہی کی ایجاد ہے جس سے اس بات کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ عرب قدیم زمانوں ہی سے سمندری سفر کے طریقوں سے آگاہ تھے اور جہاز رانی کے فن سے بھی آشنا تھے۔

ابر کا علم

چونکہ عرب زمانہ جاہلیت میں تنگی کی زندگی بسر کرتے تھےاور ضروریات زندگی کی افراط نہ تھی جس کی وجہ سے وہ ایسے مقامات کی طرف سفر جاری رکھتے جہاں بارش ہوتی ہو۔خاص طور پہ ان کو پانی کی کمی کا سامنا تھا۔اس لیے کہ عرب بھر میں نہ کوئی نہر تھی اور نہ کوئی دریا۔چنانچہ آسمان سے برسنے والی بارش کے نعمتِ عظمیٰ ہونے کا احساس ان کے ہاں شدت سے پایا جاتا تھا۔وہ ان وادیوں اور مقامات کی تلاش میں رہتے جہاں گھنے درخت اور پانی کے چشمے ہوں تاکہ وہ زندگی گزارنے کے لیے آسانی حاصل کرسکیں اور ضروریات کو پورا کرسکیں،اپنی خوراک کی چیزوں کو تلاش کرسکیں اوران چیزوں کوتلاش کرسکیں جوان کے چوپائیوں کے لیے خوراک کا کام دے سکیں۔اس لیے سرسبز اور وسیع چراگاہیں ایک ایسا خواب تھیں جن کی تلاش میں اہل عرب رواں رہا کرتے۔خطہ عرب کی جغرافیائی شدت ان کے ہاں اکثر قحط کی صورت حال کو جنم دیتی جس کی وجہ سے ان لوگوں کو خوراک کی ضروریات کی فراہمی کے لیے سرسبز و شاداب وادیوں کی تلاش میں نکلنا پڑتا اور اسی سے ان کے اندر خوئے بادیہ نشینی نے رواج پایا۔چنانچہ اپنے مقصود اور مطلوب کو

حاصل کرنے کی علامات کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ان کی گردنیں اکثر وبیشتر آسمان کی طرف اٹھی رہتیں ۔اس لیے انھیں ان سچے انواء کی یعنی بارش برسانے والے ابر و ہوا کی پوری طرح پہچان تھی اور اس ضمن میں اِن کا اندازہ کم ہی غلط ہوتا تھا۔لہٰذا انھوں نے بارش برسانے والے اور نہ برسانے والے بادل کو خوب اچھی طرح پہچانا اور بارش برسانے والی بجلی اور بارش نہ برسانے والی بجلی میں خوب امتیاز کیا۔انھوں نے بارش برسانے والے بادل کے تمام اوصاف کا ذکر کیا ہے اور وہ اپنی ہواؤں اور ان کے خواص سے بھی پوری طرح آ گاہ تھے۔ بغیر کسی آلے کی مدد سے کہ وہ تو کئی صدیوں بعد ایجاد ہوئے انھوں نے اِن حادثات کو معلوم کیا جو ان کے زمانے میں وقوع پذیر ہونے والے تھے یا ان کے بعد نمودار ہوئے اور انھوں نے ان واقعات کو ان علامات سے جانا جو ان کے لیے ظاہر تھیں مگر اوروں سے مخفی تھیں اور ان علامات کو جاننے میں ان کا چھوٹا بڑا مرد اور عورت سب برابر تھے۔چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ”**الاغانی**“ میں اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ؛

ایک دفعہ ایک نابینا بدوی بکریاں چرانے نکلا اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ اس کی کم عمر چچازاد بہن بھی تھی۔

بوڑھے نے اس سے کہا:

مجھے تو قریب سے ہی بادِ نسیم کی بو آ رہی ہے ذرا سر اٹھا کر دیکھنا تو۔

بہن نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

میں یوں دیکھ رہی ہوں جیسے یہ کوئی دبلی بکریوں کا ریوڑ ہو۔

بوڑھے نے اس سے کہا۔ چرائے جا اور محتاط رہ:

پھر چند ساعتوں کے بعد بوڑھے نے کہا میں محسوس کر رہا ہوں کہ بادِ نسیم قریب آ رہی ہے۔“

ذرا سر اٹھا کر دیکھنا تو۔

لڑکی نے جواب دیا۔“

میں ان بادلوں کو اس طرح دیکھ رہی ہوں جیسے سیاہ خچر اپنی جھولیں کھینچ رہے ہوں۔

بوڑھے نے لڑکی سے کہا چرائے جا مگر محتاط رہ۔

پھر کچھ وقت گزرا تو بوڑھے نے کہا؛

میں محسوس کرتا ہوں کہ بادل اور قریب آ گئے ہیں ذرا دیکھ تو سہی:

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا؛

میں دیکھ رہی ہوں کہ جیسے یہ سرخی رنگ مٹیالے رنگ کے گدھے کا پیٹ ہو۔

چرائی جا اور محتاط رہ۔ بوڑھے نے کہا؛

پھر دن کا کچھ وقت اور گزرا تو بوڑھے نے کہا؛

میں محسوس کر رہا ہوں کہ بادل بہت قریب آ چکے ہیں تو کیا کہتی ہے؟

لڑکی نے کہا؛

میں انھیں ایسا دیکھ رہی ہوں جیسا کسی شاعر نے کہا تھا کہ؛

دَانٍ مُسِفٌّ فُوَیْقَ الْاَرْضِ هَیْدَبُہٗ
بَکَادُ یَدْفَعُہٗ مَنْ قَسْامَ بِالرُّاحٗ

یہ بادل قریب ہے زمین سے قریب ہے اور جو بادل لٹک رہا ہے وہ زمین سے تھوڑا ہی اونچا ہے کہ ایک کھڑا آدمی اسے اپنی ہتھیلی سے دھکیل سکتا ہے۔

كَاَنّمَا بَیْنَ اَعْلَاہُ وَاَسْفَلِہٖ
رَیْطٌ مُنَشّرَةٌ اَوْضَوْءُ مِصْبَاحٖ

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بالائی اور زیریں حصے کے درمیان ایک چادر پھیلائی ہوئی ہے یا یہ چراغ کی روشنی ہے۔"

فَمَنْ بِمَحْفَلِهٖ كَمَنْ بِخَبْوَتِهٖ
وَالْمُسْتَكِنُّ كَمَنْ يَمْشِيْ بِقِرْوَاحٍ

چنانچہ جو اس کے پانی کے بیشتر حصے کے بہنے کی جگہ پہ ہیں اور وہ جو اس سے بچے ہوئے ہیں سب برابر ہیں اور جو کہیں چھپا ہوا ہے وہ بھی اس شخص کی طرح ہے جو کھلی فضا میں ہو یعنی بارش اس زور کی ہے کہ اس سے کہیں جائے پناہ نہیں۔"

بوڑھا غور سے لڑکی کی بات سنتا رہا۔

اور جب لڑکی نے بات ختم کی تو اس نے کہا؛

تیرا باپ نہ رہے بھاگ۔

اور ابھی بوڑھے اور اس کی بہن نے سایہ میں پناہ بھی نہ لی تھی کہ بادل زور سے برسنے لگا اور ایسا برسا کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔"

ان کے اشعار اور ان کی نثر میں اس امر کے شواہد پائے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کا کلام اتنا بسیط اور وافر ہے جس کا احاطہ کرنا کسی طور بھی ممکن نہیں اس لیے ہم صرف چند شعروں پہ اکتفاء کریں گے۔"

بِهَجْلٍ مِنْ قَساً ذَفِرِ الْخُزَامیٰ
تَهَادَى الْجِرْبِيَاءُ بِهٖ الْحَنِيْنَا

اور قساء کی پست زمین میں خزامی بوٹی کی خوشبو کو ہوائیں بڑے شوق سے اِدھر اُدھر لے جا رہی ہے۔"

اور عربوں کا مشہور شاعر امرؤالقیس کہتا ہے کہ:

اَصَاحِ تَرَی بَرْقاً اُرِیْک وَ مِیْضَه
کَلَمْعِ الیَدَیْنِ فِیْ حَسِبِّی مُکَلَّل

اے دوست: کیا تجھے بجلی دکھائی دیتی ہے میں تجھے تو بر تو اور آسمان پر چھائے ہوئے بادل میں اس کی چمک ایسے دکھاؤں جس طرح دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور عربوں کا شاعر تابط شرا کہتا ہے کہ:

وَلَسْتَ بِجُلْبِ جُلْبِ رِیْحٍ وقِرَّة
وَلَا بِصَفَا صَلْدٍ عَنِ الخَیْرِ مَعْزِلٍ

تو اس بادل کی طرح بے فیض نہیں ہے جس میں پانی نہ ہو اور اس میں ہوا اور سردی ہو اور نہ ہی تو اس ٹھوس پتھر کی طرح ہے جو ہر بھلائی سے یکسو رہتا ہو۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور عربوں کا سردار شاعر ابن لبید کہتا ہے کہ:

مِنْ کُلِّ سَارِیَةٍ وَغَادٍ مُدْجِنٍ
وَ هَشِیَّةٍ مُتَجَاوِبٍ اِزَا مُهَا

یہ سب یا شام کے وقت بارش برسانے والے ہیں یا صبح کے وقت کثرت سے برسنے والے ہیں اور سیاہ رات تھی جس کی آواز ایک دوسرے کو جواب دے رہی تھی۔''

❁❁❁❁❁❁❁❁

اور عربوں کا ایک اور شاعر کہتا ہے کہ:

سَقَی هَزِمُ الارْعَادِ مُنْبَجِسُ العُرٰی
مَنَا زِلَهَا مِنْ مَسْرُقَانَ فَسُرَّقَا

خدا اس محبوبہ کے گھروں کو جو مسرقان سے سرقا تک ہیں زور سے گرجنے والے اور زور سے برسنے والے بادلوں سے سیراب کردے۔

❂❂❂❂❂❂❂❂

تَفَقَّا فَوْقَهُ القَلَعُ السَّوَارِیْ
وَجُنَّ الخَازِبَازُ بِهٖ جُنُونَا

اس زمین کے اوپر رات کو برسنے والے بادلوں کے عظیم ٹکڑے پانی برساتے رہے اور مکھی یہاں بڑے سرور کے عالم میں مترنم رہی۔''

❂❂❂❂❂❂❂❂

تَرَی عُصَبَ القَطَا هَمَلاً عَلَيْهَا
كَاِنَّ رِعَالَهُ قَزَعُ الجَهَامٖ

تو دیکھے گا کہ بھٹ تیتروں کے جھنڈ کے جھنڈ وہاں کھلے آزادی سے پھر رہے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جماعتیں اس بادل کے ٹکڑے ہیں جس نے اپنا پانی بہادیا ہو۔''

❂❂❂❂❂❂❂❂

جَارَتَنَا مِنْ وَائِلٍ أَلَا اسْلَمِي

أَلَا اسْلَمِي أُسْقِيتِ صَوْبَ الدِّيَمِ

اے قبیلہ وائل کی پڑوسن تم سلامت رہو: اور خدا تمہیں مسلسل برسنے والی بارش سے سیراب کرے۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

صَوْبَ رَبِيعٍ بَاكِرٍ لَمْ يَنَمِ

يَرْزُرُ رَزًّا مِنْ وَّرَاءِ الْأَكَمِ

یہ موسم ربیع کی جلدی سے آنے والی بارش ہو جو تھمے نہیں اور ٹیلوں کے پیچھے سے گڑگڑاہٹ پیدا کر رہی ہو۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

رَزَّ الرَّوَايَا بِالْمَزَادِ الْمُعْصَمِ

کہ جس طرح پانی لے جانے والے اونٹ اس مشکیزے سے گڑگڑاہٹ پیدا کرتے ہیں جس کے منہ پہ تسمہ بندھا ہوا ہو[59*]۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

ان کی نثر میں بھی ابر و ہوا کا طویل تذکرہ پایا جاتا ہے جو لوگوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فصاحتِ گفتار، فصاحت زبان، شریں بیانی اور قادر الکلامی کا وسیع حصہ عطا کر رکھا تھا۔ ہم ان کے بسیط تذکروں سے محض چند منتخب اقتباسات پیش کریں گے۔ چنانچہ علامہ ابن درید نے اپنی جلیل القدر کتاب " **المطر و السحاب** "، میں بارش اور بادلوں کے بارے میں وہ تمام بیان جمع کر دیئے ہیں جن کا ذکر عربوں نے دورِ جاہلیت اور عہدِ اسلام میں کیا ہے۔ نیز خطہ

عرب کی ان زرخیز وادیوں کا ذکر بھی کر دیا ہے جن کی تعریف ان عربوں نے کی ہے جو گھاس اور پانی کی تلاش میں ان وادیوں سے گزرے تھے۔ابوبکر ابن درید نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران کہیں سے بادل کا ایک ٹکڑا آیا۔صحابہؓ نے رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم سے کہا یہ بادل ہے:

رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا؟

تم اس کے نچلے حصے کو کیسا پاتے ہو؟

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ

کیا ہی اچھا ہے اور کیا ہی خوب وقار سے چل رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا؟

تم اس کے درمیانے اور بیشتر حصے کو کیسا پاتے ہو:

صحابہؓ نے عرض کیا:

کیا ہی اچھا ہے اور کس قدر گول ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے اوپر والے حصے کو کیسا پاتے ہو؟

صحابہؓ نے عرض کی:

کیا ہی اچھا ہے اور کس قدر پائیدار ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا: تم اس کی بجلی کو کیسا پاتے ہو؟ کیا یہ ہلکی سی چمک ہے یا کمزور سی بجلی ہے یا خوب پھاڑتی ہے؟

صحابہؓ نے عرض کیا: خوب پھاڑتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے سوال کیا؟

تم اس کے سیاہ حصے کو کیسا پاتے ہو:

صحابہؓ نے عرض کیا:

کیا ہی اچھا ہے اور کس قدر سخت سیاہ ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

بارش ضرور ہوگی:

اوراس روز بہت بارش ہوئی۔

صحابہؓ نے عرض کیا؛ ہم نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں دیکھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

مجھے اس سے کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے کہ قرآن میری زبان یعنی عربی اور واضح زبان میں نازل ہوا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابن درید نے اپنی سند کے ساتھ اصمعی سے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا اور نابینا عرب جس کا نام معقر بن حمار البارقی کا تھا اپنی بیٹی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ اس نے بجلی کی ہلکی سی کڑک سنی تو اپنی بیٹی سے کہا؛

تو کیا دیکھتی ہے؛ اس نے کہا۔

میں دیکھتی ہوں کہ ایک سیاہ بادل ہے جو اپنا پانی بہا چکا ہے جیسے اونٹنی کی وہ جھلی ہو جس میں سے بچہ نکلتا ہے اور اس کی رفتار سست اور سینہ قریب ہے۔

معقر نے کہا؛

چلتی جا فکر کی کوئی بات نہیں۔

کچھ دیر بعد بجلی کی آواز پھر آئی تب بوڑھے نے اپنی بیٹی سے کہا؛

اب تو کیا دیکھ رہی ہے؟

لڑکی نے کہا؛

میں دیکھتی ہوں کہ یہ اس گوشت کی طرح ہے جس کا رنگ پکانے میں بدل چکا ہو چنانچہ اس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے کہ ایک جزو دوسرے جزو کو پکڑے ہوئے ہے اور کچھ حصہ تو ایسا ہے کہ گل کر گرنے کو ہے۔

تب بوڑھے نے اپنی بیٹی سے کہا؛
جلدی کر اور مجھے قفلہ کے کسی خشک درخت کے نیچے لے چل کہ قفلہ کا درخت وہاں اگتا ہے جہاں وہ پانی کے بہاؤ سے بچ سکے۔
چنانچہ نابینا معقر اور اس کی بیٹی بمشکل قفلہ کے ایک درخت کے نیچے پہنچے ہی تھے کہ مہینہ چھاجوں برسنے لگا۔
اسی اصمعی نے اپنی سند کے ساتھ مزید روایت کی ہے کہ اس نے کسی بدوی سے بارش کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا؛
تاریکی کے پھیلتے ہی ایسا بادل اٹھا جو تمام آفاق پہ چھا گیا پھر وہ اوپر کو اٹھا اور مزید اوپر کو اٹھا اس کے بعد اس کے اطراف گھنے ہوتے چلے گئے اس کا درمیانی حصہ کالی گھٹا بن گیا اس کی الگ الگ ٹکڑیاں منتشر ہو گئیں اور اس کی بجلیاں کوندنے لگیں اور بارش سے لبالب بھرے بادل اِدھر اُدھر پھیل گئے اور اس کے وہ حصے جو ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے تھے آپس میں مل گئے اور زمین کی طرف لٹکے ہوئے حصے ڈھیلے ہو گئے اور اس بادل کے پستان پر ہو گئے پچھلے حصے اوپر کو اٹھے اور اطراف کی طرف پھیل گئے پھر کڑک کی آواز آئی اور اس کی بجلی آنکھوں کو چندھیائے دیتی تھی۔ تب اس سے پانی پھوٹا جس نے سوکھے جوہڑوں کو بھر دیا اور قبروں کے بجوؤں کے رہنے کی جگہ کو مٹی گرا کر برابر کر دیا اور پانی اس زور سے برسا کہ پہاڑی بکروں کو گائیوں کے ریوڑ کے ساتھ اور گائیوں کے بچوں کو شتر مرغ کے ساتھ ملا کر رکھ دیا۔ اب وادیوں سے اونٹوں کے بلبلانے کی آواز آنے لگی اور پتھریلی زمینوں سے پانی کے چلنے کی سرسراہٹ گونجنے لگی۔ اس بارش نے نبع کے درخت اور پہاڑی زیتونوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پہاڑوں سے نیچے لا پھینکا۔ چنانچہ پہاڑ کی چوٹیوں پہ صرف وہی درخت باقی رہ گئے جنھوں نے اپنی زمین کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور یہ سب کچھ اپنے گنہگار بندوں پہ اللہ کا وہ فضل تھا جس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اسی طرح اصمعی نے ایک اور روایت میں بیان کیا کہ؛
میں نے عربوں کے قبیلہ غنی کے ایک بدوی کو سنا جو بارش کا ذکر کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ہمارے علاقوں میں سالوں سے خشک سالی کا دور تھا تب اللہ نے اپنی مخلوق پہ رحم کھایا جب کہ امید جاتی رہی

تھی اور نا امیدی نے گھر کر رکھا تھا اور سخت قحط پڑ رہا تھا دم گھٹے جا رہے تھے مویشیوں والا بے مال ہو گیا تھا اور مالدار محتاج، لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے رک گئے تھے اور شریف زادیوں سے خدمت لی گئی۔ تب اللہ نے ایک بادل پیدا کیا جو ڈھیری بن کے اٹھا اور چند لمحوں کے بعد ہی اس کے ٹکڑے پہاڑوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے اور وہ زور سے برسنے والا بادل تھا۔ اس کی بجلیاں چمک رہی تھیں اور رعد اپنے جوبن پہ تھی پھر جو اس نے اپنا پانی بہانا شروع کیا تو رکنے کا نام ہی نہ لیا حتیٰ کہ تین روز گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے رب نے اس بادشمال کو حکم دیا اور اس ڈھیر کو ہم سے اٹھا کر پرے پھینک دیا۔

یہ بادل پھٹا اور منتشر ہو گیا مگر اپنے پیچھے بہت سی حسین یادیں چھوڑ گیا اس نے لوگوں کو زندہ کر دیا اور ناداروں کو مالدار بنا دیا۔ شکر ہے اس خدا کا جس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں اور نہ اس کی تقسیم ختم ہوتی ہے اور نہ اس کا سائل ناکام رہتا ہے اور نہ ہی اس کے عطیے کم ہوتے ہیں۔ اصمعی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ کہتا کہ وہ ایک بدوی کے پاس جا کر اترا جس کا ابوالمکنون نحوی تھا جب کہ وہ اپنے حلقہ درس میں تھا۔ بدوی نے اس سے کچھ مانگا تو اس نے کہا تم تھوڑی دیر ٹھہرو میں دعا مانگ کے فارغ ہو جاؤں اس کے بعد میں نے دعا کی اور وہ دعا بارش کے لیے تھی میں نے کہا:

اے میرے اللہ:

ہم اپنی رحمت کی بارش نازل کر؛

اے میرے اللہ:

جو ہمیں دکھ پہنچانا چاہے تو اس دکھ کو اسی کے گرد اس طرح رکھ دے جس طرح ہڈیوں کا ہار بچوں کے سینے کا احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے۔''

اے میرے اللہ:

پھر تو اسے اس طرح راسخ کر دے جس طرح کنکر اصحاب الفیل کے اوپر راسخ ہو گئے تھے۔

اے میرے اللہ:

ہم پہ ایسی بارش برسا جس کے بادل سفید ہوں اور وہ تمام ملک پہ برسے اور ملک میں سرسبزی کرے:

اے میرے اللہ:

وہ بارش مکمل ہو، گرجنے والی ہو، کثرت سے ہو، شور کرنے والی ہو، خوب بہنے والی ہو، بہت پانی والی ہو اور نشیبی زمین کو بھر دینے والی ہو۔"

دُعا کے بعد اس نے نبی اکرم ﷺ پہ درود و سلام بھیجا اور اس بدوی کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ایک طرف کو چل دیا تھا اُس نے اسے آواز دی تو اِس نے کہا میں ابھی جاتا ہوں تم اس بادل کو تو دیکھو جو بہت تیزی میں ہے اور میرے بچے باہر ہی ہیں میں انھیں پہاڑ کی کھو میں محفوظ کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد وہ بدوی تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور اسی سند کے ساتھ اصمعی نے مزید کہا کہ وہ چند بدوی بچوں کے پاس سے گزرا جو ایک جوہڑ میں غوطے لگا رہے تھے تو میں نے ان سے کہا؛

تم میں سے جو بچہ بادل کے اوصاف بیان کرے گا اس کو میں ایک درہم دوں گا۔ وہ سب جوہڑ سے نکل کر میرے پاس آ گئے اور کہنے لگے ہم سب بیان کریں گے، میں نے کہا بیان کرو جس کا بیان مجھے زیادہ پسند آئے گا اس کو میں انعام دوں گا اس پہ ان میں ایک لڑکا آگے بڑھا اور بولا:

کہ شام کے وقت ایک بادل ہمارے روبرو نظر آیا جسے بادِ صبا پیچھے سے ہانک رہی تھی اور بادِ جنوب اسے آگے لیے جارہی تھی اور یہ بادل اپنے بوجھ کی وجہ سے رینگ رینگ کر آگے کو چل رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ریت کے ٹیلے پہ اونٹ چڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اگلا حصہ سیدھا اٹھ گیا اور درمیانی حصہ دبلا ہو گیا اور اس کی آواز بار بار آنے لگی اور اس کی چنگھاڑ نے چمک پیدا کی اور اس کا وجود اوپر کو اٹھا اور اس کے کشادہ حصے ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اور اس کے اضطراب کو دور سے ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس کے عمود او نچے کر دیئے گئے اور اس کی طنابیں ڈھیلی کر دی گئیں۔ تب اس سے لگاتار پانی بہنے لگا بارش زور سے برسنے لگے اور بادل زور سے تڑپنے لگا۔ پھر اس کے مشکیزوں سے پانی بہہ گیا اور اس نے نمناک زمین کو تر کر دیا اور سخت زمین کو نمناک بنا دیا اور خشک ریت کو تو بر تو بنا دیا۔ کھڑے پانی کو ایک دوسرے کے ساتھ متصل کر دیا اور پہاڑی راستے پھٹ کر

گرنے والے ہو گئے اور بہت سے درخت بلندیوں سے بن بلائے مہمان کی طرح چلے آتے تھے جن کی جڑیں بھی ان کے ساتھ شرمندگی کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھیں۔

دوسرے لڑکے نے کہا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اطراف سے بارش برسانے والے بادل دکھائی دیئے جو دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کی طرح آواز نکال رہے تھے اور آگ کے شعلے پھینک رہے تھے۔ ان کے نچلے حصے ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے اور اوپر کے حصے بجلیاں چمکا رہے تھے۔ اس کے اطراف دور تک پھیلے ہوئے تھے اور پیچھے والے بادل آگے والے بادلوں پہ چڑھ جانے کو بے تاب نظر آتے تھے۔ ان کے درمیانی حصے تو بر تو تھے اور انھوں نے مشرق کو مغرب کے ساتھ ملا دیا تھا۔ پھر جب یہ برسنا شروع ہوئے تو برستے ہی چلے گئے اور لگاتار ایک کے بعد دوسری بوچھاڑ آرہی تھی۔ چنانچہ سخت زمینوں پہ پانی کھڑا ہو گیا تھا اور ہموار زمینوں پہ نہریں بہنے لگیں تھیں۔ اس نے سخت زمینوں کو حوض بنا دیا تھا اور نشیبی زمینیں کسی جھیل کی طرح حسین لگتی تھیں۔ لوگوں کے چہرے کھل اٹھے تھے اور درخت گنگنانے لگے تھے۔ پرندوں کی مستی اجنبی لگتی تھی اور پہاڑ مسکراتے دکھائی دیتے تھے۔ وادیاں پراسرار ہو گئی تھیں اور خیمے نچڑنے لگے تھے۔ لوگوں نے خشک سالی کا ایک طویل دور دیکھا تھا اس لیے یہ بارش ان کے لیے کسی حسین سپنے کی طرح تھی۔

اصمعی نے کہا کہ ان لڑکوں نے کیا خوب بیان کیا تھا میں ان کی فصاحت اور زبان کی روانی پہ ششدر تھا۔ اس لیے کہ یہ بچے ابھی کم عمر ہی تھے تب میں تیسرے بچے کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے جانا کہ وہ تو اور بھی چھوٹا ہے تب میں نے دل میں ارادہ کیا کہ اس کو رہنے دو کہ اس کی عمر تو محض چار پانچ سال ہی دکھائی دیتی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ میں اپنے اس خیال کو عملی جامع پہناتا اس چھوٹے بچے نے مجھے پکارا اور اپنا ہاتھ میرے آگے کر دیا اور کہا ایک درھم نکالو تاکہ میں اپنا بیان شروع کروں اور میں جانتا ہوں کہ میرا بیان اِن سے بڑھ کے ہوگا اور میں ان شاء اللہ ان پہ غالب آؤں گا۔

تب میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے دلچسپی سے اس بچے کو دیکھا پھر اس سے کہا انعام تو تمہیں اسی وقت ملے گا جب میں تمہارا بیان سن لوں گا۔

اس بچے نے کہا، ضرور اور لازم ہے کہ میں اِن دونوں پہ غالب آجاؤں اور ان کو بے چین اور بے قرار کردوں۔“

پھر اس نے کہا:

یہ ان دِنوں کی بات ہے جب ایک بڑا قبیلہ مایوسی اور حیرانی کے عالم میں تھا اور محتاجی کے ڈر سے ان کے اندر خوف نے جڑیں پکڑنی شروع کردی تھیں برسوں سے ان کے آسمان بادلوں سے خالی تھے اور ان کی گردنیں اوپر دیکھ دیکھ کر مڑ چکی تھیں اور غم نے ان پر اپنے پر پھیلا رکھے تھے دلوں پر نا امیدی غالب آ چکی تھی اور لوگ بکثرت گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ تب اللہ رحمان و رحیم نے اپنے بندوں کو اس بلا سے نجات دلائی اور ان کا آسمان سیاہ بادلوں سے اَٹ گیا۔ سفید اور سرمئی بادل کسی پہاڑ کی طرح اوپر کو اٹھا پھر سیاہ ہوا اور اوپر کو اٹھتا چلا گیا پھر یوں لگتا تھا کہ ہمارے آسمان کے روبرو ایک اور آسمان نمودار ہو گیا ہے یا وہ اس زمین کی طرح تھا جسے فضا میں پھیلا دیا گیا ہو اور اس کے بعد اس بادل کی اوٹ سے پانی کی وہ برسات ہوئی کہ لگتا تھا آسمان پھٹ گیا ہے۔ اس بادل نے ہماری پیاس کو بھولی بسری داستان بنا دیا اور اس زور کی بارش ہوئی کہ مدتوں لوگوں میں اس کے تذکرے باقی رہے۔ اس نے پست زمینوں کو پر کر دیا اور امید کو زندہ کر دیا اور قحط کو غائب کر دیا اور خوشحالی سے ہمارے آنگن مسکرانے لگے۔ اصمعی کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس بچے نے میری تسلی کر دی تھی۔ تب میں نے ان تینوں کو ایک ایک درہم دیا اور ان کے بیان کو لکھ لیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عبدالرحمان نے اپنے چچا سے روایت کی کہ اس نے کسی بدوی کو دیکھا کہ جب بجلی چمکی تو اس نے اپنی بیٹی سے سوال کیا ذرا دیکھنا تو سہی یہ کہاں گری ہے تو اس کی بیٹی نے جواب دیا کہ:

اَنَاخ بِذِیْ بَقَرٍ بَرکَہٗ
کَاَنَّ عَلَی عَضُدَیْہٖ کتافًا

اس نے اپنا سینہ ذی بکر کے مقام پہ جا کے رکھ دیا ہے اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے دونوں بازوؤں کو کسی مضبوط رسی سے جکڑ دیا گیا ہو"۔

لڑکی کے باپ نے کہا ایک بار مڑ کے پھر دیکھو تو سہی:

نَجَتْہُ الصَّبَا وَمَرَتْہُ الجَنُو
بُ وَانْتَجَفَتْہُ السَّمَاءُ انْتِجَافَا

بادِ صبا نے اسے پھیر دیا ہے اور بادِ جنوب نے اس کا پانی نکال لیا ہے اور آسمان نے اس کو بالکل خالی کر دیا ہے"۔

حقیقت تو یہی ہے کہ عرب کے سلگتے صحراؤں کے باسی ہی اس ابر کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں جو ان سے اس طرح روٹھا رہتا ہے جس طرح کہ لوگوں کا محبوب ان سے روٹھ جاتا ہے۔ عرب کی جغرافیائی حیثیت ایسی ہے کہ وہاں بارشیں بہت ہی کم ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ کمی ان کے اندر بادل سے اس محبت کو جنم دیتی ہے جس سے باقی دنیا ناآشنا رہتی ہے اور اس لیے بھی کہ بارش ہی پہ ان کی زندگیوں کا دارومدار ہے کہ اگر زیادہ عرصہ تک بارش نہ ہو تو ان کی چراگاہیں ویران ہو جاتی ہیں اور ان کے جانور مرنے لگتے ہیں۔ اس لیے وہ ہردم بارش کی آس میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھائے رکھتے جس کی وجہ سے ان کے اندر علم ابر کی وہ حس زندہ ہو گئی جس کا وجود دوسری اقوام میں مفقود ہے۔

صحرائی رستوں کا علم

عرب کی سرزمین بسیط صحراؤں لق ودق ویرانوں اور سخت پتھریلے میدانوں پہ محیط ہے جن کے بیچ راستوں کا جاننا ایک امر دشوار ہے۔مگر اپنے شدید موسموں کے باوجود اہل عرب نہ صرف یہ کہ صحراؤں کے بیچ سے گزرتے ہوئے راستوں سے مکمل آگاہی رکھتے تھے بلکہ انھیں ستاروں کی منازل اوران کے ذریعے رستوں کے تعین پر بھی عبور حاصل تھا اور یہ ایک ایسا علم ہے جو عربوں کے ساتھ خاص تھا جن مخصوص علامات اور مخفی اندازوں سے وہ واقف تھے دوسرے لوگ اس سے نابلد رہے ہیں اور ان کے اندر ایک خاص حس قوت شامہ کی بھی موجود تھی جس کی بنا پر وہ جگہوں کے حالات اور قرائن محض سونگھ کر بتادیتے تھے ۔چنانچہ ان کو کسی بھی علاقے کی مٹی کی خاص بو کا ادراک حاصل تھا۔اس کے علاوہ ثابت ستاروں کی منازل اور چاند کی حرکات سے بھی وہ اپنے رستوں کا تعین کیا کرتے تھے۔چونکہ ہر علاقے کی مٹی کی ایک خاص خوشبو ہوتی ہے اور ہر ستارے کی ایک سمت اور منزل ہوتی ہے جس سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَہۡتَدُوۡا بِہَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

''خدا تو وہ ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تا کہ تم خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کر سکو''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

صحرائی رستوں علم کا بہت بڑا اور اس کا فائدہ واضح ہے ورنہ قافلے ہلاک ہو جاتے فوجیں راستے سے بھٹک جاتیں اور صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں لوگ ہلاک و برباد ہو جاتے۔ مگر چونکہ عربوں کو کواکب انواء ہواؤں کے چلنے کے راستوں اور ان کی صفات کا پورا علم تھا، چونکہ یہ لوگ صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں رواں رہتے تھے اس لیے انھیں اس علم کی دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ معرفت حاصل تھی۔ یہاں مثال کا دینا ضروری ہے تا کہ ان لوگوں کو جو اس موضوع کا مطالعہ کریں عربوں کا راستے معلوم کرنے اور استدلال کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ چنانچہ جب کوئی شخص مکے کی طرف سفر کرے گا تو وہ اس ستارے کو دیکھے گا جس کی راہنمائی اس کے لیے سب سے زیادہ مضبوط اور قوی ہو۔ یعنی وہ قطب شمالی کو دیکھے گا اس لیے کہ یہ ستارہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور اسے ہر شخص پہچان سکتا ہے۔ تاہم ہر ملک کے مسافر کے لیے اس کے جاننے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ جو مسافر عراق اور ماوراء النہر سے مکے کا قصد کرے گا وہ اسے اپنے دائیں کان کے پیچھے رکھے گا اور مصر میں بائیں کان کے پیچھے رکھے گا اور یمن میں اپنے سامنے مگر بائیں جانب کی طرف اور شام میں اپنے پیچھے رکھے گا۔ بعض نے کہا کہ دمشق اور اس کے قریبی علاقوں میں مسافر تھوڑا سا مشرق کی طرف ہٹ جائے گا پھر قطبی ستارے کے بعد جدی اور فرقدان آتے ہیں ۔قطب شمالی مخفی ستارہ ہے جس کے گرد ستارے چکر لگاتے ہیں جس طرح چکی کی کیل ہوتی ہے یا جس طرح مچھلی ہوتی ہے اور اس کی ایک جانب فرقدان ہوتے ہیں اور دوسری جانب جدی۔ ایک اور ستارے

فراشہ کے وسط میں قطب ہوتا ہے جو اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور تاریک رات میں اسے صرف وہی شخص دیکھ سکتا ہے جس کی بینائی تیز ہو اور قطب کا پتا جدی اور فرقدان سے چلتا ہے کیونکہ یہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے اور جدی وہ ستارہ ہے جو بنات نعش الصغری کی ایک جانب ہوتا ہے اور بنات نعش الصغریٰ کے سات ستارے ہوتے ہیں۔ ان میں سے چار تو ٹیڑھی سی شکل کے ہیں جنھیں نعش کہا جاتا ہے ان میں دو ستارے جو چمکدار ہیں وہ فرقدان کہلاتے ہیں اور تین ٹیڑھی لکیر پر ہیں اور بنات کہلاتے ہیں۔ ان تینوں کے ایک کنارے پر ایک چمکدار ستارہ ہے جس کو جدی کہا جاتا ہے لہٰذا قطب جدی اور فرقدان کے درمیان تلاشا جاسکے گا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

وہ عرب جو مکے کو جانے کا ارادہ کریں وہ مجرہ (کہکشاں) سے بھی راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ موسم سرما میں یہ ابتدائی رات میں ہی آسمان پر انسان کے بائیں کندھے پر شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہوتی ہے لیکن موسم گرما میں یہ وسط آسمان پہ ہوتی ہے مگر اس کی راہنمائی اوپر بیان کیے گئے ستاروں کی راہنمائی سے کمزور ہے اور یہ کہکشاں (The Milky Way) کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے ایک دوسرے کے قریب جمگھٹا بنے ہوئے ستارے ہیں جن میں حس کے ذریعے امتیاز نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے چھوٹے اور نہایت کثیف ہونے کی وجہ سے یہ ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے اس کی دوسری تشریحات بھی کی ہیں جن سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔ عرب جن دیگر ستاروں کی مدد سے کعبہ کا راستہ معلوم کیا کرتے تھے ان میں سورج اور چاند بھی شامل ہیں کہ ان دونوں کی اٹھائیس منزلیں ہیں اس لیے لوگ ان کی منازل سے بھی راہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں اور ان منازل سے بھی جو ان کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا ان کے قریب ہیں اس لیے کہ یہ سب کے سب مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہلال ابتدائے ماہ سے تین راتوں تک سورج غروب ہونے کے وقت مکے کو جانے والے مسافر کی دائیں طرف ہوگا۔ تیسری رات غروب شمس سے وقت سامنے ہوگا پھر دسویں رات عشا کے وقت اور سرخی غروب ہو جانے کے بعد کعبے کی سمت میں ہوگا اور بائیسویں رات طلوع فجر کے وقت بھی کعبہ کی سمت ہوگا۔ عہدِ قدیم کے یہ لوگ ان کے علاوہ جن چیزوں سے اپنے راستے کھوجتے رہے ہیں ان میں ہوائیں بھی شامل ہیں۔ تاہم صحراؤں میں ان سے راستہ کھوجنا مشکل ہوتا ہے۔ رہا پہاڑوں اور مکانات کے درمیان تو وہاں ہوائیں چکر کاٹتی رہتی ہیں اور ان کی سمت بدلتی رہتی ہے لہٰذا اس

سے راستہ معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے اور بڑے پہاڑ بھی ان چیزوں میں سے ہیں جن سے کعبے کی راہ معلوم کی جاتی تھی اور یہ پہاڑ سب کے سب مکے کو جانے والے کے دائیں سے بائیں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی راہنمائی قوی حس کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

لیکن چونکہ مکے کو جانے والے کو شبہ ہو جاتا ہے کہ ان پھیلے ہوئے پہاڑوں کو اپنے پیچھے رکھے یا اپنے سامنے اس لیے اس کا استدلال بعض اوقات کمزور پڑ جاتا ہے اور اس امر سے راستہ معلوم کرنے میں دو لحاظ سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے تو دو لحاظ سے شبہ بھی پڑتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب پہاڑ کی جہت معلوم نہ ہو اور اگر وہ جانتا ہو تو اسے ان پہاڑوں کو اپنی پشت کی جانب رکھنا چاہیے اس لیے کہ ان پہاڑوں کا منہ کعبے کی طرف ہے اور پہاڑ کا منہ پہاڑ کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس طرف اس کی چڑھائی ہو۔یا لوگ ان سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے معمور ہوں خواہ انسان کسی بھی جہت کا ارادہ رکھتا ہو۔

یاد رہے کہ عربوں میں سے جو لوگ راستوں کے جاننے سے ناآشنا ہوں ان کی وقعت کم ہوتی تھی اور اسے عیب جانا جاتا تھا اور یہ سب امور اس لیے تھے کہ وہ اپنے دشمنوں کے غلبے اور ان کی دست درازی سے اپنا بچاؤ کرسکیں۔اپنے انھی امور کی بدولت وہ شدائد سے نمٹنے کی صلاحیت حاصل کرتے تھے اور انھی امور کی بنا پہ وہ بادیہ نشینی اور غارت گری پہ غالب ہوئے تھے۔عرب صحراؤں میں راستہ تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل نہ کرتے تو بھوک اور پیاس سے مرجاتے اس لیے کہ اُن کے ہاں تو صرف ریت تھی جس کی کثرت تھی ورنہ زندگی کی ہرضرورت اُن سے فاصلے پہ تھی جس کو حاصل کرنے کے لیے ان کا سفر کرنا ضروری تھا اور سفر کرنے کے لیے راستوں کا جاننا ضروری ہے اس لیے عرب صحراؤں میں رستہ تلاش کرنے کے علم سے واقف تھے اور عربوں کا کوئی قافلہ صحرا میں رستہ بھولا ہو تاریخ اس امر سے خالی ہے حق بات یہ ہے کہ سیدھی راہ کی طرف اللہ ہی راہنمائی کرنے والا ہے اور یہی حقیقت ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔

علم العیافہ، علم الکیافہ

علم القیافہ عربوں کے ان قدیم علوم سے ہے جن کا تذکرہ بہت ہی کم پایا جاتا ہے اور اکثر مورخین کے ہاں بھی اس کا تذکرہ مفقود ہے۔ ہمیں اس کا تذکرہ صرف بلوغ الارب میں ملا جو علامہ محمود شکری آلوسی کی کتاب ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ علم القیافہ کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک کو "**قیافہ الاثر**" کہتے ہیں جس میں اس علم کے ماہر لوگ دوسروں کے پاؤں کے نشان دیکھ کر قیافہ لگاتے ہیں اور اس کی دوسری قسم کو "**عیافۃ البشر**" جس میں لوگ دوسروں کے خدوخال سے اس کی شخصیت کا اندازہ لگاتے تھے۔ رہا علم عیافہ تو اس کے ذریعے وہ لوگ نقش قدم کا باہم تقابل کرنے کے لیے انسان کے قدموں اور بھیڑ بکری اور گھوڑے وغیرہ کے سموں کے نشانات کی جستجو میں باہم امتیاز کرتے اور اس کے متعلق مباحث متعین کرتے۔ چنانچہ بیان کیا گیا کہ نقش قدم وہ ہوتا ہے جو ایسی زمین میں جس میں ریت نہ ہو پاؤں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس علم کا نفع واضح ہے کہ اس کے ذریعے سے قیافہ شناس بھاگے ہوئے انسان اور گم شدہ جانور کو اس کے نقش قدم اور ٹانگوں کے نشان کو تلاش کر کے اپنی بینائی خیال اور

حافظہ کی طاقت کے ذریعے اپنے مقصود کو پالیتا ہے۔ یہاں تک بھی کہ اہل عرب کے کئی لوگ تو اس فن میں اس قدر پختہ تھے کہ وہ جوان اور بوڑھے عورت اور مرد باکرہ اور شادی شدہ عورتوں کے نقش قدم میں بھی امتیاز کر لیتے تھے اور قیافہ البشر میں دو شخصوں کے اعضاء ظاہری اور ہیت وصورت سے یہ استدلال کیا جاتا کہ یہ دونوں شخص نسب وولادت اور دیگر حالات اور اخلاق میں باہم متحد وشریک ہیں یا متفرق۔

چنانچہ ابوالقاسم الاصفہانی نے اپنی کتاب "**الذریعہ**" میں بھی کچھ ان امور کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ قیافہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک میں نقش قدم کی تلاش کے ذریعے قیافہ کیا جاتا ہے اور اسی نقش قدم کے ذریعے راہ رو کا پتا بھی چلایا جاتا ہے اور قیافہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسانی ہئیت اور شکل کے ذریعے اس کے نسب کا پتا چلایا جائے اور عربوں میں "**بنو مُدلج اور بنو لہب**" قیافہ بشریہ کے ذریعے استدلال کرنے میں مشہور تھے اور ان کو یہ خصوصیت ان کی طبعی مناسبت کی وجہ سے حاصل تھی نہ کہ کسی تعلیم و تعلم کی وجہ سے۔ علامہ اصفہانی نے مزید لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس علم کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا تھا کہ ان کی عورتیں ان افعال سے باز رہیں جو ان کے نسب میں طعن اور ان کے غیر خالص ہونے اور ان کے بچوں اور کھیتیوں کے لیے فساد کا سبب بنیں۔ اس لیے اس علم کے ذریعے ان کے نسب کو محفوظ رکھنا مقصود تھا اور اسی بنا پر تو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ان کے قبائل اور شعوب کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۝

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

"اور ہم نے تم کو قبائل اور شعوب بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان سکو"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اگرچہ اہل فلسفہ کے ہاں اس طرح کے علوم کی نفی کی گئی ہے جو اٹکل اور تخمینے سے حاصل ہوتا ہو اور اس میں

استدلال اور یقین نہ پایا جاتا ہو اور نہ ہی یہ علم درس وتدریس سے حاصل کیا گیا ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نہ اب اور نہ ہی زمانہ قدیم میں ایسے علوم کے متعلق کوئی کتاب تصنیف کی گئی ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ علم نہ صرف یہ کہ عربوں کے ہاں زندہ ہے بلکہ ان سے دوسری بہت سی اقوام کو منتقل بھی ہوا ہے۔ خود ہم نے پنجاب اور سندھ کے بعض دیہات کے لوگوں کو پولیس کی بجائے اپنے کھوجی پہ زیادہ اعتماد کرتے دیکھا ہے کہ ان کے پاس اسی قدیم علم کا قلیل حصہ بہر حال پایا جاتا ہے اور اہل عرب کے متعلق بھی یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کے ہاں بھی ابھی تک اس علم کے جاننے والے لوگ موجود ہیں اور آج کل بھی نجد کے بعض عرب قبائل میں علم قیافہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ اس فن کے ماہرین بھی موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بنومرہ کے لوگوں کو سب سے زیادہ علم قیافہ پہ دسترس حاصل تھی اور بعض ثقہ لوگوں نے جنھوں نے نجد کے ان علاقوں کا سفر اختیار کیا تھا۔ بیان کیا ہے کہ قبیلہ مرہ کے بہت سے لوگ ایسے تھے جو قدموں کے محض ایک نشان کو دیکھ کر بتا سکتے تھے کہ یہ فلاں شخص کے قدم کا نشان ہے یا یہ فلاں شخص کے اونٹ کے قدموں کا نشان ہے یا یہ کہ یہ کسی باہر کے قبیلے یعنی کسی اجنبی آدمی کے قدموں کے نشان ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وہ انسانی قدموں کے نشانات دیکھ کے یہ بھی بتا دیا کرتے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فلاں فلاں علاقے سے آرہے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو فلاں علاقے کی طرف نہیں گئے اور ان کے اندازے اتنے پختہ ہوتے کہ لوگ ان پہ یقین کرتے اور وہ کم ہی غلط ثابت ہوتے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ ایک بدوی کا گدھا کھو گیا یا اس کو چور لے گئے جو اس کو بہت پسند تھا اگرچہ اس کے پاس اور بہت سے گدھے موجود تھے مگر اس نے چاہا کہ وہ اپنے پسندیدہ گدھے کی تلاش میں نکلے۔ اس لیے کہ اسے علم قیافہ سے آشنائی حاصل تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے گدھے کے پاؤں کے نشان اٹھائے اور ان کا تعاقب کرنا شروع کیا۔ وہ کئی دن اور کئی رات چلتا رہا اور اس کو اپنے گدھے کے قدموں کے نشان ملتے رہے۔ وہ ان قدموں کے نشانات کے تعاقب میں چلتا رہا حتیٰ کہ وہ حلہ جا پہنچا وہاں جا کر اس کے گدھے کے پاؤں کے نشانات بہت سے گدھوں کے پاؤں کے نشانات میں مل جل گئے۔ تب اس نے اپنے ایک دوست کو پکارا جو علم قیافہ میں بہت راسخ تھا۔ اس نے اپنے گدھے کے پاؤں کے نشان اس کو دکھائے اور اسے کہا کہ وہ ان بہت سے پاؤں کے نشانات میں سے اس کے گدھے کے پاؤں کے نشان کو الگ کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے دوست نے اس کے گدھے کے پاؤں کے نشان کا کھوج لگا لیا۔ اب وہ پھر سے ان پاؤں کے نشانات کے

تعاقب میں ہو لیے وہ نشانات ان کو لے کر شہر سے باہر نکل گئے۔ شہر کے باہر بھی لوگوں کی ایک بستی موجود تھی وہاں بھی ان کو گدھے کے پاؤں کے نشان ملتے رہے حتیٰ کہ وہ اس گاؤں سے بھی نکل گئے اور اب ان کے گدھے کے پاؤں کے نشانات ان کو اس پہاڑی گھاٹی کی طرف لے جا رہے تھے جہاں ایک عراق جانے والا ایک قافلہ رکا ہوا تھا۔ وہ رات بھر اپنے گدھے کے پاؤں کے نشانات اٹھاتے رہے اور اپنا سفر جاری رکھا۔ حتیٰ کہ جب صبح طلوع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا تو وہ اس قافلے کے قریب جا پہنچے جو وہاں سے کوچ کرنے کی تیاری میں تھا۔

اس قافلے تک ان کو اپنے گدھے کے پاؤں کے نشان ملتے رہے تھے اس لیے ان کو قوی وثوق تھا کہ انھیں لوگوں میں کوئی ہے جس نے ان کا گدھا چرایا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے گدھے کو پالیا۔ اس طرح اس علم کی بنا پہ انھوں نے بہت سی منزلیں ماریں اور بہت سے معرکوں میں اپنی اصلیت کو ظاہر کیا جن کا بیان محض طوالت ہوگا اس لیے ہم صرف اسی ایک واقعے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے علم میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ کسی شخص کی شکل اور یہ حلیہ دیکھ کر بتا دیتے کہ یہ شخص فلاں شخص کا بیٹا ہے یا یہ شخص فلاں فلاں کا بھائی ہے یا یہ شخص فلاں فلاں کا رشتے دار ہے یا یہ کہ اس شخص کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے یا یہ کہ یہ شخص ان میں اجنبی ہے۔

خاص اہل مکہ میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جو اس علم میں اہل نجد کے لگ بھگ تھے اور یہ کہ وہ لوگ ان لوگوں میں سے جو عراقی شامی مصری اور مدنی وغیرہ ہوتے امتیاز کر لیتے کہ اس شخص کا تعلق فلاں علاقے سے ہے خواہ یہ لوگ اپنے مخصوص لباس اور ہیت میں نہ بھی ہوں اور اس سلسلے میں بہت سی حکایات اگر تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی نہ ہوتیں تو ہم یہ کہہ دیتے کہ ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ علم قیافہ ان کے اندر اس قدر راسخ تھا کہ رات کی تاریکی میں سوار کے انداز سے جان جاتے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس کی حرکات سے اس کے دل کے اندر چھپی ہوئی بات کو بھی جان لیتے کہ اس کی نیت کیا ہے اور کیا یہ کسی نیک ارادے سے ان کے علاقے میں اترا ہے یا اس کے پیچھے غارت ڈالنے والوں کا لشکر چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ ہر دو صورتوں میں اپنی حفاظت اور عزت نفس کی برتری کو قائم رکھنے سے غفلت نہ برتتے اور وہ جانتے تھے کہ سوار کے اضطراب میں کیا چھپا ہے۔ وہ دن ہو کہ رات لوگوں کو ان کی نقل و حرکت کی بنا پر جان جاتے اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو قیافہ شناسی کی اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ

نومولود کو دیکھ کر بتا دیتے کہ وہ ان کی نسل سے ہے یا ان کی نسل میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کی ان حرکات کو بھی بخوبی جانتے تھے جس کی بنا پہ وہ اپنی نسل میں شبہ کر سکیں۔ اس لیے کہ عہدِ جاہلیت میں ان کے ہاں زنا عام تھا تاہم پھر بھی وہ اپنی اصل کی حفاظت میں آخری حد تک چلے جاتے اور ان کی عورتیں بھی اس بات پہ فخر کرتیں کہ ان کی کوکھ سے ان کے خاوند کی نسل ہی پروان چڑھے اور یہ کہ وہ ایسے بیٹے جنم دیں جن کو اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے کہ لوگ بیٹوں کی حرکات کو ان کے آباء کی طرف منتقل کر دیتے اور زمانہ جاہلیت کے بعد عہدِ اسلام میں بھی لوگ قیافے کے ذریعے لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے رہے ہیں اور کہا گیا کہ شریعت اسلامیہ میں قیافے کے ذریعے بھی فیصلہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی ان کے حکیمانہ طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں بیان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ عربوں کا ایک دانا شخص مجرز اسلمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسامہ بن زیدؓ اور حضرت زیدؓ کو دیکھا اور ان دونوں نے ایک ہی قسم کا کپڑا اوڑھ رکھا تھا ان کے سر ڈھانپے ہوئے تھے مگر ان کے پاؤں ننگے تھے تو اس عرب نے محض ان کے دونوں باپ بیٹے کے پاؤں کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا اور کہا کہ ان دو اشخاص کے پاؤں نے مجھے بتایا ہے کہ ان کے درمیان گہرا رشتہ ہے یہ سن کر نبی اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ قیافہ کمال ادراکی اور کمال ذکاء سے پیدا ہوتا ہے اور اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ قیافہ شناس میں بہت عقل پائی جاتی ہے۔

علم الریافہ

علم الریافہ کا شمار بھی عربوں کے ان علوم میں ہوتا ہے جو ان کے قدیمی علوم تھے اور آج ان کا تذکرہ معدوم ہو چکا ہے۔مگر حقیقت یہی ہے کہ عربوں کو بہت سے ان علوم میں دسترس حاصل تھی جن سے دوسرے لوگ نابلد تھے اس لیے کہ ان کی زندگی سخت جفاکشی اور مسلسل جدوجہد پہ مبنی تھی کہ صحرا کے شدید اور سخت آزار میں اپنی بقاء کو درپیش خطرات کے پیش نظر وہ اِن بہت سی باتوں کو جانتے تھے اور اِن میں پختگی حاصل کر چکے تھے جن سے دوسرے لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا اور صحرا کے انھی شدائد میں ایک شدت پانی کی کمی تھی اور علم الریافہ پانی کی کمی ہی سے متعلق ہے کہ اس علم کے جاننے والے لوگ بعض ان علامات کو جانتے تھے جو کسی جگہ پہ پانی کے وجود پہ دلالت پیش کرتی ہوں اور قریبی زمین سے پانی حاصل کرنے کی معرفت کو اہل عرب نے علم الریافہ کا نام دیا۔اس علم میں پختہ لوگ ان کے ہاں بہت بزرگ اور برتر تصور کیے جاتے کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی مشکل تو پانی کا حصول ہی تھا۔چنانچہ علم الریافہ کے ماہر زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھاتے اسے اپنی ناک سے قریب کرتے اور لوگوں کو بتا دیتے کہ تمھاری اس زمین میں پانی ہے یا

نہیں۔قریب ہے یا بعید ہے، زمین کے نیچے سخت چٹانیں ہیں یا نرم مٹی ہے، زمین کے نیچے گرم اور جھلسے ہوئے گندھک کے پتھر ہیں یا بہتا ہوا شریں سمندر ہے۔اوران لوگوں کے فن کا کیا ہی کہنا کہ وہ تو چرتے ہوئے جانور پہ نگاہ گاڑ کے بتادیتے کہ اس زمین کے نیچے پانی موجود ہے۔یعنی اس سلسلے میں وہ جانوروں کی نقل وحرکت کی توجیہ بھی کرتے اوراس سے پانی کی موجودگی یا غیر موجودگی کے متعلق استدلال کرتے اور جانوروں کی حرکات سے استدلال بھی علم فراست ہی کی ایک شکل ہے اور یہ فراست اب بھی نجد کے بعض بدویوں میں پائی جاتی ہے۔

اہل عرب میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو علم الریافہ میں پختہ تصور کیے جاتے علامہ آلوسی نے بلوغ الارب (60*) میں لکھا ہے کہ مجھے بعض معتبر لوگوں نے بتایا ہے کہ یہ لوگ اپنا کان زمین پہ رکھ دیتے اور کچھ دیر بعد لوگوں کو اس زمین کی اصل صورتِ حال سے آگاہ کردیتے کہ اس زمین کے نیچے پانی ہے کہ نہیں۔یا یہ پانی بہت گہرائی میں ہے یا یہ کہ علاقہ چٹانی ہے اس لیے یہاں سے پانی کا نکالنا قریب قریب ناممکن ہے اور جو بھی اس خطہ زمین کی اصل ہیت ہوتی لوگوں کو اس سے آگاہ کردیتے اور بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے ان کی باتوں کو نہ مانا یا انکار کیا مگر زمین کو کھودنے کے بعد ان کے سامنے وہی صورت آئی جو علم الریافہ کے ماہر نے بیان کی تھی۔

آج کے زمانے میں جن لوگوں کو یہ علم آتا ہے اہل عرب ان کو نصات کہتے ہیں۔جن لوگوں میں اس کی قوت استعداد نہیں ان کے لیے ایسے معاملات کا انکار مناسب نہیں ہے کیوں کہ خالق نے ہر امت ہر قبیلے اور ہر فرد کو بعض معاملات میں خصوصیت عطا کر رکھی ہوتی ہے جو اس خاص فرد یا قوم کی طرف اللہ کی خاص عنایت تصور کی جاتی ہے لوگ اس کو خالق کا احسان اور فضل مانتے چلے آئے ہیں اس کے کئی پہلو ہیں کہ یہ فضل علم، صنائع، معرفت اخلاق اور سیرت ومحاسن میں بھی ہوسکتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں انسان ایک ہی فن کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ایک ہی علم کا مطالعہ کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک آدھ ہی اس فن میں مہارت حاصل کرتا ہے اور ہر شخص پہ اس کی استعداد کے مطابق ہی اللہ کا فیضان ہوتا ہے۔

> عرب اپنے نسب کی حفاظت میں دنیا کی تمام قوموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ آدمی تو کیا وہ تو اپنے اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب کو فراموش نہ کرتے۔ اس ضمن میں بعض ماہر انساب کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

علم الانساب

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے سے لوگوں کا نسب معلوم کیا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس علم کے ضبط کرنے اور جاننے کے معاملے میں لوگ بڑا اہتمام کیا کرتے تھے اس لیے کہ عرب اپنے نسب کے معاملے میں بہت حساس تھے اور یہ علم ان کے مابین باہمی الفت اور مدد کا سبب تھا اور عربوں کو اس امر کی زیادہ ضرورت تھی اس لیے کہ وہ مختلف قبائل میں منقسم تھے اور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ مختلف گروہوں میں رہتے تھے اور جنگ کی آگ ان کے مابین مسلسل بھڑکتی رہتی تھی۔ غارت گری کی آگ روشن رہتی تھی جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے اپنے آپ کو ہر اس بادشاہ سے محفوظ کر رکھا تھا جو ان کو مغلوب کر لینا چاہتا تھا وہ ان کو ذلیل کر کے خود عربوں کے خلاف لڑانا چاہتا تھا اس لیے عربوں نے اپنے نسب کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تا کہ وہ جان سکیں کہ کون ان کا دشمن ہے اور کون دوست۔ انھیں کس کی موافقت کرنی ہے اور کس کی مخالفت۔ چنانچہ اپنے اس علم کی بدولت جس کی مثال تاریخ میں دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں ملتی وہ ان لوگوں کی معاونت کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہیں اور جو ان کے قرابت دار ہیں یا جن کا ان پہ کوئی احسان

ہے اوران کا یہ علم ان کو یاد دلاتا ہے کہ کون ان کا محسن ہے اور کونسا قبیلہ نسب کے حوالے سے ان سے بلند ہے یا کون سے لوگوں کا نسب مشتبہ ہے۔قرابت داری کا میلان اور رشتہ داری کی حمیت دوایسی چیزیں ہیں جو باہمی نصرت اور الفت کا سبب بنتی ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرنے پہ اکساتی ہیں اوران کو فرقت سے باز رکھتی ہیں کہ فلاں قبیلہ توان کا موید ہے اوران کا نسب ان کے قریب ہے۔ چنانچہ یہ قرابت داری اور قبیلے کی حمیت تھی جس نے عربوں کو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما بھی رکھا اوران کے اندراس شعور کو بھی جنم دیا کہ اجنبیوں کے تسلط کے خلاف کس طرح اپنے حلیف قبائل کے خون کے ساتھ اپنا خون گرانا ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"رشتہ داری جب ایک دوسرے کے قریب ہو گی تو باہمی محبت پیدا ہو گی"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

عربوں کو اپنے نسب کی الفت کی وجہ سے طاقتور قبائل کے خلاف مدد اور نصرت حاصل ہوئی اور انھیں قوت بہم پہنچی جس سے ان کی عالی مرتبت بزرگی کے پہلو کو مضبوطی حاصل ہوئی اس لیے کہ جب اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی مدد کرنے والا کوئی قبیلہ موجود نہیں تو انھوں نے اپنے اللہ کی طرف ہاتھ اٹھائے اور خود کو معذور ظاہر کیا پھر انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

"کاش مجھ کو تمھارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط رکن کے پاس پناہ لے سکتا"

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

ان کی مراد یہ تھی کہ کاش وہ کسی طاقتور قبیلے کے حلیف ہوتے جو مشکل کی اس گھڑی میں اس کی مدد کو پہنچتا۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا وہ قوم کے صاحب ثروت لوگوں میں بھیجا ہے یا ان لوگوں میں بھیجا ہے جن کی تعداد زیادہ تھی اور وہ طاقتور تھے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کسی شخص کو قبیلے سے الگ تھلگ نہ رہنے دیتے تھے تا آنکہ آپ اس کو کسی قبیلے میں شامل کر دیتے۔اور ان تمام باتوں میں باہمی الفت کی تلقین پائی جاتی ہے اور علیحدہ رہنے سے منع کیا گیا ہے اور اسی لیے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"جس کسی نے کسی قوم کی تعداد زیادہ کی وہ انہی میں سے ہے"۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

چنانچہ باہمی الفت کے لیے نسب کی اہمیت واضح ہے تاہم پھر بھی بعض اوقات ایسے حادثات پیش آ جاتے تھے جو الفت کے مانع آتے تھے اور جدائی کا سبب بنتے تھے جو الفت کے منافی عمل ہے اس لیے ان کے ہاں نسب کا جاننا از حد ضروری تھا۔اور نسب تمام کے تمام تین قسموں میں منقسم ہیں جن میں ایک قسم تو والدوں کی ہے اور دوسری مولودوں کی اور تیسری تعلقداروں کی اور ان ہر تین قسموں میں نیک برتاؤ اور صلہ رحمی کو بلند مقام حاصل ہے۔چنانچہ قسم اول میں آباء، مائیں، اجداد اور دائیاں شامل ہیں اور امن وسلامتی کے احوال میں ان کے اندر دو خصلتیں پائی جاتی ہیں جن میں ایک خصلت تو ان کے لیے طبعی طور پہ لازم ہے اور دوسری اکتساب سے پیدا ہوتی ہے لازمی اور بالطبع خصلت جوڑ راور رحم ہے اور یہ خصلت والدین سے کسی صورت بھی زائل نہیں ہوتی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

”اولاد والدین کو جاھل بخیل بزدل اور غمگین بنانے کا سبب بنتی ھے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اولاد سے جو خطرہ درپیش ہوتا ہے وہ ان میں یہ اوصاف مترتب کر دیتا ہے جو ان کے اخلاق کو پست کرنے کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ انسان میں ان اوصاف کا داعیہ پہلے سے موجود ہوتا ہے اس لیے وہ ان کو اپنے سے دور کرنے پہ قادر نہیں رہتا اس لیے تاریخ عالم میں بہت سے ایسے افراد کا وجود ملتا ہے جنہیں سرے سے اولاد کی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ کسی نے حضرت زکریا علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ اولاد کو کیوں ناپسند کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ میرا اس سے کیا تعلق کہ اگر وہ زندہ رہے گی تو مجھے تھکا دے گی اور مرگئی تو مجھے تباہ کردے گی اور کسی نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے کہا صرف آخرت میں کثرت تعداد پہ فخر کیا جانا پسند کیا جائے گا اور جو خصلت انسان کے اندر اکتساب سے پیدا ہوتی ہے وہ محبت ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتی ہے اور حالات کے ساتھ بدلتی ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے کہیں ارشاد فرمایا کہ:

اولاد دل کے ساتھ خوب معلق ھو جاتی ھے کیونکہ ھر چیز کا ایک پھل ھو تا ھے اور دل کا پھل اولاد ھے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص جب اپنی اولاد سے منہ پھیر لیتا ہے تو یہ اولاد سے دشمنی کی وجہ سے نہیں

ہوتا بلکہ یہ اس خنکی کی وجہ سے ہوتا ہے جو اولاد کی نافرمانی یا کوتاہی سے اس کے اندر جنم لیتی ہے مگر اس کے باوجود اولاد کے حوالے سے آباء کے اندر احتیاط اور رحم دلی باقی رہتی ہے اور یہ دونوں خصلتیں نہ اس سے زائل ہوتی ہیں نہ منتقل۔ چنانچہ محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیٹوں کے حوالے سے ان کے آباء سے خوش ہیں اسی لیے تو ان کے اندر ڈر اور رحم کو پیدا کر دیا جس نے ان کو ثابت قدم بنایا اور ان کو اولاد کے بارے میں کوئی نصیحت نہیں کی لیکن آباء کے معاملے اللہ پاک بیٹوں پر خوش نہیں اسی لیے اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور بد ترین اولاد وہ ہے جس کی اپنی کوتاہی والدین کی نافرمانی کا سبب بنے اور بدترین باپ وہ ہے جو اولاد کے نیک سلوک کی وجہ سے ان کے ساتھ حد سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ چونکہ مائیں زیادہ رحم دل ہوتی ہیں اور ان کی اولاد کے ساتھ محبت بھی زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ وہ تکالیف ہوتیں ہیں جو انھوں نے اولاد کی پیدائش کے درمیان برداشت کی ہوتی ہیں اور وہ رنج ہوتے ہیں جو انھوں نے ان کی تربیت میں اٹھائے ہوتے ہیں اس لیے ان کے دل زیادہ رقیق اور ان کے نفس زیادہ نرم ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اِن پہ زیادہ مہربان ہوں اور اِن کے فعل کی جزا اور ان کے حق کا بدلہ دیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نیک سلوک کرنے میں دونوں کو برابر کا شریک کر دیا ہے اور حکم میں دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب معزز میں فرمایا کہ:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۝

(القرآن الحکیم)

"ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دیا ہے"۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

روایت ہے کہ کوئی شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا؟

"میری ماں ہے جس کا میں بہت فرمانبردار ہوں میں اسے اپنی پیٹھ پر بٹھاتا ہوں اور اس

سے منہ نہیں پھیرتا اپنی تمام کمائی لا کر اس کو دیتا ہوں کیا میں نے اس کی جزا دے دی جس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم نے تو اس کی ایک آہ کا بدلہ بھی نہیں چکایا تو اس شخص نے حیرت سے پوچھا کیوں یا رسول اللہ ﷺ کیوں ؟تو آپ ﷺ نے پھر جواب دیا کہ یہ اس لیے کہ جب وہ تیری خدمت کرتی تھی تو وہ چاہتی تھی کہ تو زندہ رہے اور تو اس کی خدمت تو کر رہا ہے مگر چاہتا ہے کہ وہ مر جائے"

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ والد کا حق بہت بڑا ہے اور والد کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت لازم ہے اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"میں تمھیں اپنی ماؤں سے بد سلوکی کرنے سے منع کرتا ہوں اور لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے بھی اور بخل کرنے سے اور بھیک مانگنے سے بھی ۔اور خالد بن معدان نے مقدام سے یوں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر جو ان کے بعد قریب

تر ہوں اور پھر جو اس کے بعد قرابت میں تمہارے قریب ہوں“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اب رہے مولود تو وہ اولاد کی اولاد ہے اور عرب اپنے پوتے کو صفوہ کہتے تھے اور اس رشتے میں بھی عام حالات میں دو خاص خصلتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک تو طبیعی طور پر لازم ہے اور دوسری منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جو لازم ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد کی خاطر غیرت میں آئے کہ کوئی ان پہ ظلم نہ کرے اور نہ ہی ان کو گمنامی میں جانے دے اور بیٹوں میں اس غیرت کا ہونا اس شفقت کے مقابل ہے جو ان کے لیے ان کے آباء میں پائی جاتی ہے اور دوسری خصلت جو منتقل ہوتی ہے تو اس کو ناز کہا گیا ہے جو بچے کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہے اور یہ ناز جو اولاد میں ہوتا ہے اس محبت کے مقابل ہے جو ان کے آباء میں شفقت ہے۔ کیونکہ محبت آباء کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور ناز کا تعلق اولاد کے ساتھ ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ کیا وجہ ہے ہم تو اپنی اولاد پہ رحم کھاتے ہیں مگر وہ ہم پہ رحم نہیں کھاتی جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ ہم نے ان کو جنا ہے انھوں نے ہم کو نہیں جنا۔

اور اس کے بعد یہ جو ناز ہے وہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ دو خصلتوں میں سے ایک کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یا تو وہ والدین کے ساتھ نیک سلوک اور محبت کی راہ پہ چل نکلتا ہے ورنہ دوسری صورت میں ملعون ہو جاتا ہے اور والدین سے بدسلوکی اختیار کر لیتا ہے چنانچہ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہؓ سے فرمایا کہ:

”بیٹے کے ذمے باپ کا یہ حق ہے کہ وہ باپ کی ناراضگی کے وقت اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے اور تھکان اور بھوک کے وقت اپنے باپ کو خود پہ ترجیح دے کیونکہ جزا

دینے والا رشتہ داری کے تعلقات کو ملانے والا نہیں کہلا سکتا بلکہ ملانے والا تو وہ ہے کہ اگر تو تعلقات توڑے تو وہ ملا دے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

کہا گیا کہ اگر بیٹا گمراہ ہو تو یا باپ سختی کرنے والا ہو تو یہ ناز قطع تعلق اور نافرمانی بن جاتا ہے اسی لیے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”خدا اس شخص پہ رحم کرے جو اپنی اولاد کو خود سے نیک برتاؤ کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

حضرت عمرؓ کو بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے کہا یہ تو ایک ناز بو ہے جسے میں سونگھوں گا پھر تھوڑے عرصے بعد یا تو وہ نیکوکار بیٹا ہوگا یا ضرر رساں دشمن۔ اور نسب کا تیرا حلقہ تعلقداروں پہ مشتمل ہے تو انسان کے آباء اور ابناء کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جن کا تعلق اس کے ساتھ یا تو جماعت کے حوالے سے ہوگا یا قرابتداری کی وجہ سے ہے اور اس میں جو خاص بات پائی جاتی ہے وہ ایسی حمید ہے جو غیر کی مدد پہ اکساتی ہے اور یہ غیرت کا کم سے کم درجہ ہے۔ اس لیے کہ غیرت ظلم کرنے سے روکتی ہے اور غیرت کا گمنامی کو ناپسند کرنے میں کوئی حصہ نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ کوئی ایسی بات مل جائے جو الفت کا باعث بنے تو پھر گمنامی کو ناپسند کرنے میں اس کا حصہ ہوسکتا ہے۔ اور یہ کہ تعلق داروں کی حمیت صرف دور کے اجنبی لوگوں کی مدد کرنے کی موجب ہے مگر اکثر وہ نزدیکیوں اور قرابتداروں میں حسد کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کا دارومدار اس پہ ہے کہ کوئی کس کو کس پہ ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا اگر باہمی ملاپ اور باہمی مہربانی سے

اس کی نگرانی کی جائے تو اس کے روابط قوی ہوتے ہیں اور اس طرح نسبتی حمیت کے ساتھ خالص دوستانہ بھی شامل ہو جاتا ہے اور یہ الفت کا مضبوط ترین سبب ہے۔ چنانچہ کسی نے ایک قریشی آدمی سے دریافت کیا کہ تمہیں کون سا شخص زیادہ محبوب ہے بھائی یا دوست تو اس نے کیا خوبصورت جواب دیا کہ وہ بھائی جو دوست بھی ہو اور کسی اہل علم کا قول ہے کہ دور کا آدمی اپنی دوستی کی وجہ سے قریب ہوتا ہے اور قریبی رشتہ دار اپنی عداوت کی وجہ سے دور۔

چنانچہ ہم نے چند باتیں بیان کیں جو اِن مقاصد کو اجاگر کرتی ہیں جو نسب کو محفوظ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ شریعت اسلامیہ نے بھی اس دستور کی تاکید کی ہے اور صریح احکامات سے اس کی طرف دعوت دی ہے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ علم الانساب ایک غیر مفید علم ہے اور اس کے نہ جاننے میں کوئی نقصان نہیں۔ علامہ ابن حزم نے "**کتاب النسب**" کے مقدمے میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا خیال یہ ہے علم نسب کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جس کا جاننا ضروری اور فرض ہے اور اس کا کچھ حصہ فرض کفایہ اور کچھ حصہ کا جاننا مستحب ہے۔

چنانچہ جاننا چاہیے کہ مسلمان کے لیے یہ جاننا لازمی ہے کہ حضرت محمد ﷺ عبداللہ ہاشمی کے بیٹے ہیں اور وہ ان کی مائیں ہیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہ کو جانے کہ ان سے محبت کرنا مطلوب ہے اور یہ کہ انصار کو جانے کہ ان سے نیک برتاؤ کرنے کی وصیت نبی اکرم ﷺ نے کی تھی اور ان سے محبت ایمان ہے اِن سے بغض منافقت ہے۔ بعض فقہا نے کہا کہ عربوں نے عربوں اور عجمیوں کے درمیان جزیے اور غلام بنانے میں فرق روا رکھا ہے۔ لہٰذا اس امر کو ملحوظ رکھنے کے لیے علم نسب کا جاننا اور بھی ضروری ہو گیا۔ اسی طرح بعض فقہا وہ ہیں جنھوں نے بنی تغلب اور دیگر عیسائی قبائل پر جزیہ لگانے اور دگنی زکواۃ ادا کرنے میں فرق روا رکھا ہے۔ چنانچہ ابن حزم کہتا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے مسلمانوں کے دیوان کو بھی قبائل کے اعتبار سے بنایا تھا اور اگر علم نسب نہ ہوتا تو یہ کام ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان ؓ اور حضرت علی ابن طالب ؓ نے انھی کی اتباع اختیار کی۔ علم الانساب کا جاننا اِن امور سے ہے جنھیں طلب کیا جاتا ہے اور ان معارف میں سے ہے جن کے جاننے کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ اس لیے کہ ان سے شرعی احکام اور دینی امور نکالے جاتے ہیں۔ چنانچہ کئی موقع پر شریعت مطہرہ نے انساب کا لحاظ رکھا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے نسب کا جاننا ضروری ہے اور یہ جاننا کہ آپ بنی قریش سے ہیں اور ہاشمی ہیں جو کے

میں تھے اور ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے۔ کیونکہ ایمان کے صحیح ہونے کے لیے اس کا جاننا ضروری ہے اور کسی مسلمان کو اس کے نہ جاننے سے معذور نہ سمجھا جائے گا اور اس علم کے ذریعے ان لوگوں کا بھی ابطال کیا گیا ہے جو اپنے نسب کو بدل لیتے ہیں اور اپنے اصلی نسب سے اعراض کرتے ہوئے خود کو کسی اعلیٰ خاندان کا فرد ظاہر کرتے ہیں۔

چنانچہ علم الانساب کی وجہ سے یہ ممکن نہ رہا کہ کوئی اپنے آباؤ اجداد کو چھوڑ کر خود کو کسی اور طرف منسوب کر سکے۔ مزید بیان کیا گیا کہ وراثت کے احکامات کا استخراج بھی علم الانساب کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ بعض لوگ اپنے ورثا میں سے کچھ کو مخصوص کر دیتے ہیں جن سے ان کے اصلی وارث کا حق رہ جاتا ہے۔ چنانچہ جب ایک ولی اپنے کسی رشتے دار کو کسی دوسرے قرابت دار پہ فوقیت عطا کرتا ہے تو وہ ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے مخصوص کر دیتا ہے۔ تب لوگوں کو اس بات کا حق حاصل رہتا ہے کہ وہ اپنا نسب ظاہر کریں اور احکام وقت سے اپنا حق وصول کریں۔ اسی طرح دیت کا معاملہ ہے کہ دیت میں رشتے داروں کے احکامات کے بارے میں بھی علم الانساب ہی فیصلہ کن عنصر کی حیثیت رکھتا ہے کہ نسب کے حوالے سے مقتول یا قاتل کا اصلی قرابت دار کون ہے۔ چنانچہ اس طرح دیت کا معاملہ سیدھا اس کے اصل حق داروں تک جا پہنچتا ہے۔ اِن میں ایک یہ بھی ہے کہ نکاح کرتے وقت میاں اور بیوی کے کفو ہونے میں نسب کا لحاظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے مذہب میں ہے کہ ہاشمیہ اور مطلبیہ عورت قریش کے دیگر گھرانوں کی کفو نہیں ہے اور قرشیہ عورت دیگر غیر قرشی عرب قبائل کی کفو نہیں ہے اور کنانیہ کے بارے میں علماء کی رائے میں اختلاف ہوا ہے ان کے بارے میں دو قول راجح ہیں مگر آئمہ نے اس صورت کو ترجیح دی ہے کہ عرب کے دیگر قبائل جو نہ کنانی ہیں نہ قرشی وہ ان کے کفو نہیں ہیں۔

اور اہل عجم کے نسب میں بھی اعتبار کی دو صورتیں ہیں جس میں ترجیح اس صورت کو ہے کہ نسب کا اعتبار ملحوظ رکھا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قریش سب کے سب ایک دوسرے کے کفو ہیں اور باقی تمام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ رہا عجمیوں کا معاملہ تو اِن کا نسب معلوم ہی نہیں لہذا اس کو نظر انداز کیا جائے گا اور عرب نکاح کے معاملے میں نسبی شرافت کو پیش نظر رکھتے تھے کہ حسب ان کے آباء کی شرافت پہ دلیل تھا جس کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”عورت سے شادی چار باتوں کی وجہ سے کی جاتی ہے اس کے دین کی وجہ سے ، اس کے حسب کی وجہ سے ،اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے حسن کی وجہ سے“۔

اورنسب کے جاننے کے بارے میں عربوں کی مہارت اورنگاہ عمیق کا ذکر آگے آتا ہے جب اہل عرب کے ماہرین انساب کا تذکرہ کیا جائے گا یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود تھا کہ اپنے اسی علم کی بدولت اہل عرب اپنے خالص نسب پہ فخر کرتے تھےاور اُن کو دور تک اپنے آباء کا علم ہوتا تھا۔علما لانساب کی بدولت ہی انھوں نے خود کو دوسروں سے ممتاز ومنفرد اور الگ رکھا اور جب اسلام اِن کے دلوں میں راسخ ہوگیا تو اُن کی خوبیاں کھل کے سامنے آگئیں اور انھوں نے ثابت کیا کہ وہی رسالت کے حق دار تھے اور وہی ہیں جنھوں نے اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا ہے۔علم الانساب کی دوری سے کیا نتائج نکل سکتے ہیں اُس پہ آج کا مغربی معاشرہ دلیل ہے جہاں جب کوئی بچہ جوان ہوتا ہے تو اُسے اپنی ماں کے نام کا تو علم ہوتا ہے مگر اپنے باپ کے بارے میں اُسے کچھ معلوم نہیں ہوتا حتیٰ کہ اُس کی ماں بھی حتمی طور پہ نہیں بتا سکتی کہ وہ کس کا نطفہ ہے اس لیے کہ مغربی عورت تو ہر رات کسی نئے مرد کی گود سجاتی ہے اور کب اور کس رات اُس کے رحم میں اس نطفے کی آمد ہوئی درست طور پہ وہ عورت بھی اس کا تعین نہیں کرسکتی اللہ تعالیٰ ہم کو اس قدر گہری پستی سے محفوظ رکھے۔آمین

طبقات الانساب

امام ماوردی نے اپنی کتاب " **الاحکام السلطانیہ** " میں اہل عرب کے علم الانساب کی تفصیل بیان کی ہے اور اس کے طبقات پہ سیر حاصل بحث کی ہے۔امام ماوردیؒ نے اہل عرب کے علم الانساب کو چھ مراتب میں منقسم کیا ہے اور انھیں طبقات الانسب قرار دیا ہے۔جس کی تفصیل یوں ہے کہ سب سے پہلے شعب ہے اس کے بعد قبیلہ ہے اس کے بعد عمارہ ہے پھر بطن ہے پھر فخذ اور آخر میں فصیلہ ہے۔چنانچہ انھوں نے بعید ترین نسب کو شعب کہا۔جیسے کہ عدنان اور قحطان ۔اور اسے شعب اس لیے کہا گیا کہ قبائل کی شاخیں اسی شجر سے پھوٹیں۔پھر قبیلہ آتا ہے جس میں آکر شعب کے انساب کی تقسیم ہوتی ہے اور قبائل وجود میں آتے ہیں جیسے کہ ربیعہ اور مضر۔اور اسے قبیلے اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں پہنچ کر نسب ایک دوسرے کے بالمقابل ہو جاتے ہیں۔اس کے بعد عمارہ آتا ہے جس میں قبائل کے انساب کی تقسیم عمل میں آتی ہے جیسے کہ قریش اور کنانہ۔اس کے بعد بطن آتا ہے جس میں عمارہ کا نسب منقسم ہو جاتا ہے۔جیسے کہ

بنی عبد مناف اور بنی مخزوم پھر فخذ آتا ہے جس میں انساب بطن کی تقسیم ہوتی ہے۔ جیسے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ ۔اس کے بعد فصیلہ آتا ہے جس میں فخذ کے نسب تقسیم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بنی ابی طالب اور بنی عباس وغیرہ۔ لہٰذا اصول طبقات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ فخذ فصیلے میں جمع ہوتے ہیں اور بطن میں فخذ جمع ہوتے ہیں۔ تب بطن میں عمارہ اور عمارہ میں قبیلے اور شعب میں قبائل اور جب انساب بعید ہوجاتے ہیں تو قبائل شعوب بن جاتے ہیں۔

اس معاملے میں ابو اسحٰق الزجاج کہتا ہے کہ عربوں کے قبائل کی وہی صورت ہے جو بنو اسرائیل کے اسباط کی تھی کیونکہ قبیلے کے معنی جماعت کے ہیں اور قبیلہ اس کو کہتے ہیں جہاں ہر چیز یا ہر نفس کو لاکر جمع کردیا جائے اور لفظ قبائل کو تو قبائل الشجر سے لیا گیا ہے اور قبائل درخت کی ٹہنیوں کو کہتے ہیں یا یہ کہ قبائل کا ذکر قبائل الراس سے کیا گیا ہے اور الراس سر کے اعضا کے کو کہتے ہیں۔ چونکہ انسان کی ابتدا سر سے ہی ہوتی ہے اس لیے قبائل کی ابتدا کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے اور شعوب سے مراد دور کا نسب ہے۔ یہ قول مجاہد کا ہے جس کا ذکر علامہ جریر طبریؒ نے اپنی کتاب "**تاریخ الامم والملوك**" میں کیا ہے۔ یاد رہے کہ علم الانساب کے جو طبقات امام ماوردیؒ کے حوالے سے پیش کئے گئے ہیں ان میں سے عام طور پہ لوگوں کی زبان پہ بطن اور قبائل ہی کا ذکر رہتا تھا۔ فخذ اور فصیلہ کا ذکر بہت کم کیا جاتا اور عام اصول یہ تھا کہ ان سب طبقات کو ایک ہی اصطلاع "حّی" میں بیان کردیا جاتا۔ مثلاً "حّی من العرب" کہ وہ عربوں کا ایک قبیلہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب عربوں کا دفتر تیار کیا گیا تو اسے مرتب کرتے ہوئے نسب کو رسول اللہ ﷺ کی قربت کے حوالے سے ترتیب دیا گیا۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے عربوں کے اصل نسب کا لحاظ رکھتے ہوئے دیوانِ عرب کو عدنان سے شروع کیا، مگر عدنان کو قحطان سے مقدم رکھا اس لیے کہ ان میں نبوت ہے اور رہے عدنان تو وہ ربیعہ اور مضر دونوں پہ مشتمل تھا تو آپ نے مضر کو ربیعہ پہ مقدم رکھا کہ نبوت ان میں ہے، اور مضر قریش اور غیر قریش پہ مشتمل تھے مگر دیوان میں قریش کو مقدم رکھا گیا کہ نبوت ان میں ہے اور قریش بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم پہ مشتمل ہیں مگر آپ نے قریش کو مقدم رکھا کہ نبوت ان میں ہے اس طرح بنو ہاشم عربوں کا محور بن گئے اور اس کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جو نسب میں ان سے قریب ہیں۔ یہاں کچھ بیان ان لوگوں کا مقصود ہے جو عرب میں علم الانساب کے حوالے سے ضرب المثل بن گئے تھے اور کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں نسب دان

موجود نہ ہو۔ عربوں میں سینکڑوں بلند پایہ نسب دان گذرے ہیں جن کا بیان ممکن نہیں ہم صرف چند لوگوں کا ذکر کریں گے جنھوں نے اس علم میں رفعت حاصل کی۔

صعصہ بن صوحان

جن لوگوں نے عربوں میں علم الانساب کے حوالے سے شہرت پائی ان میں صعصہ بن صوہان بھی شامل تھا۔عہدِ جاہلیت میں جو لوگ اپنی قوم کے حالات جاننے میں مقدم خیال کیے جاتے تھے ان میں صعصہ کو بھی شمار کیا جاتا تھا۔صعصہ نے اسلامی عہد پایا علامہ شبعیؒ کہتے ہیں کہ جب پہلی بار صعصہ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آیا تو حضرت معاویہؓ نے اس سے سوال کیا تو کن لوگوں میں سے ہے؟

اس نے کہا میں نزار کا ایک فرد ہوں۔

معاویہؓ نے کہا نزار کیا ہے؟

صعصہ نے جواب دیا کہ جب وہ کسی پہ چڑھائی کرتا ہے تو اسے گھیرے میں لے لیتا ہے اور جب وہ واپس آتا ہے تو تیزی سے واپس آتا ہے اور جب کسی سے جنگ میں ملتا ہے تو وسیع میدان میں ملتا ہے۔

اس پہ حضرت معاویہؓ نے کہا تو اس کی کس اولاد سے ہے؟

صعصہ نے جواب دیا میں ربعیہ میں سے ہوں۔

ربعیہ کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے پوچھا؟

تو صعصہ نے جواب دیا ربعیہ وہ ہے جو سواروں کو لے کر پہاڑوں پہ چڑھا کرتا تھا اور راتوں کو غارت ڈالا کرتا تھا اور جو کچھ حاصل کرتا اسے سخاوت کر دیتا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے پھر پوچھا تو اس کی کس اولاد سے ہے؟

اسد سے، صعصہ ہے نے کہا۔

اور اسد کیا ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے پوچھا؟

تو اس نے کہا کہ اسد وہ ہے جس کے دل میں جب کوئی بات سما جاتی تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا اور اسے حاصل کر کے ہی لوٹتا اور جب وہ اپنا مقصود حاصل کر لیتا تو لوگوں کو خوش کرتا اور جب واپس آتا تو پرانے کپڑے اتار دیتا۔

تب امیر معاویہؓ نے پوچھا تو اسد کی کس اولاد سے ہے؟

صعصہ نے جواب دیا، جدیلہ سے۔

جدیلہ کیا ہے سوال کیا گیا؟

صعصہ نے جواب دیا کہ جدیلہ عمدہ شاہسوار تھا۔ اصیل گھوڑے ہر وقت تیار رکھتا تھا وہ قد آور تھا اور تیغ زنی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

کہا تو جدیلہ کی کس اولاد سے ہے؟

کہا دعمی سے!

سوال ہوا دعمی کیا ہے؟

تو صعصہ نے کہا کہ وہ تو اٹھتی ہوئی آگ تھا کاٹ دینے والی جنگ تھا اور نفع رساں نیکی تھا۔

سوال ہوا تو دعمی کی کس اولاد سے ہے؟

صعصہ نے کہا کہ افصیٰ سے!

کہا افصیٰ کیا ہے؟

تو صعصہ نے جواب دیا کہ افصیٰ چھوٹے پہاڑوں پہ اترا کرتا تھا کثرت سے غارت ڈالنے

والا تھا اور پڑوسنوں کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا۔

امیر معاویہؓ نے کہا اچھا تم افصی کی کون سی اولاد سے ہو؟

توصعصہ نے جواب دیا کہ عبدالقیس سے۔

اور عبدالقیس کیا ہے سوال کیا گیا؟

جواب میں صعصہ نے کہا وہ دشمنوں کو پیچھے دھکیلنے والا بہادر تھا، سردار اور قائد تھا، شریف اور رئیس تھا۔

پوچھا گیا تو اس کی کس اولاد سے ہے؟

جواب دیا کہ افصیٰ سے!

کہا افصیٰ کیا ہے؟

جواب آیا کہ افصیٰ ایسے تیروں والا تھا جو دشمن کی طرف سیدھے رہتے تھے اور اس کی ہنڈیا ہمیشہ بھری رہتی تھی جبکہ اس کے پیالے خالی رہتے کہ کھانے والے کھاتے رہتے مگر اس کی سخاوت جاری رہتی۔

کہا گیا تو افصٰی کی کون سی اولاد سے ہے؟

جواب دیا کہ لکیز سے۔

لکیز کیا ہے سوال کیا گیا؟

توصعصہ نے جواب دیا کہ وہ خود جنگ میں حاضر رہتا اور بہادروں سے مقابلہ کرنا پسند کرتا اور اپنے زیر تصرف مال کو لوگوں میں بکھیرتا رہتا۔

کہا تو اس کی کس اولاد سے ہے؟

اس نے کہا عجل سے۔

اور عجل کیا ہے؟

صعصہ نے کہا کہ عجل تو ایک طاقتور شیر تھا اور چوٹی کا بادشاہ تھا جس کے آبا مدتوں سے سردار چلے آتے تھے۔

پوچھا تو عجل کی کس اولاد سے ہے؟

تو جواب آیا کعب سے۔

سوال کیا گیا کعب کیا ہے؟

جواب آیا کعب جنگ بھڑکا تا تھا اور عمدہ ضرب لگانے والا تھا اور لوگوں کی مصیبت کو دور کر دیتا تھا۔

پوچھا تو کعب کی کس اولاد سے؟

جواب آیا مالک سے۔

مالک کیا ہے سوال کیا گیا؟

صعصہ نے کہا کہ مالک بہادر بھی تھا اور سخی بھی اور بہادروں اور سخیوں کی اولاد تھا خود بھی سردار اور بہت ہی عطیہ دینے والا تھا اور سرداروں اور نوازنے والوں کی اولاد تھا۔

تب حضرت امیر معاویہؓ نے صعصہ سے کہا کہ تو نے قبیلہ قریش کی شان میں کچھ بھی تو باقی نہیں چھوڑا۔

صعصہ نے جواب دیا!

بلکہ میں نے تو بیشتر حصہ چھوڑ دیا ہے اور وہ حصہ چھوڑا ہے جسے میں پسند کرتا ہوں مگر شاید تم پسند نہ کرتے۔

تو امیر معاویہؓ نے کہا کہ ذرا ہم بھی تو سنیں کہ قریش کہ پاس اب باقی کیا بچا ہے؟

تو صعصہ نے جواب دیا کہ میں نے قریش کے لیے اونٹوں کی پشم والے، اور شہروں میں رہنے والوں کی شان چھوڑی ہے، اور ان کی بدوی روایات چھوڑیں ہیں، ان کی حضروی عظمت چھوڑی ہے، ان کے اموال اونٹوں کی قطاریں بکریوں سے بھرے پہاڑ اور سونے چاندی سے لدی وادیاں چھوڑی ہیں، صنعا، حضر موت، حجر، سبا، دومتہ جندل، مکہ اور مدینہ جیسے شہروں کا تذکرہ چھوڑا ہے۔ صفا مروہ اور شعائر حج چھوڑے ہیں ان کے گنبد اور قابل فخر باتیں چھوڑی ہیں۔ تخت اور منبر اور قیامت تک رہنے والی ان کی حکومتوں کا تذکرہ چھوڑا ہے۔ صعصہ جب یہاں تک پہنچا تو حضرت امیر معاویہؓ غصے سے بھر چکے تھے چنانچہ انھوں نے پکار کر صعصہ سے کہا۔

خدا کی قسم تو ایک ایسا خطیب ہے جسے میں کبھی پسند نہیں کر سکتا!

صعصہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے بھی یہ بات بہت تکلیف دیتی ہے کہ میں تمہیں اا لمومنین کہوں اتنا کہہ کر

وہ چل نکلا۔ پھر جب حضرت امیر معاویہؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو فرمایا اس آدمی کو لاؤ اس کے سینے میں عربوں کے بارے میں علم کا سمندر بھرا ہے اور میں ایسے آدمی کو ضائع نہیں کرسکتا۔ چنانچہ انھوں نے صعصہ کو دوبارہ بلایا اور اسے انعام واکرام سے نوازا اور کہا کہ تو نے اہل قریش کے بارے میں جو بھی کہا وہ سچ ہے۔

لنخار بن اوس بن الحرث

کہتے ہیں کہ یہ شخص عربوں کا سب سے بڑا ماہر انساب تھا اور اس علم میں اسے سب سے مقدم جانا جاتا تھا۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب عرب بھر میں علم الانساب میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا اور لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آیا کرتے تھے۔ ابوعبیدہ کہتا ہے کہ عربوں کے بارے میں نخار کا علم سب سے زیادہ تھا۔ قاموس اور شرح قاموس میں شداد نے لکھا کہ اس کا اصل نام النخار بن اوس بن ابیر القضاعی تھا اور اس کا تعلق سعد بن ھذیم کی اولاد سے تھا۔ یہ عربوں کا سب سے بڑا نسب دان تھا اس نے حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ پایا تھا۔ چنانچہ جب وہ ایک دفعہ دھاری دھار چوغہ پہن کر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آیا تو آپ نے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جسے محسوس کرتے ہوئے نخار نے اس سے کہا کہ میرا تو چوغہ تک تم سے کلام کرنے کا خواہش مند نہیں ہے میں تمہیں کیا جانتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس کے دربار سے اٹھا اور چلا گیا اور نخار کا علم کس پائے کا تھا اس کے بیان میں ابوبکر بن درید سے روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابوحاتم سے ابوعبیدہ نے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا کہ ابوزرارہ بجال حاجب العلقی جو علقمہ کی اولاد سے تھا نے کہا کہ اس کا ایک دوست یزید بن شیبان بن علقمہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ جب اسے شہر مکہ نظر آنے لگا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے جو اصیل اونٹوں پر سوار تھے ایک بوڑھے کو گھیر رکھا ہے۔ ان کے پالان میس کی عمدہ لکڑی سے بنے ہوئے تھے اور ان پر رنگی ہوئی چمڑے کی کھالیں پڑیں تھیں۔ یزید بن شیبان کے اندر تجسس نے سر اٹھایا تو وہ ان کی طرف ہولیا۔ اس نے اِن لوگوں کو سلام کیا اور کہا کہ یہ کون شخص ہے۔ لوگ خاموش رہے اور اس بوڑھے کی ہیبت اور عظمت کی وجہ سے چپ رہے اور اسے دیکھتے رہے۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی

کے بعد خود وہ بوڑھا ہی بولا اور اس نے کہا کہ میں مہرہ بن حیدان بن العمرو بن الحاف بن قضاعہ کا ایک فرد ہوں۔

یزید بن شیبان نے اسے دعا دی کہ اللہ تمہیں خوش رکھے اور اپنے اونٹ کی مہار موڑ لی۔

وہ وہاں سے چلنے کو تھا کہ بوڑھے نے اسے پکارا؛

اے نوجوان تم نے ہمیں اس طرح سونگھا جس طرح بھیڑیا بھیڑ بکریوں کو سونگھتا ہے اور پھر ہم سے ہمکلام ہوئے بغیر ہی جاتے ہو۔

جس پہ یزید بن شیبان نے مڑے بغیر جواب دیا۔

اے میرے بزرگ میں نے کسی برائی کے باعث آپ سے منہ نہیں موڑا بلکہ میں نے آپ کو اپنے قبیلے کا ہی کوئی فرد جانا کہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاؤں مگر جب آپ نے اپنا نسب بیان کر دیا جسے میں نہیں جانتا اور میرا خیال نہیں کہ تم میں سے بھی کوئی مجھے جانتا ہو گا اس لیے میں چلنے لگا۔

تب عربوں کے اس بوڑھے نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا اس نوجوان کو پکارا:

اور کہا تم مجھے نہیں جانتے تو نہ سہی مگر میں تو ہر عرب کو جانتا ہوں اگر وہ عربوں سے ہو۔

یزید بن شیبان کو بوڑھے کا آخری فقرہ برا لگا اور وہ رعونت سے پکارا میں اصلی عرب خون ہوں جس میں کوئی ملاوٹ ثابت نہیں کر سکتا۔

تب تو میں یقیناً تمہیں جانتا ہوں کہ عربوں کا کوئی گھر میری نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔

بوڑھے نے اسے جواب دیا۔

اور میں اس اونٹ سے اترنے سے پہلے تمہیں تمھارے باپ کا نام بتا دوں گا۔

تب یزید بن شیبان کو بتایا گیا کہ یہ عربوں کا سب سے بڑا نسب دان ہے۔

یزید بن شیبان نے بیان کیا اب میری دلچسپی بھی اس سے بڑھی اور میں نے اپنے اونٹ کی مہار چھوڑ دی۔

عربوں کی بنا چار ارکان پہ ہے ربعیہ، مضر، یمن اور قضاعہ تم کن سے ہو بوڑھے نے سوال کیا؟

مضر سے! یزید بن شیبان نے کہا:

بوڑھے نے پوچھا تم ارحا میں سے ہو یا شہسواروں میں سے؟

میں سمجھ گیا کہ ارحا سے بوڑھے کی مراد قبیلہ خندف ہے اور شہ سواروں سے اس کی مراد بنو قیس ہیں اس لیے میں نے کہا۔ ارحا سے"۔

پھر تو خندف سے ہوا ناں: بوڑھے نے کہا؟

ہاں: یزید نے جواب دیا۔

کیا تو ان کی ناک کی نوک سے ہے یا کھوپڑی سے۔ بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ بوڑھے نے ناک کی نوک سے مدرکہ کو مراد لیا ہے اور جمجمہ سے اس کی مراد طابخہ ہے۔

لہٰذا میں نے اسے جواب دیا کہ میں جمجمہ سے ہوں۔

پھر تو طابخہ سے ہوا ناں: بوڑھے نے کہا؟

میں نے جواب دیا: ہاں۔

کیا تو ان کے خالص لوگوں سے ہے یا رذیل لوگوں سے: بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ خالص لوگوں سے اس کی مراد تمیم ہیں اور رذیل لوگوں سے اس کی مراد رباب ہیں۔

خالص لوگوں میں سے: میں نے جل کر جواب دیا۔

پھر تو تمیم سے ہوا ناں؟

میں نے کہا: ہاں۔

تب بوڑھے نے پوچھا اے نوجوان۔

تم ان کے اکرامین (زیادہ عزت والوں) میں سے ہو یا احلمین (زیادہ حلم والوں) میں سے ہو؟ یا تم اقلین (کم تعداد والوں) میں سے ہو؟

تب میں سمجھا کہ بوڑھے کا مطلب احلمین سے عمرو بن تمیم ہیں، اکرمین سے زید مناۃ ہیں اور اقلین سے اس کی مراد الحرث بن تمیم ہیں۔ لہٰذا نے اس سے اپنا نسب بیان کیا اور کہا کہ میں اکرمین میں سے ہوں۔

پھر تو زید مناۃ سے ہوا ناں؟

میں نے کہا: ہاں۔

بوڑھے نے پوچھا؟

اے نوجوان تم جدود (نہر کے کنارے) سے ہو یا بحور (سمندروں) سے ہو یا ثماد (کم پانی والوں) میں سے ہو؟

اور میں سمجھ گیا کہ جدود تو مالک ہے اور بحور سے سعد ہے اور ثماد سے امراؤالقیس بن زید مناۃ ہیں۔

تو میں نے کہا: میں جدود سے ہوں۔

تب تو تُو بنی مالک سے ہوانا ں؟

میں نے کہا: ہاں۔

تم چوٹیوں (ذریٰ) سے ہو یا ارداف (چونتڑوں) سے ہو۔ بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ چوٹیوں سے اس نے حنظلہ مراد لیا ہے اور ارداف سے اس کی مراد ربعیہ اور معاویہ ہیں اور یہ کندھے کے دومہرے ہیں۔

میں نے کہا ذریٰ سے۔

پھر تو بنو حنظلہ میں سے ہوانا ں؟

ہاں: میں نے جواب دیا۔

کیا تو بدور (چاندوں) میں سے ہے، شہ سواروں میں سے ہے، یا جڑ سے ہے؟

بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ بدور سے اس کی مراد مالک ہے اور یربوع شہ سوار ہیں اور براجم جڑ سے ہیں۔

بدور میں سے: میں نے کہا۔

پھر تو بنی مالک بن حنظلہ سے ہوانا ں؟

ہاں: میں نے حیرت اور بے زاری کے ملے جلے احساس کے تحت جواب دیا۔

نوجوان کیا تم ان کی ناک کی نوک سے ہو یا ان کی جڑوں سے ہو یا ان کی گدی سے ہو؟

بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ ناک کی نوک سے اس کی مراد ارنبہ دارم ہیں، جڑوں سے عدویہ ہیں اور گدی سے ربعیہ

بن مالک بن حنظلہ ہیں۔

میں نے کہا میرے بزرگ میں ارنبہ میں سے ہوں۔

پھر تو درام سے ہوا ناں؟

ہاں: میں نے جواب دیا

کہا کیا تو ان کے گودے سے ہے ان کے ستاروں سے ہے یا ان کے ٹیلوں سے ہے؟

بوڑھے نے سوال کیا؟

میں سمجھ گیا کہ گودے سے اس کی مراد عبداللہ ہیں، ٹیلوں سے مجاشع اور ستاروں سے نہشل۔

میں نے کہا میں ان کے گودے سے ہوں۔

پھر تو بنی عبداللہ سے ہوا ناں؟

ہاں: میں نے جواب دیا

اب بوڑھے نے پوچھا؟ کیا تو بیت (گھرانے) میں سے ہے یا مددگاروں میں سے؟

میں سمجھ گیا کہ گھر والوں سے اس کی مراد بنو زرارہ ہیں اور مددگاروں سے اس نے احلاف کو جانا ہے۔

میں نے کہا: میں زرارہ سے ہوں۔

تو بوڑھے نے فوراً ہی جواب دیا کہ زرارہ کے دس بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں

حاجب، لقیط، عقلمہ، معبد، خزیمہ، لبید، ابوالحرث، عمرو، عبدمناۃ اور مالک۔

تو بتا ان میں سے تو کس کی اولاد ہے؟ بوڑھے نے پوچھا؟

عقلمہ کی۔ میں جواب دیا''۔

تو اے میرے نوجوان عقلمہ کے تو صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کا نام شیبان ہے اور تو شیبان کا ہی بیٹا ہے ناں؟

ہاں: میں نے مریل سی آواز میں جواب دیا کہ میں اس کی فراست اور علم سے ششدر تھا۔

اب اس بوڑھے نے میرا گھر جیسے کھول کر میرے سامنے رکھ دیا ہو۔

اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ نے تین عورتوں سے نکاح کئے جن میں ایک کا نام تو مہدد

بنت حمران تھا جس سے یزید پیدا ہوا۔ پھر اس نے عکرشہ بنت حاجب بن زرارہ سے نکاح کیا جس سے اس کے ہاں مامور پیدا ہوا۔ اور عمرہ بنت عدس اس کی تیسری بیوی تھی جس کے بطن سے اس کو مقعد ملا۔ تو اے میرے بھتیجے پھر تمھاری ماں کا نام مہدد ہوا اور تمھارا نام یزید بن شیبان ہی ہے ناں؟

ہاں: میں نے عجلت سے کہا اور ایک لمبا سانس لیا۔

تب بوڑھے نے کہا کہ بھتیجے جب بھی دو گروہ مدرکہ سے علیحدہ ہوئے تو تُو ان کے افضل گروہ میں سے ہوا۔ تا آنکہ تیرے دو بھائیوں نے تجھے تنگ کیا اور وہ دونوں ایسے ہیں کہ میرے نزدیک اگر ان کی ماں میری ماں ہوتی تو میں اسے زیادہ پسند کرتا بہ نسبت اس کے کہ تمھاری ماں میری ماں ہوتی۔

بھتیجے تمھارا کیا حال ہے: کیا میں نے تمہیں پہچان لیا ہے؟

تمھارے باپ کی قسم تم نے خوب پہچانا ہے۔

چنانچہ اس علم کے کیا کہنے اور نسب دانی کی عظمت کے کیا کہنے کہ جس کی وجہ سے انسان اس مرتبے کو پہنچا جس میں اس نے پوری قوم کے حالات اپنے ذہن میں سمو لیے اور عرب تو اس کثرت سے ہیں کہ ان کا بیان طویل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے عطیے بھی بے مثال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت جب کسی کو حاصل ہو اور جب وہ کسی کو توفیق عطا کرے تو اس کے لیے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے اور وہ اس حد پہ جا پہنچتا ہے جس تک بڑی کوشش کرنے والا بھی نہیں پہنچ سکتا۔ الحمد و للہ

ذغفل بن حنظلہ السدوسی

اہل عرب میں علم الانساب کے حوالے سے جن لوگوں نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا ان میں ذغفل بھی شامل تھا اور اس کا درجہ یہ تھا کہ اس کا نام ضرب المثل بن کے رہ گیا چنانچہ عرب کہا کرتے کہ "**فُلانٌ اَنسِبُ من ذغفل**" فلاں شخص ذغفل سے بھی بڑا نسب دان ہے۔ ذغفل کا تعلق بنی ذہل بن ثعلبہ سے تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تھا۔ تاہم اس نے نبی اکرم ﷺ سے کوئی روایت نہیں کی۔ مگر حضرت امیر معاویہؓ سے اس کی ملاقات ثابت ہے۔ بیان کیا گیا کہ ایک دفعہ جب ذغفل حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں موجود تھا تب اس نے بہت سی باتیں کیں اور لوگوں کے احوال بیان کئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ذغفل سے پوچھا تو نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ سوال کرنے والی زبان اور عقلمند دل کے ذریعے اور مزید براں یہ کہ علم پہ آفت آتی ہے اور علم کو ضائع کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا فیضان کم ہو جاتا ہے اور اس سے سیری نہیں ہوتی۔ چنانچہ نسیان علم کی آفت ہے اور کسی نااہل شخص سے علم کا بیان کیا جانا اس کے ضائع کرنے کے مترادف ہے اور علم کے فیضان کا کم ہو جانا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان اپنے بیان میں جھوٹ کی ملاوٹ کرے۔ تب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دربار میں بیٹھے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ذغفل سے کہا کہ کیا تم اس شخص کا نسب بیان کر سکتے ہو۔ ذغفل نے کہا کہ ہاں اور اس شخص کا نام قدامہ بن جراد القریعی تھا۔ ذغفل نے چند ہی لمحوں میں اس کا نسب بیان کر دیا اور جب وہ جراد کے باپ تک پہنچا تو اس نے کہا کہ جراد کے ہاں دو

بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کو میں جانتا ہوں کہ ان میں سے ایک تو اپنے رب کی بہت عبادت کرنے والا تھا اور دوسرا ایک احمق شاعر تو تم کون ہو؟ اس پہ قدامہ نے کہا کہ میں سفیہ شاعر ہوں اور تو نے میرے متعلق جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ بالکل درست ہے اور تجھ پہ میرا باپ قربان ہو ذرا یہ تو بتا کہ میں کب مروں گا تب ذغفل نے اس سے کہا یہ سوال میرے احاطہ علم سے باہر ہے تاہم میں اپنی فراست سے اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تجھے قتل کیا جائے گا۔قدامہ لوگوں کی ہجو کیا کرتا تھا اس لیے بعد میں ارزاقہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

میدانی نے عربوں کی اس مشہور مثل "**اِنَّ البلَاءَ مُوَکَّلٌ بِالمنطِقِ**" (کہ ہماری اپنی کہی ہوئی باتیں ہی ہماری مصیبت کا باعث بنتی ہیں) پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ فقرہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے ادا ہوا جو کہ خود بھی اہل عرب کے بڑے نسب دانوں میں شامل تھے۔ابن عباسؓ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب آپ کھل کر اپنے قبائل کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کریں تو ایک دن جب میں اور حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے عربوں کی ایک مجلس میں پہنچے۔تب حضرت ابو بکرؓ جو کہ عربوں کے بڑے نسب دان تھے وہ آگے بڑھے اور انھوں نے ان لوگوں کو سلام کیا تو اِن لوگوں نے اس سلام کا جواب دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کا تعلق عربوں کے کس قبیلے سے ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم ربعیہ میں سے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے سوال کیا؟

تم ربعیہ کے اشراف سے ہو یا درمیانے طبقے سے ہو؟

انھوں نے کہا! ہم ان کے عظیم شرفاء میں سے ہیں!

حضرت ابو بکرؓ نے پھر پوچھا تم ان کے کون سے شرفاء میں سے ہو؟

ذہل اکبر سے: لوگوں نے جواب دیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے ان سے سوال کیا؟

کیا عوف نامی وہ شخص تمھیں میں سے گذرا ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "**لَا حُرَّ بِوَادِیْ عَوْفٍ**" (کہ عوف کی وادی میں کوئی آزاد شخص نہیں ہے)۔

انھوں نے کہا! نہیں وہ شخص ہم میں سے نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے پھران سے سوال کیا ؟

کیا تمہیں میں سے جسباس بن مرہ تھا جواپنے عہد کی حفاظت کرنے والا تھا اور پناہ گزینوں کی حفاظت کرتا تھا؟

لوگوں نے کہا کہ نہیں! یہ شخص بھی ہم میں سے نہ تھا۔

تب حضرت ابوبکرؓ نے ان سے سوال کیا؟

کیا تم میں سے الحوفزان نامی شخص گذرا ہے جو بادشاہوں کا قاتل اوران کی جانیں سلب کرنے والا تھا؟

لوگوں نے جواب دیا نہیں: یہ شخص بھی ہم سے نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا؟

کیا تمہیں میں سے آگے بڑھنے والا پگڑی والا فرد تھا؟

انھوں نے کہا نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا؟

کندی بادشاہوں کے ماموں تمہیں میں سے تھے؟

انھوں نے کہا کہ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا؟

کیا تمہیں میں سے وہ لوگ تھے جو لخم کے بادشاہوں کے داماد تھے؟

انھوں نے کہا نہیں۔

تب حضرت ابوبکرؓ مسکرائے اوران لوگوں سے کہا کہ پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ تم ذہل اکبر میں سے ہو تم تو ذہل اصغر میں سے ہو۔

یہ سن کران لوگوں کی مجلس سے ایک لڑکا کھڑا ہوا۔ جو بالکل نوعمر تھا اور اُس کے چہرے پہ ابھی چند ہی بال دکھائی دیتے تھے۔

اس نے حضرت ابوبکرؓ کو پکارا اور کہا:

اِنَّ عَلٰی سَائِلِنَا اَنْ نَسَالَہٗ
والعِبْءَ لَا تَعْرِفُہٗ اَوْ تَحْمِلَہٗ

ہمارا حق ہے کہ ہم بھی اپنے سائل سے کچھ سوال کریں اور جب تک تو خود بوجھ نہ اٹھالے تو اسے نہیں جان سکتا کہ بوجھ کتنا ہے۔

تو نے ہم سے سوال کیئے ہم نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی اب ذرا ہم بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ہمارا مہمان کون ہے؟

میں قریش کا یک فرد ہوں: حضرت ابوبکرؓ نے اسے جواب دیا۔

بہت خوب۔اس نے جواب دیا۔

یہ تو شرف اور ریاست والے لوگ ہیں۔

اس نے حضرت ابوبکرؓ سے سوال کیا؟

مگر تو قریش کی کس شاخ سے ہے؟

تیم بن مرہ سے: حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔

تب وہ لڑکا بولا:

خدا کی قسم تو نے تیر انداز کو گردن کے گڑھے پر تیر مارنے کا موقع دیا ہے۔کیا قصی بن کلاب جس نے فہر کے قبائل کو جمع کیا اور جسے مجمع کہا جاتا تھا وہ تمہیں میں سے تھا؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: نہیں۔

لڑکے نے بنا سانس لیے اگلا سوال کیا؟

کیا وہ ہاشم جس نے اپنی قوم کو ثرید بنا کر کھلایا تھا حالانکہ مکے کے لوگ قحط سالی کا شکار تھے اور بھوکے تھے تمہیں میں سے تھا؟

نہیں: حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

لڑکے نے پوچھا؟

اور وہ جو آسمان کے پرندوں کو کھانا کھلانے والا تھا جس کو شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) کہا گیا اور جس کا چہرہ تاریک راتوں میں چاند کی طرح چمکا کرتا تھا وہ تمہیں سے تھا؟

نہیں: حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

لڑکے نے کہا؟

کیا تم اہل رفادہ میں سے ہو؟

نہیں: حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

تو کیا اہل حجابت میں سے ہو؟ اس نے پھر سوال کیا؟

نہیں: حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

تو کیا تم اہل سقایہ میں سے ہو؟ لڑکے نے تیز لہجے میں کہا:

نہیں: حضرت ابوبکرؓ نے کہا اور اپنی اونٹنی کی مہار کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل نکلے۔

تب اس لڑکے نے پیچھے سے ان کو پکارا اور کہا۔

صَادَفَ دَرْءُ السَّيْلِ دَرْ اَيَدْفَعُهُ
يَهِيْضُه حِيْنًا وَحِيْنًا يَصْدَعُهُ

اور ایک طغیانی ریلے کا ٹکراؤ دوسرے ریلے سے ہو گیا جس نے اسے دھکیل دیا وہ کبھی اسے توڑتا اور کبھی اسے پھاڑتا تھا۔

خدا کی قسم اے قریش کے آدمی اگر تو ٹھہرا رہتا تو میں تجھے بتا دیتا کہ تو قریش کے ادنیٰ لوگوں میں سے ہے۔ ان کے اشراف سے نہیں اور یاد رکھنا کہ میرا نام دغفل بن حنظلہ السدوسی ہے اور میں بنی شیبان سے ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس پہ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور حضرت علی ابن طالبؓ

جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی تھی کہا کہ یہ کیا بدوی تھا ایک بلا تھی جو تمہیں چمٹ گئی تھی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ مسکرائے اور کہا ہاں ایسے کو تیسا کبھی مل ہی جاتا ہے اور انسان کی گفتار ہی اس کے لیے مصیبت کا سبب بنتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ذغفل جس طرح نسب کے جاننے میں ماہر تھا اسی طرح انواء آسمانوں کے علم اور قبائل کے حالات جاننے میں بھی صفت کمال کا حامل تھا۔ چنانچہ ہیم بن عدی نے عوانہ سے روایت کیا ہے کہ زیاد نے ذغفل سے عربوں کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ جاہلیت کا زمانہ یمن کے لیے تھا۔ اسلام کا زمانہ مضر کے لیے ہے اور ان دونوں کے درمیان کا زمانہ ربعیہ کے لیے ہے۔ اس سے کہا گیا کہ کچھ مضر کے بارے میں بتاؤ۔ تو اس نے کہا کہ ان پہ کنانہ کی وجہ سے فخر کرو تمیم کی وجہ سے غلبہ حاصل کرو اور قیس کی مدد سے جنگ کرو ۔ کیونکہ شہ سوار اور بہادروں کی ان میں بہتات ہے۔ رہا قبیلہ اسد تو یہ مکار اور ذلیل لوگ ہیں کسی نے اس سے پوچھا کہ بنی عامر بن صعصہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ تو ذغفل نے جواب دیا کہ ان کی گردنیں تو ہرنوں کی سی ہیں مگر کولہے عورتوں جیسے ہیں۔ اچھا تو بنی اسد کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ ذغفل سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ لوگ فال نکالنے والے اور قیافہ شناس ہیں اور سب کے سب فصیح ہیں۔

کسی نے ذغفل سے سوال کیا؟

تو بنی تمیم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

ذغفل نے کہا:

کھردرا پتھر ہے اگر تو اس کے سامنے آجائے تو تجھے دکھ دے گا اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو تجھے معاف کردے گا۔

اچھا تو بنو خزاعہ کے بارے میں کیا جانتا ہے۔ ذغفل سے پوچھا گیا؟

بھوک ہے اور باتیں ہیں۔ ذغفل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور تو اہل یمن کے بارے میں کیا کہتا ہے کسی نے اس سے پوچھا؟

ذغفل نے جواب میں کہا:

کہ ان میں سردار بھی ہیں اور احمق بھی۔

پھر اس نے اہل یمن کے متعلق نصر بن سیار کے یہ شعر پڑھے۔

اِءِنَّا وَهٰذَا الّحیُّ مِنْ یَمَنٍ
عِنْدَ الفَخَارِ اَعِزَّةٌ اکْفَاءٌ

ہم اور یمن کا یہ قبیلہ مفاخرت کے وقت طاقتور اور ایک دوسرے کے ہم سر ہیں۔

قَوْمٌ لَهُمْ فِیْنَا دِمَا ءٌ جَمَّةٌ
وَلَنَّا لَدَیْهِمْ اِحْنَةٌ وَدِمَاءٌ

اور یہ ایسی قوم ہے جن کے بہت سے خون ہمارے ذمے ہیں اور ہمیں بھی ان سے کئی عداوتیں ہیں۔

وَرَبِیْعَةُ الاذْنَابِ فِیْمَا بَیْنَنَا
لَا هُمْ لَنَا سِلْمٌ وَلَا اَعْدَاءٌ

اور ربعیۃ الاذناب ہم دونوں کے درمیان ایسے ہیں کہ ہماری نہ ان سے صلح ہے اور نہ جنگ۔

اِءنْ یَنْصُرُوْنَا لَا نَعِزُّ بِنَصْرِھِمْ
اویَخْذُلُوْنَا فَا لسَّمَاءُ سَمَاءُ
اگر وہ ہماری مدد کریں تو ہم ان کی مدد سے طاقتور نہ بن سکیں گے اور اگر وہ ہمیں چھوڑ دیں تو یہ آسمان جب بھی آسمان ہی رہے گا[61*]''۔

ابن لاعرابی نے ذغفل کے متعلق لکھا ہے کہ جب ذغفل نسابہ چراغ سحری تھا اور نابینا ہو چکا تھا تب ان دِنوں میں انصار کی ایک جماعت اس کے پاس آئی اور اسے سلام کیا: ذغفل نے کہا تم کون لوگ ہو؟

انھوں نے جواب دیا: ہم یمن کے سردار ہیں۔

ذغفل نے ان سے سوال کیا؟

کیا اس کی قدیم بزرگی اور اس کی وسیع شرافت کندہ میں سے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: نہیں۔

ذغفل نے ان سے پوچھا؟

پھر تم لمبی گردنوں والے اور خالص نسب والے بنوالمدان ہو؟

لوگوں نے جواب دیا: نہیں۔

ذغفل نے ان سے پوچھا؟

پھر تم کثیر التعداد فوجوں کی خوب قیادت کرنے والے اور دشمن کی صفوں کو خوب چیرنے والے اور تلواروں سے خوب مارنے والے عمرو بن معدیکریب کے کنبے سے ہو؟

لوگوں نے کہا: نہیں۔

ذغفل نے ان سے پھر پوچھا؟

کیا تم حاتم بن عبد الطائی کے کنبے کے وہ لوگ ہو جن کا سامان ضیافت ان کے ہاں ہر وقت موجود رہتا ہے اور جن کے صحن پاکیزہ ہیں اور جو جنگ کے موقع پر بہت قوی ہو جاتے ہیں۔

لوگوں نے کہا: نہیں ہم ان میں سے بھی نہیں۔

تب ذغفل نے ان سے دریافت کیا؟

کیا تم کھجور کے درخت لگانے والے قحط سالی میں لوگوں کو کھانا کھلانے والے اور عدل اور انصاف کی بات کہنے والے انصار میں سے ہو؟

لوگوں کے دل خوشی سے بھر گئے اور انھوں نے کہا کہ ہاں ہم انصار مدینہ ہیں۔

عمر کے اس آخری حصے میں ذغفل کی سمجھ اور ذکاء پہ غور کریں تو عربوں کی وہ بلند حیثیت ہماری نظروں میں اجاگر ہوگی جو تاریخ کے دبیز پردوں کے پیچھے گم تھی ان کی فراست اور دور بینی کا اندازہ لگانا از حد دشوار ہے۔عرب کے شدید موسموں اور جفا طلب زمینی حقائق نے ان کے اندر سختی کا سامنا کرنے کا جو حوصلہ پیدا کیا اس نے ان کے اندر ان علوم کو پختہ کیا جن سے لوگ اب تک نا آشنا تھے۔علم الانساب ہی کی مثال سامنے رکھیں تو ہم جانیں گے کہ یہ ان علوم میں شامل ہے جن کا ذکر دنیا کی دوسری اقوام کی تاریخ میں مفقود ہے اور عربوں کا تو یہ حال تھا کہ انسانوں کی نسل کو جاننا تو ایک طرف رہا ان کو تو اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی سو سو پشتوں کے نام زبانی یاد رہا کرتے تھے۔عربوں میں بہت سے لوگ علم الانساب کے ماہر تھے بلکہ ہر قبیلے میں ایک نسب دان ضرور ہوا کرتا جو اپنے قبیلے کی عصمت کی حفاظت پہ معمور ہوتا۔دراصل اُس وقت علم نسب کے اس ماہر کی ضرورت بڑھ جاتی جب کوئی اجنبی اپنا نسب اُن کے قبیلے سے جوڑنے کی کوشش کرتا۔تب قبیلے کا ماہر نسب اس بات کا فیصلہ کرتا کہ اس شخص کا دعویٰ سچا ہے یا وہ جھوٹ کہتا ہے۔چنانچہ ایک اجنبی لڑکے نے دعویٰ کیا کہ وہ قبیلہ بنو نہشل سے آیا ہے اور اسے تیم بن مرہ میں قبول کیا جائے وہ کہیں دور سے آیا تھا۔قبیلے کے ماہر نسب کو طلب کیا گیا۔لڑکے نے جو باتیں اپنی ماں سے سنیں تھیں وہ ماہر نسب کو بتا دیں۔ماہر نسب نے اُس سے چند سوال کیے اور فیصلہ کیا کہ لڑکے کا دعویٰ درست ہے اور آج سے اس کو بنو تیم بن مرہ میں شامل سمجھا جائے گا۔لوگوں نے اُس کے فیصلے کو تسلیم کیا۔

رسول اکرم ﷺ کا نسبی شرف

اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں میں بھیجے جانے والے پیغمبروں میں بعض باتیں مشترک ہوتی ہیں جن میں یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوتے ہیں۔اُن کا نسب شک وشبہ سے مبرا اور پاک ہوتا ہے۔اللہ کے پیغمبر خوبصورت اور بااثر شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔اللہ کے پیغمبر خوش خلق،خوش رو اور خوش لباس ہوتے ہیں اللہ کے پیغمبر مدبر اور اعلیٰ سوچ سمجھ والے ہوتے ہیں۔وہ کائنات پہ غور کرتے ہیں اور لوگوں کو اُن امور سے آگاہ کرتے ہیں جن سے وہ ناواقف ہوتے ہیں۔اللہ کے پیغمبر وحی کے امین ہوتے ہیں اور اس کو کسی کمی بیشی کے بغیر لوگوں تک منتقل کرتے ہیں۔اللہ کے پیغمبر دنیا کے معاملات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور لوگوں کی راہنمائی امورِ خیر کی طرف کرتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ چونکہ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اس لیے وہ ان صفات کے جامع تھے جو دوسرے پیغمبروں میں موجود تھیں۔اُن میں حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر تھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن،اُن میں موسیٰ علیہ السلام کا تدبر تھا تو خلیل اللہ علیہ السلام کی معرفت تھی،اُن میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلم تھا تو حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کی سیادت وحکومت،ان میں

حضرت صالح علیہ السلام کی متانت تھی تو حضرت نوح علیہ السلام کی طویل دعوت کا صبر بھی موجود تھا۔حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے شرف کے متعلق یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے حضرت ابراھیم علیہ السلام کا انتخاب فرمایا اور انھیں اپنا دوست بنایاپھر حضرت ابراھیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نزار کا انتخاب کیا پھر نزار کی اولاد میں سے مضر کو منتخب کیا پھر مضر کی اولاد میں بنی کنانہ کو منتخب کیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے بنو ھاشم کو چنا پھر بنو ھاشم کی اولاد سے عبدالمطلب کا انتخاب کیا اور بنو عبدالمطلب میں سے میرا انتخاب کیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اسی طرح قریش اور نبی اکرم ﷺ کے نسب کے فضائل بیان کرتے ہوئے جعفرابن محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ہم سے ارشاد فرمایا کہ:

"میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا:

اے محمد ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا اور میں دنیا کے مشرق اور مغرب میں گیا۔شمال اور جنوب کے میدانوں اور پہاڑوں میں گھوما۔

مگر مجھے بنو مضر کے سوا دنیا بھر کے جانداروں میں کوئی چیز خیر اور بھلائی کی نہیں ملی۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر میں بنی مضر میں گھوما۔

مگر مجھے کنانہ کے سوا کوئی بہتر انسان نہ مل سکا۔

پھر اللہ کے حکم سے میں بنی کنانہ میں گھوما۔

مگر مجھے قریش کے سوا کہیں معیاری لوگ نہ ملے۔

پھر میں اللہ کے حکم سے قبیلہ قریش میں گھوما۔

مگر مجھے بنی ہاشم سے بہتر لوگ نہیں ملے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں بنی ہاشم میں سے بہترین آدمی کا انتخاب کروں“۔

تو میں نے جانا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی بہتر انسان اس کائنات میں موجود نہیں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور آپ ﷺ کے نسبی شرف کے حوالے سے خود نبی اکرم ﷺ سے بے شمار روایات موجود ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت اور اُن کے قبیلے کی دیگر قبائل پہ برتری کو بیان کیا گیا ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت بیان کی گئی کہ:

”میں نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا! فلاں آدمی کو بنی ثقیف کے آدمی کے بدلے میں قتل کر دیا گیا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اسے دور کرے وہ قریش سے بغض رکھتا تھا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”**جامع صغیر**“ میں بیان کیا گیا کہ قریش لوگوں کی راستی اور نیکی ہیں اور لوگ اِن کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ کھانا نمک کے بغیر درست نہیں ہوتا اور یہ کہ قریش اللہ کے دوست ہیں اس لیے جس نے اِن سے لڑائی کی وہ تباہ ہوا اور جس نے اِن سے برائی کرنے کا ارادہ کیا وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ:

”جس نے قریش کی توہین کا ارادہ کیا اللہ اس کی توہین کرے گا اور سب سے بدتر توہین جو ہو سکتی ہے وہ آخرت کی توہین ہے“

حضرت ام ہانیؓ بنت ابوطالب نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اہل قریش کی سات خصوصیات کی وجہ سے اُن کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہ خصوصیات ایسی ہیں جو نہ اِن سے پہلے کسی میں تھیں اور نہ اُن کے بعد کسی کو دیں گئیں اور وہ یہ ہیں۔

- کہ نبوت میں اِن میں تھی۔
- خلافت اِن میں تھی۔
- منصب حجابہ اُن کے پاس تھا۔
- منصب سقایہ اِن کے پاس تھا۔
- ابرہہ کے لشکر پہ اِن کو فتح ہوئی۔
- قرآن میں اِن کا ذکر ہوا ہے۔
- اور یہ کہ تاریخ کے ایک دور میں دس سال تک قریش کے سوا کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ تھا۔

یاد رہے کہ مضر میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو وہی درجہ حاصل تھا جو پانی پہ دودھ کو حاصل ہوتا ہے۔اُن کی فضیلت مسلّمہ تھی اور اُن کے اوصاف دیگر تمام عربوں سے افضل تھے۔یہی وجہ تھی کسی عرب قبیلے کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ اِن کی نسبی اور اخلاقی برتری پہ انگلی اٹھا سکے اور نہ کبھی کسی نے اُن سے مفاخرت کی کوشش کی تھی۔اس لیے کہ جتنے عمدہ اوصاف خیالات اور اعمال کے مالک اہل قریش تھے دیگر قبائل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور سب سے بڑھ کے تو یہ کہ وہ اِن کے مذہبی پیشوا تھے وہ بیت اللہ کے والی تھے اور یہ ایسا منصب تھا جس نے عرب بھر کو قریش کے آگے جھکا رکھا تھا۔

قریش میں سخاوت تھی، شجاعت تھی، مہمان نوازی تھی، دانش تھی اور سب سے بڑھ کے یہ کہ وہ کوئی بدو عرب نہ تھے وہ شہری اور متمدن تہذیب کے پروردہ تھے۔اہل قریش کے تعلقات روم وفارس اور حبشہ جیسے ممالک کے سربراہان سے تھے اور اُن کے تجارتی قافلے اِن ممالک میں بغیر محاصل ادا کیے داخل ہوتے تھے۔جبکہ بیرونی ممالک سے مکہ میں اترنے والے تجارتی قافلے اس بات کے پابند تھے کہ اہل قریش کو تجارتی محصول ادا کریں۔عرب مذہبی معاملات میں قریش کی پیروی کرتے تھے اور قریش کی بات اُن کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔قریش نے حمس اور اس جیسی کئی باتیں ایجاد کر رکھی تھیں جن کی بنا پہ وہ دوسرے عربوں سے ممتاز ہو چکے تھے۔قریش میں جوانوں کی تعداد کافی تھی اس لیے وہ طاقت ور تھے اور اُن کی تجارت دیگر عرب قبائل سے بہت بڑھی ہوئی تھی اس لیے وہ دوسرے عرب قبائل سے معاشی طور پہ برتر تھے۔چنانچہ اُن میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو کسی قبیلے کو راہنمائی اور حکومت حاصل کرنے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔یعنی وہ طاقتور تھے، معاشی طور پہ برتر تھے اور روحانی طور پہ لوگ اِن کی پیروی کو اچھا جانتے تھے۔چنانچہ حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”اہل قریش سے محبت رکھنا ایمان ہے اور قریش سے بغض رکھنا کفر ہے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت میں کہ!

’’نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: علم قریش میں ہے امامت قریش میں ہے خلافت قریش میں ہے‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

’’قریش کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔‘‘

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ:

’’قریش کو برا مت کہو کہ ان کا عالم طبقاتِ زمین کو علم سے بھر دیتا ہے۔‘‘

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

’’ قریش کو آگے رکھو اِن سے آگے مت بڑھو‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

’’قریش پر علم میں غلبہ پانے کی کوشش مت کرو‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

’’قریش کو اُس ادنیٰ مقام پہ مت رکھو جو استاد کے مقابلے میں شاگرد کا ہوتا ہے‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

”آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش سے محبت کرو اس لیے کہ جو اِن سے محبت کرے گا اللہ اُس سے محبت کرے گا“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے قریش کے مغرور ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں بتا دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کا رتبہ کتنا اعلیٰ اور بلند ہے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

”سنن ماثورہ میں امام شافعیؒ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ قتادہ ابن نعمان کا کسی بات پہ اہل قریش سے جھگڑا ہو گیا اور وہ انھیں برا بھلا کہنے لگے۔ اسی دوران نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور قتادہ سے کہا۔ ٹھہرو قتادہ قریش کو برا مت کہو۔ اس لیے کہ شاید تمھیں ان میں ایسے آدمی نظر آ جائیں جن کو اگر تم دیکھ لو تو تم اُن سے خوش ہو جاؤ اس لیے کہ اگر مجھے قریش کی سرکشی کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں بتا دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن کا درجہ کتنا بلند ہے“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

”آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک قریش امانت دار ہیں اور جو اِن کے لیے برائی چاہے گا اللہ تعالیٰ

اس کے چہرے کو اوندھا کر دے گا اور آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ [62*]۔

" سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ایک بار وہ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ اُن کے پاس سے حضرت سعیدؓ ابن عاص کا گزر ہوا حضرت عمر فاروقؓ نے اُن کو سلام کیا۔ سعیدؓ ابن عاص نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُن کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا!

اے میرے بھتیجے خدا کی قسم میں نے روزِ بدر تمھارے باپ عاص کو قتل نہیں کیا تھا اس لیے کہ اگر میں نے اِن کو قتل کیا ہوتا تب بھی ایک مشرک کے قتل پہ پشیمان نہ ہوتا اور نہ تم سے معذرت کرتا۔

سعیدؓ بن عاص نے جواب دیا۔

اگر آپ ہی اِن کو قتل کرتے تب بھی مجھے دکھ نہ ہوتا اس لیے کہ آپ حق پہ تھے اور وہ باطل پہ۔

حضرت عمرؓ سعیدؓ بن عاص کی بات سن کر حیران رہ گئے اور کہا:

خدا کی قسم! اہل قریش خیالات اور اعمال کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے افضل ہیں اور امانت داری کے حوالے سے اُن کا درجہ بہت بلند ہے اس لیے جو قریش کی بدخواہی کرے گا وہ یقیناً ذلیل ہو گا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

مورخین نے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر میں جب کفار قریش نے مسلمانوں پہ حملہ کیا تو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس کے ہاتھوں کون قتل ہو رہا ہے۔ جب جنگ کچھ تھمی تب ہم نے جانا کہ قریش کے تقریباً تمام نامی سردار قتل ہو گئے تھے۔ وہ جنگ بھی ایک عجیب جنگ تھی بیٹا باپ پہ تلوار چلا رہا تھا اور باپ بیٹے پر۔ سعید بن عاصؓ کے والد عاص بھی اسی وقت قتل ہوئے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عاص کو حضرت علی ابن ابو طالبؓ نے قتل کیا تھا مگر ایسا ہی دعوی سعدؓ ابن وقاص نے بھی کیا کہ انھوں نے

عاص کو قتل کیا تھا اور اس کے ہتھیار لے لیے تھے۔ چونکہ عاص کی تلوار حضرت سعد بن وقاصؓ کے پاس تھی اس لیے بہت سے مورخین نے اُن کے دعویٰ کو درست جانا ہے اور سعد بن وقاصؓ ہی کو عاص کا قاتل بتایا ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور مدائنی لکھتا ہے کہ؛

''عربوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں کہ اس کے مضر اور اس کے ربیعہ اور اس کے یمانی میں آنحضرت محمد ﷺ کی ولادت نہ ہوئی (یعنی یہ کہ مضر ہو یا ربیعہ یمانی میں جا کر تمام قبائل باہم مشترک ہو جاتے ہیں یا اسی بات کو آسانی کے لیے یوں کہہ لیں یہ تینوں یعنی مضر ربیعہ اور یمانی عربوں کے مشترکہ اجداد ہیں اس لیے عرب کا ہر قبیلہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے قرابت دار ہیں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اہل قریش کی نسبی برتری کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ!

''اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر ان میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا پھر بنی آدم میں سے عربوں کو منتخب فرمایا اور عربوں میں سے مضر کو منتخب فرمایا پھر مضر میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور میں بنو ہاشم کا بہترین آدمی ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ نے میرا انتخاب کیا پس میں بہترین لوگوں میں سے بہترین لوگوں تک ہوں''۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اہل قریش کی نسبی برتری کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ!

''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس دنیا میں بھیجا انھوں نے انسانوں کی دو قسمیں کیں ان میں سے ایک عرب ہیں اور دوسرے عجم اِن دو قسموں میں سے اللہ

تعالیٰ نے عربوں کو پسند فرمایا پھر عربوں کی دو قسمیں کیں ان میں سے ایک قسم تو اہل یمن کی تھی اور دوسری قسم مضر کی ہے پھر جبرائیل علیہ السلام نے مضر کی دو قسمیں اور اِن کی ایک قسم قریش کہلائی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو پسند فرمالیا اور میں قریش سے ہوں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

شفاء ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور مجھے اُن میں رکھا جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اللہ پاک نے قرآن حکیم میں اس امر کی تصدیق یوں فرمائی ہے کہ!

مَآ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ مَآ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ واقعہ ۵۶ : ۷)

ترجمہ؛

”وہ جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں اور وہ جو بائیں والے ہیں وہ کیسے برے ہیں اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں“۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ!

”پس میں سبقت لے جانے والوں میں سے ہوں اور میں بہترین ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اس نے بہترین قوم میں رکھا اور بہترین قبیلہ سے اٹھایا۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ حجرات ۴۹ : ۱۳)

ترجمہ؛

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور اللہ کے نزدیک تو تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو تم میں سے پرہیز گار ہو اور اللہ خوب جاننے والا اور پوری طرح باخبر ہے“۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

اور رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا کہ!

”پس میں اولاد آدم میں سب سے بہترین ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف و کریم ہوں اور یہ غرور نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو گھرانوں میں تقسیم کیا اور مجھے اِن میں سے بنایا جو گھرانے کے اعتبار سے بہترین ہیں اور یہ غرور نہیں اس لیے کہ اِن گھرانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ!

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ واقعہ ۵۶ : ۳۳)

ترجمہ؛

’’اللہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اے گھر والوں تم کو ہر قسم کی آلودگی سے دور کر دے اور تم کو ظاہراً اور باطناً پاک صاف رکھے اور تم اس علم کو یاد رکھو جس کا تمھارے گھر میں چرچا رہتا ہے بے شک اللہ تمھارا رازداں ہے‘‘۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿

اور انھی امور کے بارے میں قصیدہ ہمزیہ کا شاعر لکھا ہے کہ!

وَبَدَ الِلوَجُود مِنکَ کَرِیمُ
مِن کَرِیمُ اٰبَاؤہ کُرمَاء

اس عالم کے لیے تجھ سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) ایک کریم نبی ظاہر ہوا جو کہ ایک معزز گھرانے کا فرد ہے‘‘۔

نَسَبٌ تَحْسَبُ الْعُلاَ بِجَلاہُ
قَلَدَ تہاَ نُجُومِہَا الجَوْزاءُ

اُن کا تعلق ایک ایسے بڑے خاندان سے ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی معزز دوسرا خاندان نہیں ہے اور تمام خانوادوں میں سے اِن کے خاندان کا نام ایسا ہے کہ جیسا کہ ستاروں کی لڑی میں جوزا ستارہ۔

حَبَّذَا عِقْدَ سَوْدِ وَ فَخَارِ
اَنْتَ فِیہِ الیَتِمَۃُ العَصْمَاءً

کتنا اچھا سرداری اور فخر کا ہار ہے اور اس ہار میں محمد ﷺ ایک منفرد اور یکتا موتی کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں[63*]

وفاالوفا میں ہے کہ!

''نبی اکرم ﷺ کریم ہیں اور اِن کی ذات میں کمال کی ساری صفات جمع ہیں اور اسی نسبت سے اُن کے آباء بھی کریم ہیں یعنی وہ عہد جاہلیت کے عیوب سے محفوظ تھے جیسا کہ برہنہ ہو کے بیت اللہ کا طواف کرنا، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا وغیرہ، اور جب آپ ﷺ کے آباء کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس میں آپ ﷺ کے ننہالی آباء بھی شامل ہیں جو جاہلیت کی کمزوری سے محفوظ رہے تھے یعنی جاہلیت کے اوصاف میں سے اسلام نے جن چیزوں کی مذمت کی ہے وہ اِن سے محفوظ تھے۔

علامہ ماوردی نے اپنی کتاب'' **اعلام النبوۃ** ''میں لکھا ہے کہ!

جب رسول اللہ ﷺ کے نسب کا حال معلوم ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی ولادت کی پاکیزگی کا علم ہوتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ شریف اور عالی مرتبت آباؤ اجداد کے نطفوں سے نکلے ہیں جن میں سے کوئی بھی نچلے درجے کا آدمی نہ تھا بلکہ اِن میں سے ہر ایک سردار اور راہنما تھا اور یہ کہا گیا ہے کہ نسب کا شرف اور ولادت کی پاکیزگی نبوت کی شرائط میں سے ہیں چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ قوموں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کی قوم ہے اور قبیلوں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کا قبیلہ ہے اور خاندانوں میں سب سے اشرف آپ ﷺ خاندان ہے۔

اسی شرف کے متعلق حضرت ابو طالبؓ کے ایک قصیدے سے چند اشعار پیش ہیں۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ
فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِيمُهَا

جب قریش کسی دن فخر کرنے کے لیے جمع ہوں تو سمجھ لو ان میں عبد مناف سب سے زیادہ شریف اور معزز ہیں۔

وَإِنْ حُصِّلَتْ أَنْسَابُ عَبْدِ مَنَافِهَا
فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا

اور اگر عبد مناف کی اولاد کے نسب کا ذکر ہو تو سمجھ لو کہ ان کی شرافت اور بزرگی ہاشم میں ہے۔

وَإِنْ فَخَرَتْ يَوْمًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا
هُوَ الْمُصْطَفَى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيمِهَا

اور اگر کسی دن ان میں فخر ہو تو سمجھ لو کہ محمد ﷺ ان میں سے منتخب کریم اور شریف ہیں۔

[*64]

نبی اکرم ﷺ اپنی قوم سے بہت محبت کرتے تھے اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ سے بہت سی روایات مروی ہیں مثال کے طور پہ یہاں کچھ روایات پیش کی جا رہی ہیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ !

’’ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو عربوں سے محبت کرے وہ میری وجہ سے کرے اور جو اِن سے دشمنی کرے وہ میری وجہ سے ہی اُن سے دشمنی کرے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ !

’’اس روایت کو حضرت سلیمانؓ فارسی نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا؛

اے سلیمانؓ مجھ سے دشمنی مت رکھنا ورنہ اپنے ایمان سے محروم ہو جاؤ گے‘‘۔

میں نے عرض کی!

یارسول اللہ ﷺ میں بھلا آپ سے دشمنی کیسے رکھ سکتا ہوں جب کہ آپ ﷺ ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے اور دین کی دولت سے نوازا ہے‘‘۔

آپ ﷺ نے جواب دیا!

کہ اگر تم عربوں سے بغض وعداوت رکھو گے تو وہ گویا مجھ سے ہی دشمنی رکھنا ہوگا‘‘۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ !

حضرت علی ابن طالبؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ منافق سے سوا کوئی عربوں سے بغض نہیں رکھ سکتا۔‘‘

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ !

سنو جو عربوں سے محبت کرے وہ میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کرے اور جو اُن سے دشمنی کرے وہ میری دشمنی کی وجہ سے ایسا کرے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عربوں سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو ایک اس لیے کہ میں بھی تو عربی ہوں دوسرا اس لیے کہ قرآن اُن کی زبان میں اترا ہے اور تیسرے اس لیے کہ جنت والوں کی زبان عربی ہے"۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

قیامت کے دن لوائ (یعنی جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس دن جو لوگ میرے جھنڈے کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہ عرب ہوں گے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

جب عرب ذلیل ہو جائیں گے تب اسلام بھی ذلیل ہو جائے گا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عربوں میں بہترین لوگ بنی مضر

کے لوگ ہیں اور بنی مضر میں سے بہترین لوگ بنو عبد مناف ہیں اور بنو عبد مناف میں سے بہترین لوگ بنی ہاشم ہیں اور بنی ہاشم میں بہترین لوگ بنی مطلب کے لوگ ہیں اور میں انھیں میں سے ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جب اُن کی اولادوں کو تقسیم کیا تو میں ان میں بہترین قسم میں رہا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت ہے کہ!

حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا تو مجھے زمین کی بہترین مخلوق سے بنایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو پیدا کیا تو مجھے اِن میں سے بنایا جو قبیلے کے اعتبار سے بہترین تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے افراد کو پیدا کیا تو مجھے اِن میں سے بہترین افراد میں سے بنایا اور جب اللہ تعالیٰ نے گھرانوں کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا کیا پس میں لوگوں سے گھرانے کے لحاظ سے بھی افضل ہوں اور نسب کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ایک اور روایت میں ہے کہ!

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے نسب کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک نور کی صورت میں تھے اور یہ نور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہتا تھا اور اِن کی تسبیح و عبادت کے ساتھ فرشتے بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو یہ نور اُن کی صلب میں ڈال دیا گیا۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد فرمایا کہ!

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں زمین پہ اتار دیا اور پھر اسے حضرت نوح علیہ السلام کے نطفے میں منتقل کر دیا گیا اور اس کے بعد اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نطفے میں ڈال دیا گیا پھر اللہ تعالیٰ اسی طرح مجھے شریف و کریم نطفوں اور پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے میرے ماں باپ میں سے نکالا جنھوں نے کبھی کوئی فحش حرکت نہ کی تھی۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کے شرف کی رفعت کو کچھ اس انداز سے بیان کیا گیا ہے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے ایک نور کی حیثیت میں موجود تھا[*65] ۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ
”اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا“
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

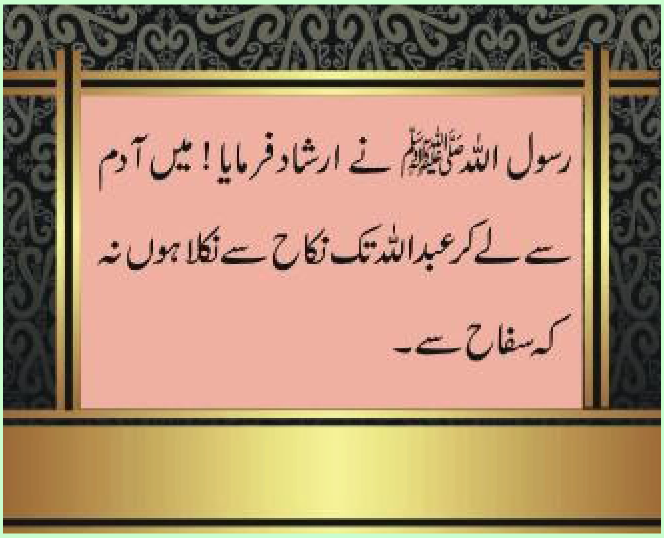

اس امر میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ وجہ کائنات ہیں، رونق کائنات ہیں، بہارِ کائنات ہیں اور آپ ﷺ کے آباء بھی یقیناً انسانوں کی سب سے اعلیٰ نسل سے ہیں۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے بہت سے ارشادات ابھی گذشتہ صفحات میں گزرے ہیں۔ اہل عرب میں نسب کا فخر معمول کی بات تھی اور عربوں کو اس بات میں ذرا سا شک بھی نہ تھا کہ اُن میں قریش یعنی بنومضر ہی سب سے اعلیٰ ہیں اور نبی اکرم ﷺ اہل قریش سے ہیں جو صدیوں سے بیت اللہ کے متولی چلے آرہے تھے اور لوگوں کی مذہبی پیشوائی کا فریضہ ادا کرتے رہے تھے۔ اگرچہ جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو دین ابراہیم میں بہت تحریف ہو چکی تھی اور قریش بھی اُن نئی باتوں میں مشغول تھے جو لوگوں نے دین ابراہیم میں شامل کر لی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد عہد فترت میں سے تھے اور بعض مورخین نے جو اس طرح کی روایات بیان کی ہیں جن میں بیان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے والدین کو اُن کے سامنے زندہ کیا گیا اور آپ ﷺ نے اُن کو دین اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی وغیرہ وغیرہ ایک تو اس طرح کی روایات کی صحت پہ بہت حرف

زنی کی گئی ہے دوسرے یہ کہ یہ محض ایک تکلف ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ وہ مبارک صلب جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کے نطفے کو اٹھائے رکھا اور وہ مبارک رحم جنھوں نے اس امانت کو اگلی نسلوں تک منتقل کیا جہنم کا ایندھن بن سکتے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً نبی اکرم ﷺ کے آباء پہ رحم فرمائے گا اور آپ ﷺ کے صدقے اُن کو معاف فرمائے گا۔ یاد رہے کہ عہد جہالت کی تاریکیوں میں بھی خاص وہ لوگ جنھیں ہم نبی اکرم ﷺ کے آباء کی حیثیت سے جانتے ہیں اُن امور سے دور ہی رہے جن کو جاہلیت کہا جا سکتا ہے۔

اُن میں کسی حد تک دین ابراہیم کی شناخت باقی تھی اور اُن کے آباء اُس پہ کار بند تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا نسب عدنان تک بیان کیا ہے اور اس سے آگے نسب بیان کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اس میں شک پایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ہم کسی ماہر نسب کو نہیں جانتے جو نبی اکرم ﷺ کے نسب کو عدنان اور قحطان سے آگے بیان کرے سوائے اس کے کہ وہ جھوٹ بولے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

ابن عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ!

رسول اللہ ﷺ جب اپنے نسب کا تذکرہ فرماتے تو معد بن عدنان بن ادد سے آگے نہ جاتے بلکہ یہاں پہنچ کر رک جاتے اور فرماتے کہ اس سے آگے سلسلہ نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نبی اکرم ﷺ کا نسب پاک پیش خدمت ہے۔

”سیّدنا محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصئی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن

عدنان“

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

والدہ کی طرف سے آپ ﷺ کا نسب مبارک یہ ہے۔

” محمد رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا آمنہ بنت برہ بنت ام حبیب بنت برہ بنت قلابہ بنت امیمہ بنت دُب بنت عاتکہ بنت لیلی بنت قیلہ بنت سلمیٰ بنت ماویہ بنت سلاخہ بنت نجعہ بنت جمل بنت ام قصی “

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نبی اکرم ﷺ کے آباء کی ماؤں نام بھی قدیم تواریخ سے دستیاب ہو گئے۔انھیں بھی ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

☆۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول کی والدہ کا نام ” **آمنہ**“ تھا۔

☆۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی والدہ کا نام” **فاطمہ** “ تھا۔

☆۔ عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ کا نام” **سلمیٰ** “ تھا۔

☆۔ ہاشم بن عبدمناف کی والدہ کا نام” **عاتکہ** “ تھا۔

☆۔ عبدمناف بن قصی کی والدہ کا نام” **حبئی** ‘‘تھا۔

☆۔ قصیٰ بن کلاب کی والدہ کا نام ” **فاطمہ** “ تھا۔

☆۔ کلاب بن مرہ کی والدہ کا نام ”**ھندہ**“ تھا۔

☆۔ مرہ بن کعب کی ماں ” **فخشیہ** “ تھیں۔

☆۔ کعب بن لوئی کی والدہ کا نام ’’**ماویہ** “تھا۔

☆۔ لوئی بن غالب کی والدہ کا نام ” **عاتکہ** “ تھا۔

☆۔ غالب بن فہر کی والدہ کا نام '' **سلمیٰ** '' تھا۔

☆۔ فہر بن مالک کی ماں کا نام ”**جندلہ** “ تھا۔

☆۔ مالک بن نضر کی ماں کا نام ”**عکرشعہ** “ تھا۔

☆۔ نضر بن کنانہ کی ماں کا نام '' **برۃ** “ تھا۔

☆۔ کنانہ بن خزیمہ کی ماں کا نام ” **عوانہ** “ تھا۔

☆۔ خزیمہ بن مدرکہ کی والدہ کا نام ”**سلمیٰ** “تھا۔

☆۔ مدرکہ بن الیاس کی والدہ کا نام ” **لیلی** “ تھا۔

☆۔ الیاس بن مضر کی والدہ کا نام ” **رباب** “تھا۔

☆۔ مضر بن نزار کی والدہ کا نام ” **سودۃ** “ تھا۔

☆۔ نزار بن معد کی والدہ کا نام ” **معانہ** “تھا۔

☆۔ معد بن عدنان کی والدہ کا نام ”**مہدۃ** “تھا۔

☆۔ عدنان بن ادد کی والدہ کا نام ” **فاطمہ** “تھا ۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙

نبی اکرم ﷺ کے والدین اور آباؤ اجداد سب کے سب جاہلیت اور شرک سے دور تھے۔محمد بن السائب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے مادری سلسلہ میں پانچ سو سے زیادہ ماؤں کے نام لکھے ہیں مگر اِن میں سے کسی ایک کے متعلق بھی میں نے زنا یا ناجائز تعلق کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں پائی اور نہ اُن میں کوئی ایسی عادت پائی جس کا علاقہ رسوم جاہلیت سے تھا۔

اس کے علاوہ بھی ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کے آباء کی مدح کی گئی ہے مثال کے طور پہ کچھ روایات پیش کی جاتی ہیں“۔

”جعفر بن محمدؒ اپنے والد محمد بن علیؒ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واقعہ یہ ہے کہ میں فقط نکاح سے ہوں سفاح سے نہیں ہوں اور اہل جاہلیت کے سفاح کا میرے اجداد میں شائبہ تک نہ تھا“۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں آدم سے لے کر عبداللہ تک نکاح سے نکلا ہوں نہ کہ سفاح سے“۔

اسی طرح کی ایک روایت میں عطا حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!

کہ میں ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتا رہا ہوں

یہاں تک کہ میری ماں آمنہ نے مجھے جنا!

چنانچہ یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رفعت عطا فرمائی کہ آپ ﷺ کے نسب کو اعلیٰ رکھا ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن بھی اس بارے میں پریشان رہتے کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے کے لیے نہ تو نسب میں کوئی عیب نظر آتا اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کے آباء کے بارے میں زبان کھول سکے۔

اشاریہ

*1

زیادالاعجم نے فرزدق کو یہ اشعار لکھے ہم نے انھیں بلوغ الارب سے تحریر کیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 607)

♦♦♦

*2

عبداللہ سلمٰی نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی مدح میں یہ اشعار کہے۔انتخاب بلوغ الارب سے پیش کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 608)

♦♦♦

*3

یہ اشعار زبیر بن عبد المطلب کے ہیں۔ہم نے انھیں بلوغ الارب سے تحریر کیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 272)

♦♦♦

*4

حضرت لبید ابن ربیعہ کی بیٹی کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلدسوم ۔ ص 620)

♦♦♦

*5

امراؤالقیس بن حجر الکندی کے حالات اور اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 16)

♦♦♦

*6

زہیر بن اسلمی کے حالات زندگی اور اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 23)

♦♦♦

*7

نابغہ ذبیانی کے کچھ حالات اور اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 27

♦♦♦

*8

اَعشیٰ کے حالات اور اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 86

♦♦♦

*9

حضرت لبید بن ربیعہ العامری کے حالات اور اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔ یاد رہے کہ لبید ہی اہل عرب کے وہ واحد شاعر ہیں جن کی شعری رفعت کی بنا پہ عربوں نے اِن کو سجدہ کیا تھا۔ آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کی دولت سے نواز دیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 91

♦♦♦

*10

حضرت حسان بن ثابتؓ کو یہ منصب حاصل ہوا کہ وہ دربار نبوی کے شاعر تھے اور رسول اللہ

ﷺ کی مدح کے منصب پہ فائز تھے،نہایت قادر الکلام شاعر تھے۔وہ اہل عرب سے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے تھے اور اُن کے اشعار کا جواب دیتے تھے اُن کے کچھ حالات اور شعر بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 100)

♦♦♦

*11

امیہ بن ابی الصلت کا شمار بھی اہل عرب کے صاحب دانش اور قادر الکلا شعرا میں کیا جاتا تھا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک پایا مگر اسلام کی دولت سے محروم رہا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 63)

♦♦♦

*12

حضرت سواد بن قارب کی مدح میں کہے گئے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے منتخب کئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 403)

♦♦♦

*13

حضرت سواد بن قارب نے یہ اشعار حضرت عمر کو سنائے ہم نے اِن اشعار کو بلوغ الارب سے درج کیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 406)

♦♦♦

*14

یہ اشعار بھی سواد بن قارب کے ہیں ہم نے انھیں بلوغ الارب سے تحریر کیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 406)

♦♦♦

*15

اِن اشعار کے راوی حضرت سواد بن قارب ہیں ہم نے یہ اشعار بلوغ الارب سے منتخب کیے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 407)

♦♦♦

*16

مدینہ پہنچنے پر حضرت سواد بن قارب نے یہ اشعار رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص408)

♦♦♦

*17

سطیح بن مازن کے بھانجے کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص368)

♦♦

*18

سطیح بن مازن کے یہ جوابی اشعار بھی بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 370)

♦♦

*19

عربوں کی مشہور کاہنہ فاطمہ کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 411)

♦♦

*20

نضر بن حارث کے قتل پر اس کی بہن قتیلہ نے یہ اشعار کہے ہم نے انھیں بلوغ الارب سے درج کیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 470)

♦♦

*21

یہ اشعار عربوں کے ایک شاعر قمہ بن الیاس نے کہے ہم نے انھیں بلوغ الارب سے درج کیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 338)

♦♦

*22

بعض عرب خود کو جدت پسند خیال کرتے اور اہل عرب کے قدیمی علوم سے انکار کرتے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 419)

♦♦

*23

علم زجر کے بارے میں یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 423)

♦♦

*24

علم زجر کے بارے میں یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 445)

♦♦

*25

علم زجر کی بابت العکلی کے یہ اشعار ہم نے بلوغ الارب سے تحریر کئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 421)

♦♦

*26

عزہ کثیر کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 422)

♦♦

*27

عربوں کے کسی زاجر کے یہ خوبصورت اشعار ہم نے بلوغ الارب سے منتخب کئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 433)

♦♦

*28

مرۃ الاسدی نے اپنی بیوی کی موت پہ جو نوحہ کہا اُس سے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔

انتخاب بلوغ الارب سے کیا گیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 437)

♦♦

*29

حضرت اسماعیلؑ نے سب سے پہلے گھوڑوں کو انسانوں کے لیے مطیع کیا۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ سیرت حلبیہ (جلداول ص 83)

♦♦♦

*30

علامہ سیوطی کی اس کتاب کا نام ہے "**خبر الذیل فی علم الخیل**"

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

(سیرت حلبی، جلداول ؛ ص83)

♦♦♦

*31

گھوڑوں کے متعلق یہ اشعار علامہ محمود شکری آلوسی کی کتاب بلوغ الارب سے تحریر کئے گئے۔

بلوغ الارب (جلددوم ؛ ص 512)

♦♦♦

*32

خصائص الخیل کے متعلق چند عرب بچیوں کے خیالات بلوغ الارب جلد دوم سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلددوم ؛ ص 467)

♦♦♦

*33

گھوڑوں کے رنگوں کے متعلق یہ تفصیلات بلوغ الارب سے تحریر کی گئیں۔

علامہ محمود شکری آلوسی ۔۔بلوغ الارب (جلددوم ص 467)

♦♦

*34

سبقت لے جانے والے گھوڑوں کے متعلق اشعار ابن عبدربہ کی کتاب العقد افرید سے تحریر کئے گئے۔

ابن عبدربہ (جلداول ؛ ص 117)

♦♦

*35

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے نامور گھوڑوں کے ضمن میں یہ اشعار بلوغ الارب سے منتخب کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلددوم ص 527)

♦♦

*36

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے نامور گھوڑوں کے ضمن میں یہ اشعار بلوغ الارب سے منتخب کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلددوم ص 531)

♦♦

*37

یہ اشعار علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب جلددوم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

(جلد دوم ؛ ص 556)

♦♦

*38

سراقہ بن مالک الکنانی کیہ اشعار علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب جلد دوم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

(جلد دوم ؛ ص 559)

♦♦

*39

تاہم ''لسان العرب'' میں اس گھوڑے کے مالک کا نام عبدالقیس بیان کیا گیا ہے جسے ایک عرب سیرانی نے روایت کیا ہے۔

مولف؛ سیرۃ المزمل ﷺ افتخار احمد افتخار

♦♦

*40

شادی کرانے والے گھوڑے ھرواۃ کے بارے میں ابن لبید کے یہ اشعار بلوغ الارب جلد دوم سے تحریر کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

(جلد دوم ؛ ص 563)

♦♦

*41

اہل عرب کے مشہور شہ سواروں کے تذکرے کے ضمن میں اِن اشعار کا انتخاب بلوغ الارب سے کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 541)

♦♦♦

*42

علامہ آلوسی کے علاوہ ان کا ذکر امام سہیلی نے روض الانف میں ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں اور ابن درید نے کتاب الاشتقاق میں بھی کیا ہے۔

مؤلف سیرۃ المزمل ﷺ

افتخار احمد افتخار

♦♦♦

*43

گھوڑوں والے حضرت زید الخیرؓ کے یہ اشعار بلوغ الارب جلد دوم سے تحریر کیے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 547)

♦♦♦

*44

ابن درید نے کتاب الاشتقاق میں بیان کیا ہے کہ عربوں کی جنگ فیف الریح میں مسہر نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تھی۔

♦♦

*45

امام نووی نے اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ عمرو بن معدیکرب اسود عنسی کا ساتھی تھا۔

♦♦

*46

حضرت عمرو بن معدیکربؓ کے یہ اشعار بلوغ الارب جلد دوم سے تحریر کیے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 569)

♦♦

*47

یہ اشعار علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب جلد دوم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 561)

♦♦

*48

ابن درید نے کتاب الاشتقاق میں بیان کیا ہے کہ عنترہ عسی نبی اکرم ﷺ کی خدمت حاضر تو ضرور ہوا تھا مگر وہ اسلام نہ لایا۔

♦♦

*49

عربوں کے شجاع معاذ بن صرم کے یہ اشعار بلوغ الارب سے تحریر کیے گئے اگرچہ ابن عبدربہ نے بھی ''العقد الفرید'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 564)

♦♦

*50

اشعار علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب جلد دوم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 569)

♦♦

*51

حضرت امیہ بن حرثان اور کلاب بن امیہ کا یہ واقعہ بلوغ الارب سے درج کیا گیا۔ اشعار بھی بلوغ الارب سے منتخب کیے گئے ہیں۔

بلوغ الارب (جلد دوم ص 577)

♦♦

*52

عربوں کے شہ سوار بشامہ بن حزن (قبیلہ بنو نہشل) کے اِن اشعار کو بلوغ الارب سے منتخب کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد دوم ص 592)

♦♦♦

*53

اس سلسلے میں ابو عبیدہ کی کتاب "مقاتل الفرسان" بہت مفید ہے جس میں انہوں نے سینکڑوں عرب شہ سواروں کے حالات بیان کئے ہیں۔

♦♦♦

*54

امام ابوبکر الصولی (المتوفی ۳۵۵ھ)

♦♦♦

*55

خنان دراصل ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹوں کے نتھنوں میں لگتی ہے جس سے وہ مرجاتا ہے مگر اس سال یہ بیماری اونٹوں سے انسانوں میں منتقل ہوگئی جس سے عربوں میں کثرت سے اموات ہوئیں اور یہ منذر بن ماء السما کا عہد حکومت تھا۔

♦♦♦

*56

ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے مستوغر بن ربیعہ جب حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آیا تو اس کی عمر تین سو سال تھی (العقد الفرید ۲:۳۲۸)۔

♦♦♦

*57

مقدمہ ابن خلدون از علامہ ابن خلدون

♦♦

*58

اشعار بلوغ الارب جلد چہارم سے درج کئے گئے

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد چہارم ص 527)

♦♦

*59

ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے کہ یہ اشعار یزید بن مفرع کے ہیں

(العقد الفرید)

♦♦

*60

علم الریافہ کے ضمن میں یہ بیان بلوغ الارب سے تحریر کیا گیا۔

علامہ محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب (جلد چہارم ص 483)

♦♦

*61

نصر بن سیار کے یہ اشعار بلوغ الارب سے منتخب کئے گئے۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 232)

♦♦

*62

نبی اکرم ﷺ کے نسبی شرف کے بارے میں پیش کی گئیں اکثر روایات سیرۃ حلبیہ سے درج کی گئیں ہیں۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۱۰۴)

♦♦

*63

نبی اکرم ﷺ کی مدح میں کہا گیا قصیدہ ہمزیہ بہت شہرت کا حامل ہے ہم نے یہ اشعار سیرت حلبیہ سے درج کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۱۰۵)

♦♦

*64

نبی اکرم ﷺ کی مدح میں کہے گئے حضرت ابو طالب کے یہ اشعار سیرت حلبیہ سے درج کئے ہیں

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۱۰۹)

♦♦

*65

نبی اکرم ﷺ کے نسبی شرف کے بارے میں پیش کی گئیں اکثر روایات سیرۃ حلبیہ سے درج کی گئیں ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۱۱۱)

♦♦♦

ماخذ و مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکوٰۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی	*****	امام ترمذیؒ
تاریخ ابن خلدون	*****	علامہ ابن خلدونؒ
تاریخ الامم والملوک	*****	امام ابن جریر طبریؒ
تاریخ اسلام	*****	اکبر شاہ نجیب آبادیؒ
تاریخ اسلام	*****	معین الدین شاہ ندویؒ
انسان کامل	*****	محمد منیر قریشیؒ
مسلمان امتیں	*****	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
سیرت ابن ہشام	*****	ابن ہشامؒ
نقوش (رسول نمبر)	*****	ادارہ
مجموعہ مضامین	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
ضیاالقرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
خطبات	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
سیرت سرورِ کونین ﷺ	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
پردہ	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصوارت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زر بار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبد ربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ ***** محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

کائنات اور انسان ***** علی عباس جلالپوریؒ

حجۃ البالغہ ***** شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تمدن ہند ***** علی بلگرامیؒ

سیرت عائشہؓ ***** سیّد سلمان ندویؒ

تحقیق ماللہند ***** علامہ البیرونیؒ

کرم کی برسات ***** ڈاکٹر محمد خالد عاربی

ابوسفیانؓ ***** الطاف حسن گیلانی

تاریخ اسلام ***** شیخ محمد رفیق

تاریخ مدینہ ***** محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسید احمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹر حسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبد الملکؒ
العرب قبل از اسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسید احمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغۃ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابت ؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاض ؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعد ؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبی ؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلوی ؒ
جمع الوسائل	*****	ملا علی قاری ؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانی ؒ
جواہر البحار	*****	امام بیہقی ؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکر ؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقی ؒ

المعجم الصغیر ***** امام طبرانیؒ

فتح الباری ***** ابن حجر عسقلانیؒ

اخبار مکہ ***** امام فاکہیؒ

الکفایہ فی العلم الراویہ ***** خطیب بغدادیؒ

التمہید ***** ابن عبد البرؒ

الثقات ***** ابن حبانؒ

سبل الہدی والرشاد ***** امام صالحیؒ

المنصف ***** ابن ابی شیبہؒ

شرح مسلم ***** امام نوویؒ

شمائل الرسول ***** امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحاد ولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابو عوانہ ؒ
مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار	*****	پروفیسر ارشد جاوید
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہ ؒ
قرآن اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
رسول عربی اور عصر جدید	*****	سیّد محمد اسماعیل ؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشید احمد ندیم
میزان	*****	جاوید احمد غامدی
شرح الشفا	*****	ملا علی قاری ؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیار بکری ؒ
الایمان	*****	ابن مندہ ؒ

السنن	*****	ابن ماجہ ؒ
ترکۃ النبیؐ	*****	ابواسماعیل بغدادیؒ
الرسولؐ	*****	عبدالحلیم محمودؒ
روح المعانی	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
قیامت اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
الدیباج	*****	امام سیوطیؒ
مکارم اخلاق	*****	ابن ابی الدنیاؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام بیہقیؒ
الخصائص الکبریٰ	*****	امام سیوطیؒ
المسند	*****	امام احمد بن حنبل ؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	منادیؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران	*****	ابن جریر طبریؒ
مشکوۃ المصابیح	*****	الخطیبؒ
الجوامع السیاسیہ	*****	امام ابن تیمیہؒ
بیان العلم وفضلی	*****	ابن عبدالبرؒ
تاریخ السلامی السیاسی	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
النظم الاسلامیہ	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
کتاب الخراج	*****	الامام ابو یوسفؒ
تحفۃ الاشراف	*****	المزیؒ
حسن المحاضرۃ	*****	امام سیوطیؒ
مقائس اللغۃ	*****	ابن فارسؒ

اعلام الموقین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزہد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفا الوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر در منثور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المھشرہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

انساب الاشراف	*****	امام بلاذری ؒ
ہدیۃ العارفین	*****	اسماعیل باشاؒ
مناہل الصفاء	*****	امام سیوطی ؒ
مقاصد الحسنہ	*****	امام سخاوی ؒ
المنصف	*****	عبدالرزاق ؒ
جامع الصغیر للمنادی	*****	امام سیوطی ؒ
مفاتیح الغیب	*****	امام رازی ؒ
مسند احمد	*****	امام احمدؒ
الشعر والشعرا	*****	ابن قتیبہ ؒ
العبقریات الاسلامیہ	*****	العقاد عباس محمود ؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن ***** محمد بن احمد قرطبیؒ

مسلم نشاۃ ثانیہ ***** ڈاکٹر محمد امین

مسلمان اور سائنس کی تحقیق ***** حبیب احمد صدیقیؒ

نامور مسلمان سائنس دان ***** حمید عسکریؒ

نظام الحکومت نبویہ ***** شیخ عبدالحئیؒ

الاسلام والحضاوۃ العربیہ ***** کرد علیؒ

سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج ***** حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ

فیض الباری ***** محمد انور شاہؒ

سو مسلم سائنس دان ***** رفیق انجمؒ

شاندار سائنسی کارنامے ***** زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبد الواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبد الرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین ***** طالب ہاشمیؒ

ارشادات دانائے کونین ***** طالب ہاشمیؒ

منصب امامت ***** طالب ہاشمیؒ

اخلاق پیغمبری ***** طالب ہاشمیؒ

معارف الحدیث ***** محمد منظور نعمانیؒ

فصاحت نبوی ***** ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ

رہبر کامل ***** مولانا عبد المجید خادمؒ

اسوہ رسول اکرمؐ ***** ڈاکٹر محمد عبد الحئیؒ

اخلاق نبوی ***** سیّد محمد اسحاقؒ

نبی رحمت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسول اللہؐ ***** شیخ محمد رضا مصری ؒ

محمد رسول اللہ ﷺ ***** توفیق الحکم ؒ

پیغمبر انقلاب ***** مولانا وحید الدین خان ؒ

عقبریت محمدؐ ***** عباس محمود العقاد ؒ

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی ***** ڈاکٹر نور محمد غفاری ؒ

خاندان نبوت ***** محمد ادریس ؒ

معرکہ اسلام اور جاہلیت ***** صدر الدین اصلاحی ؒ

مغازی رسولؐ ***** حضرت عروہ بن زبیرؓ

تاریخ مکہ ***** منظور احمد شاہ ؒ

منصب نبوت ***** سیّد ابوالحسن ندوی ؒ

شمائل کبری ***** عبدالحکیم خانؒ

سیرۃ اکبریٰ ***** مولانا ابوالقاسمؒ

راہ عمل ***** مولانا جلیل احسنؒ

زادراہ ***** مولانا جلیل احسنؒ

وفود عرب ***** طالب ہاشمیؒ

سیرت سیّدہ فاطمہؓ ***** طالب ہاشمی

معارف القرآن ***** مفتی محمد شفیعؒ

ترجمہ قرآن ***** سیّد ابوالاعلی مودودیؒ

البستان ***** واثق باللہ

کتاب السماء ولغات ***** امام نووی

محمد رسول اللہؐ ***** محمد صادق ابراہیمؒ

رسول مبینؐ ***** محمد احسان الحق سلیمانیؒ

سیرت محمدیؐ ***** سرسید احمد خانؒ

سیرت سرور کونینؒ ***** سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

WESTREN AUTHORS.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.